

غلبۃ القرآن

صدر الدين
امير جاعت

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

میں نے یورپ میں لوگوں کو یہ کہتے سنا تھا۔ اور ان کی تصانیف میں پڑھا تھا کہ قرآن کریم کوئی الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کو پیغمبر اسلام ﷺ نے خود ہی تالیف کیا تھا جس کا ثبوت ان کے قول کے مطابق یہ ہے کہ توراة و انجیل کی تعلیمات اور انبیاء کے قصص اس میں موجود ہیں اور اس کے بعض حصص ایسے ہیں جو مشرکین عرب کی رسومات پر مستعمل ہیں۔ ان اعتراضات کے پیش نظر میں نے ازیں ضروری سمجھا کہ اپنی جرمی تفسیر قرآن کریم کے دیباچہ میں اس بات کا ثبوت پیش کروں کہ قرآن کریم کے نظریات و تعلیمات کا سرچشمہ کوئی انسانی دماغ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تعلیمات کا منبع وہ ہستی ہے جو اس کائنات کی خالق و موجود ہے اور جس نے اس کائنات میں انسان کو سب سے اشرف و اکرم بنایا ہے۔ اور اس کی استعدادوں کی تعلیم و تربیت کے لئے جہاں اس کے سامنے صحیفہ قدرت کھول رکھا ہے وہاں اپنی وحی کے ذریعہ سے اس کے قلب کو بھی منور کیا ہے اور اس کو اپنی ذات و صفات سے اور اپنی قدرت اور علم و

حکمت سے روشناس کرایا ہے اور اپنے احسانات بے پایاں کی معرفت بخشی ہے تا کہ انسان جس کی جیلت میں ہر کمال کی قدر کرنا رکھا گیا ہے اور ہر احسان کے سامنے سر جھکانا رکھا گیا ہے اپنے خالق و محسن کی طرف بے اختیار کھنچا چلا آئے اور ان تمام سعادات سے مala مال ہو جو خالق و محسن حقیقی کی فرمانبرداری کے اختیار کرنے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

میں نے سوچا کہ اگر اہل یورپ کے دلوں سے ان اعتراضات کو دور نہ کیا جائے تو ان کے سامنے قرآن کریم کی تفسیر کا رکھنا یسوسود ہو گا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۷ء عیسوی میں جب میں نے برلن میں جرمی تفسیر کی طبع کا اہتمام کیا تو اس کے دیباچہ کو اس موضوع کے لئے محدود و مخصوص کر دیا کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اصول و تعلیمات توراة و انجیل سے سرقہ کردہ نہیں ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک مبسوط مقالہ جس کی ضخامت چالیس صفحات سے زائد ہے تفسیر کے ساتھ شائع کیا۔ اور ان صفحات میں بار بار اس چیلنج کو پرزاور الفاظ میں دھرا یا کہ یہ وہ دلائل و براهین ہیں جن کے رو سے قرآن کریم نے خود واضح کیا ہے کہ اس کتاب کا سرچشمہ انسانی دماغ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا نازل کرنے والا صرف خدائی علم و حکیم ہے جس کا علم امن کائنات پر

محیط ہے کیونکہ وہ اس کا خالق و موجد ہے۔ اور خالق و موجد کے سوائے کسی دوسرے کو کائنات کی کنہہ کا اور ان قوانین کا علم نہیں ہو سکتا جو اس کے اندر کار فرما ہیں۔ فرمایا

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(انعام ۶ - آیت ۱۰۲)

اسی طرح سے اس کائنات کے اشرف حصہ یعنی انسان کی ضروریات کا علم اور اس کے دل و دماغ کے طریقہ کار کا علم بھی اس کے خالق و موجد کے سوائے کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انسان اسی کی رہنمائی و ہدایت سے کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس طرح سے کوئی مشین اس کے موجد کی جاری کردہ ہدایات کے بغیر خوبی اور کامیابی سے اپنا کام نہیں کر سکتی اسی طرح سے انسان کی مشین اس کے موجد کی جاری کردہ ہدایات کی محتاج ہے اور ان ہدایات کی تعمیل سے ہی کامیابی کا منہ دیکھ سکتی ہے چنانچہ فرمایا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْأَنْسَانَ ... إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ

(الدہر ۶ - آیت ۳۰۲)

پھر فرمایا :

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَرَ كُمْ فَاحْسَنَ

صُورَكُمْ وَالَّتِي هُوَ الْمَصِيرُ - يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلَمُونَ وَاللَّهُ عَلَيْهِ
بِدَّاتِ الصَّدُورِ (سورة التغابن ٦٢ - آیت ٣)

یعنی ہم زمین و سماوات کے خالق ہیں اسی لئے ان کے متعلق پورا پورا علم ہم کو ہے اور اسی طرح سے انسان کے دل و دماغ اور اس کی تمام استعدادوں کے خالق و موجد ہونے کے باعث اس کے دل و دماغ کے ارادوں پر پوری اطلاع رکھتے ہیں اس لئے ہماری طرف سے جاری کردہ ہدایت نامہ اس کی زندگی کے مقصد کے حصول کے لئے اس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے

أَلَا يَعْلَمُ مِنْ خَلْقَ وَهُوَ الْأَطِيفُ الْخَبِيرُ

(الملک ٦ - آیت ١٢)

غور کرو بھلا و نہ جانے جس نے ہر شئ کو پیدا کیا دران
حالیکہ وہ باریک بین اور خبیر ہے، پھر فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْأَنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوْسِوْمُ بِهِ نَفْسُهُ
(سورة ق ٥ - آیت ١٦)

چونکہ ہم ہی انسان اور انسان کے قوی کے خالق ہیں
اس لئے ہم اس کے قلب کے وساوس تک سے واقف ہیں۔

الغرض خدا تعالیٰ نے نہایت معقول رنگ میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ راہنما کرنا سوائے خالق السموات والارض و خالق الانسان کے کسی دوسری ہستی کا کام نہیں کیونکہ خالق کی جانب سے جاری کردہ هدایات ہی ہم کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ اور ایسی ہی هدایات موجب اطمینان قلب اور موجب ازدواج ایمان و ایقان ہو سکتی ہیں۔ فرمایا

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى

(طہ ۲۰ - آیت ۵۰)

ہارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی خلقت عطا کی اور ہر چیز کی رہبری کی ۔

جرمن تفسیر مع اس دیباچہ کے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا * سنہ ۱۹۳۷ء عیسوی میں طبع ہوئی اور اس میں مذکورہ

* مجھے پہلی دفعہ برلن جانے کا موقعہ ۱۹۲۳ء میں ملا وہاں جانے کی غرض مسلم مشن کا قائم کرنا اور ایک مسجد کی تعمیر کرنا تھا۔ چنانچہ یہ دونوں کام ۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء و ۱۹۲۵ء میں سرانجام پائے۔ مشن بھی قائم ہو گیا اور مشن کے استحکام کے لئے جرمن زبان میں ایک رسالہ بھی جاری کر دیا گیا۔ اور ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر ہوئی جس کے مینار پچانوے پچانوے فٹ اونچی ہیں اور جس کے کلاس کی چوٹی پچھتر فٹ پر کھڑی ہے۔ اس مسجد کے تین طرف نہایت صاف ستھری سڑکیں ہیں اور تینوں طرف فٹ پاتھہ ہیں جن پر سبز درخت کھڑے ہیں۔ مسجد کے احاطہ میں باغ ہے جس میں ایک مختصر سی رہائشی کوٹھی ہے اس طرح خدا کے فضل سے لا کھوں روپے کی جائیداد پیدا ہو گئی۔ اور جرمن تفسیر کے طبع ہونے سے ایک کامل و مکمل مشن قائم ہو گیا۔

بلا چیلنج پر کافی عرصہ گذر چکا ہے لیکن علماء و فضلاء یورپ میں سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس چیلنج کو سامنے رکھکر اس موضوع پر قلم اٹھائے اور ان دلائل کو توثیق کر دکھائے جو اس کے دیباچہ میں درج ہیں۔ میرا یقین ہے کہ کوئی مخالف ان براہین کی تردید نہیں کر سکتا۔

میرا یہ ایمان اس لئے پختہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے یقین دلایا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر باطل کبھی حملہ آور ہو کر کامیاب نہیں ہو سکتا چنانچہ فرمایا۔

وَإِنَّهُ لَكَتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

(سورہ حم السجدة ۱۳۲ - آیت ۲۲)

یعنی قرآن کریم پر باطل حملہ آور ہو کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کتاب جو عزیز ہے ہر صورت میں غالب رہے گی اور اس کی عظمت کا غلبہ دلوں پر مسلط ہو گا اور چونکہ یہ کتاب حکیم و حمید خدا کی طرف سے ہے اس لئے اس کتاب کی حکیمانہ تعلیمات پر حملہ کرنا نادانی ہوگی۔ بلکہ ان تعلیمات کو قابل ستائش پایا جائے گا کیونکہ اس کا نازل کرنے والا حکیم اور حمید ہے۔

اہل یورپ کے ان اعترافات کی تردید میں اب تک کسی مسلمان کی طرف سے نہ تو کوئی مقالہ لکھا گیا ہے اور نہ ہی کوئی کتاب - کم از کم میرے دیکھنے میں اس وقت تک کوئی ایسی تحریر یا تصنیف نہیں آئی - ورنہ میں ان سے استفادہ کرتا۔ اندریں حالات میرے اس مضمون کا مأخذ صرف قرآن کریم ہے۔ اور قرآن کریم اپنے سپاہی کو خود مسلح کر سکتا ہے اور اس کو کمر بستہ کر سکتا ہے جو اس کی تعلیمات کے دفاع کے لئے کھڑا ہو، موجودہ صفحات لکھتے وقت جمن تفسیر کے دیباچہ کا ترجمہ کر دینا میرا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ مضمون اس دیباچہ پر اضافہ ہو گا۔

یہ امر قرآن کریم کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے کہ جب کبھی دشمن اس کی تعلیمات پر اعترافات کرتا ہے تو یہ کتاب خود اپنے دلائل ساطع و براہین نیڑہ کی روشنی سے اعترافات کی ظلمت کو پاش پاٹ کر کے اپنے متبع کے دل کو ایمان و ایقان سے معمور کر دیتی ہے اور اپنے لئے عاشقانہ جذبہ پیدا کر لیتی ہے۔ یہ امتیاز کسی دوسری آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

خدا تعالیٰ جو اس کتاب کا نازل کرنے والا ہے اپنے رسول کو ذیل کا اعلان کرنے کا ارشاد فرماتا ہے

عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۝

(سورہ یوسف ۱۲ - آیت ۱۰۸)

میں روشن تعلیمات پر قائم ہوں۔ اور اسی طرح میرے متبوعین بھی علم و بصیرت پر قائم ہیں۔ یہاں اندھی تقیید کا شائیبہ تک نہیں ہے۔ جو کچھ مانا جاتا ہے وہ سمجھ سوچ کر مانا جاتا ہے اور یہی حقیقت اس دین کی مضبوطی کا باعث ہے۔

اہل یورپ ایک مدت سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف غلط پراپاگنڈا کرنے میں مصروف چلے آ رہے ہیں کبھی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات پر حملے کرتے ہیں کبھی قرآن کی تعلیمات کو اپنے ابناء وطن کی نگاہ میں گرانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یورپ کے لوگ قرآن کریم کی تعلیمات کو ناقابل التفات ہی نہیں بلکہ مستحق حقارت قرار دیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اہل یورپ کو اسلام کے غالب آنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے ورنہ وہ هندو مذہب کے خلاف کیوں پراپاگنڈا نہیں کر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ هندو مذہب سے اہل یورپ خائف نہیں ہیں۔ یورپ کا تجربہ ہے کہ اہل اسلام نے یورپ کے مشرق و مغرب دونوں حصص پر اپنی فتح کے جھنڈے گلازے تھے۔ اور اہل یورپ کو اپنی تہذیب و تعلیم سے ملا مال کیا تھا اس تجربہ کے

پیش نظر وہ اسلام کے خلاف پر اپاگنڈا کرنے پر زور دیتے رہتے ہیں، کبھی تو پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے کبھی کعبۃ اللہ کے انهدام کا منصوبہ ہے کبھی خلافت کو مٹانے کی تجاویز ہیں اور کبھی قرآن کی عمارت کو دھڑام سے گرا دینے کے لئے تدابیر سوچی جاتی ہیں۔ لیکن اس ساری تگ و دو کا نتیجہ کیا نکلا؟ اُن کے سامنے آج خود یورپ میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ اہل یورپ کا خیال تھا کہ غلبہ اسلام زور بازو سے ہوا ہے، لیکن اب تو ان کے سامنے زور روحانیت سے اسلام کے غلبہ کا آغاز ہو چکا ہے۔ وہ جو یقین کرتے تھے کہ اسلام کا غلبہ سر ہون سیف ہے، آج بغیر کسی تلوار کے دیکھنے کے خود بخود اخلاص کے ساتھ حلقوہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ جو لوگ اسلام کو مٹانا چاہتے تھے وہ خود اس کے فدائیوں میں شہار ہونے لگے۔ اور اسلام کی حیات میں تالیف و تصنیف کرنے لگے۔ اہل یورپ کے لئے اس میں بہت بڑا سبق اور عبرت ہے۔

فتدبرو ایا اولی ال بصار

یہ اس لئے ہوا کہ تعلیمات اسلامی فطرت انسانی کے موافق ہونے کے علاوہ معقول ہیں اور اہل علم کی تشیفی کا باعث ہیں، یہ تعلیمات تمام انسانوں کے لئے مفید ہیں اس لئے عالم و

عامی دونوں، اس کو قبول کرتے ہیں چنانچہ یورپ کے
وہ علماء جن کو خدا نے باریک فہم اور دور بین نظر عطا
فرمائی ہے حتی طور پر اس قسم کی پیشگوئی کرنے پر مجبور
ہو گئے ہیں کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہو گا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّكَرِيمِ

صدرالدین

احمدیہ بلڈنگس - لاہور
نومبر ۱۹۵۳ء

باب اول

قرآن کریم کی خصوصی تعلیمات

اس باب میں چند خصوصی تعلیمات قرآنیہ کا تذکرہ کیا جائیگا۔ تا کہ منصف مزاج ناظرین خود فیصلہ کر سکیں کہ آیا یہ تعلیمات کسی دوسری آسمانی کتاب میں موجود ہیں یا صرف قرآن شریف کیلئے مختص ہیں۔ اگر یہ نظریات صرف قرآن کریم میں ہی پائے جائیں تو اس صورت میں یہ کہہ دینا صریح ظلم ہو گا۔ کہ قرآن کریم نے دوسری کتابوں سے سرقة کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا یہ نظریہ کہ اس ساری کائنات کا ایک ہی خدا ہے اور اس کارخانہ کے چلانے کیلئے اسکو کسی دوسرے مددگار کی حاجت نہیں ہے۔ اور یہ نظریہ کہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً
(البقرہ ۲ آیت ۱۳)

یعنی ساری انسانیت ایک ہی جماعت ہے۔ اور یہ نظریہ کہ خدا رب العالمین ہے یعنی ساری کی ساری اقوام عالم کی ربویت کرتا ہے۔ اور یہ نظریہ کہ جس طرح بارش ساری قوموں کیلئے ہے اور سورج تمام اقوام عالم کیلئے ہے اسی طرح سے ساری انسانیت کے لئے روحانی بارش اور روحانی روشنی بھی مہیا

کیگی ہے۔ جیسے فرمایا۔

وَلُكْلِ قَوْمٍ هَادِينَ

(الرعد ۲۳ آیت ۷)

یعنی ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہوا ہے۔ نیز فرمایا۔

وَانِ مِنْ أُمَّةٍ الْأَخْلَالَ فِيهَا نَذِيرٌ

(فاطر ۵۰ آیت ۲۲)

یعنی کوئی قوم نہیں جس میں کوئی پیغمبر نہ معبوث ہوا ہو۔

اور یہ نظریہ کہ خدا کی توحید متقاضی ہے کہ انسانیت کے اندر وحدت ہو اور اس وحدت میں مساوات ہو۔ یعنی تمام انسانیت کیلئے قواعد و ضوابط بالکل ایک ہی ہوں۔

جو قانون رعیت کے لئے جائز سمجھا جاوے بالکل وہی قانون بادشاہ کیلئے بھی ہو۔ اور جو قaudہ و قانون ایک مذہبی پیشوا

کیلئے ہو ٹھیک وہی قaudہ و قانون ایک جاہل پیرو کے لئے

بھی ہو۔ اس قسم کی تعلیم الحمد لله رب العالمین میں دیکھی

ہے یعنی عبادت کی مستحق صرف ایک ہی ہستی ہے جو کائنات

کی خالق اور موجود ہے۔ اور تمام اقوام عالم کی روحانی و جسمانی

ربوبیت کی متکفل ہے۔ یعنی توحید اللہی اور وحدت انسانی

کے نظریات لازم ملزم کی طرح ہیں اسکی مثال وہ ہے جو

رسول اللہ ﷺ نے پیش کی ہے۔ فرمایا

إِنَّا أَوْلُ الْمُسْلِمِينَ

(الانعام ۶ آیت ۱۶۶)

میں سب سے پہلے اور سب سے بڑھ چڑھ کر ان احکام الٰہیہ کا پابند ہوں - جنکی میں تعلیم دیتا ہوں - اور یہ اعلان فرمایا - کہ اگر میں ان احکام کی فرمانبرداری نہ کروں - جو خدا تعالیٰ نے نازل کئے ہیں - تو میرے لئے بھی وہی سزا ہے جو اوروں کیلئے ہے -

إِنَّ أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمَ عَظِيمٍ ۝ (الانعام، آیت ۱۰)

یعنی اگر میں اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کا مرتكب ہوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اور فرمایا کہ اگر میری بیٹی جو میرا لخت جگر ہے چوری کرے تو میں اسکا ہاتھ کاٹ دوں گا - اور فرمایا قومیں اسی لئے تباہ ہو جاتی ہیں کہ چھوٹے درجے کے لوگوں سے اور ضعیفوں سے تو احکام کی پابندی طلب کیجاتی ہے لیکن بڑوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا نہیں دیجاتی - امن سے بدامنی پیدا ہوتی ہے اور دلوں سے اطمینان اٹھ جاتا ہے جسکا نتیجہ فساد اور تباہی ہوتا ہے - فرمایا
 هَلَّكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ
 وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الْضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ

(الحدیث)

یعنی جب بڑا آدمی جرم (مثلاً چوری) کرے تو اسکو چھوڑ دیا جاتا۔ اور چھوٹا آدمی جرم (مثلاً چوری) کرے تو اسکو سزا دیجاتی۔ ایسا کرنے سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے ان اصولوں کے ذریعہ سے انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ عمر و بن عاصی گورنر مصر بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے صاحبزادے نے مصر کے ایک غریب قبطی کو ظلم و تعدی سے مارا تو اس پر حضرت عمر ؓ نے اسکو مدینہ میں بلا کر بر سر عام سزا دی اس غیر معمولی عدل و انصاف نے اسلامی تعلیم کا سکھہ پٹھا دیا۔ مصریوں کے قلب اس سے یہ جد متاثر ہوئے۔ ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اسلام کی تعلیم حقیقی معنوں میں امن و امان کی خامنہ ہے۔ اور اہل اسلام صحیح معنوں میں مساوات کے قوانین کے پابند ہیں۔ اسی طرح سے جبلہ ایک شامی بادشاہ مسلمان ہو کر طواف کعبہ کے لئے مکہ معظمہ میں آیا۔ وہ شاہانہ لباس میں ملبوس تھا۔ اسکا پیر ہن اسکے پیچھے زمین پر گھستتا جاتا تھا۔ اس پر کسی بدھی کا پاؤں آگیا۔ جبلہ اس کے اس فعل کو انتہا درجے کی گستاخی خیال کر کے مشتعل ہو گیا۔ اور بدھی کے منہ پر ایک طماںچہ مارا۔ حضرت عمر ؓ کے دربار میں جب اسکی رپورٹ ہوئی۔ تو انہوں نے حکم دیا۔ کہ بدھی کا مُکا ہو گا اور جبلہ کا منہ۔ یہ تعلیمات اسلامی ہیں۔ ان کے

بر عکس آج ییسموین صدی میں یہ عدل و انصاف اور یہ مساوات نہ یورپ میں پائی جاتی ہے اور نہ امریکہ میں۔ بڑے آدمی کا گناہ کنہاں نہیں سمجھا جاتا۔ کوئی عدالت بادشاہ کے نام سے جاری نہیں کر سکتی۔ لیکن حضرت عصر عَزَّوَجَلَّ خلیفۃ الرسلین جو ایک عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے، خود انکرے نام ان کے قاضی نے سے من جاری کیا۔ اور وہ بطیب خاطر قاضی کے سامنے پیش ہوئے۔ یورپ کے بادشاہ کے ہاتھ یہ اگر کوئی شخص قتل ہو جائے تو بادشاہ یہ قصاص نہیں لیا جاتا۔ انگلستان کے اسی قسم کے قوانین نے ہندو پاکستان کے راجاؤں اور نوابوں اور رانیوں اور بیگمات کو بھی ناجائز آزادی بخش دی کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم ہوئے۔ لیکن ان کو کوئی سزا نہ دی سکا۔ الغرض یورپ میں مساوات مفقود ہے اسی طرح امریکہ میں بھی یہ متاع نایاب ہے۔ ہندوستان میں ابھی تک چھ سات کروڑ اچھوٹ موجود ہیں جنکو انسانیت کے تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اسلام نے ان تمام بدعنوائیوں اور مظلالم کو مٹا کر رکھ دیا۔ اور انسانیت کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے لا جواب اخوت اور بے مثل مساوات اور حقیقی عدل و انصاف قائم کیا۔

اسی طرح سے اس خطرناک فساد کو اسلام نے مٹایا

جو مذاہب عالم نے بروپا کر رکھا تھا۔ یہودی یقین کرتا ہے۔
کہ نجات صرف موسوی شریعت کی پیروی میں ہے۔ نصرانی کا
یہ ایمان ہے کہ کفارہ کے بغیر نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔
ہندو یقین رکھتا ہے کہ نجات صرف ہندو جاتی کے لئے ہے۔
بنا بریں تمام وہ لوگ جو اسرائیلی نہیں ہیں اور تمام وہ لوگ جو
عیسائی نہیں ہیں اور تمام وہ جو ہندو دھرم نہیں رکھتے دوزخ
کی آگ میں جلانے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام
قومیں ایک دوسری سے برس پیکار رہتی تھیں۔ اور ایک دوسری
کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ اس فساد عظیم
کو دور کرنے کیلئے حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے
اعلان کیا کہ سب مذاہب خدا کی طرف سے ہیں اور سب
قوموں کے بزرگ قابل احترام ہیں اور سب قوموں کی آسمانی
کتابوں کو خدا کی جانب سے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اور
خدا کی رضا خوف اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرنے
سے حاصل ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا دین کی اصل اساس خدا
کے احکام کی پیروی کرنا اور اسکی مخلوق کے ساتھ سچی ہمدردی
کرنا ہے۔

الْعَظَمَةُ لَا مِرِاثٌ لَّهٗ وَالشَّفَقَةُ عَلَى خَلْقِهِ (الحدیث)

اس قسم کے نظریات قرآن کریم نے پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ مذہب عالمگیر ہے اور ماڈرن ہے یعنی اس زمانہ کے وسیع النظر اور معقول انسانوں کا یہی مذہب ہے۔ کیا اس قسم کے نظریات اور اس قسم کے اصول دین کسی دوسری کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہ نظریات کسی آسمانی کتاب میں نہیں پائے جاتے۔ تو کیا اس صورت میں کسی حق پرست اور عقلمند شخص کیلئے یہ زیبا ہے۔ کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات کو مال مسروقه قرار دے۔

قرآن کریم کا یہ نظریہ کہ انسان کو جب تک خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت نصیب نہ ہو تب تک اس کے اندر اخلاق فاضلہ اور صفات محمودہ پیدا نہیں ہو سکتے۔ کسی دوسری کتاب میں پایا نہیں جاتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے خدا یُقدوس نے انسان کو اپنی ذات و صفات کا علم دینا ازبس ضروری قرار دیا ہے یہ علم خدا کی پیدا کردہ کائنات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر صنعت اپنے صانع کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح سے مخلوقات کا ہر حصہ اور کائنات کا ہر طبقہ خالق کے کمالات کا پتہ دیتا ہے۔ قرآن شریف اسی لئے مطالعہ قدرت پر بڑا زور دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ کائنات کے مطالعہ سے انسان کو معرفت نصیب ہو۔ جس سے اسکا

دل منور ہو جائے اور جس سے خدا اسکے دل میں بسنے لگے
اور وہ خدا کا ہو کر خدا کی مخلوق کی خدمت کرے اور ان کے
ساتھ ہو طرح کی ہمدردی کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اس غرض
کے پیش نظر ذیل میں قرآن کریم کی وہ عبارتیں درج کیجاں
ہیں۔ جنمیں خدا تعالیٰ کی معرفت کے حصول کے سامان میہما کئے
گئے ہیں۔ فرمایا

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ قرآن کریم کی پہلی آیت یا اسکا ابتدائی جملہ ہے۔ یہ جملہ
چند مقید نظریے پیش کرتا ہے۔ اس جملہ میں اگر ساری
کی ساری کائنات کا ذکر ہے تو اسیں کائنات کے خالق و موجد
اور اس کی ربوبیت کرنے والے اور اس کی نشو و نما کا
سامان بھم پہنچانے والے کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس مختصر
سے جملہ میں اس امر کی تعلیم بھی دیکھی ہے۔ کہ
حمد و ثناء اور عبادت کی مستحق صرف وہ ہستی ہو سکتی ہے
جو خالق السموات والارض ہو اور جو تخلیق کائنات کے بعد
اس کائنات کے قیام اور اسکے نشو و نما اور اسکی ربوبیت کے
سامان بہت بڑی پہانے پر پیدا کر سکتی ہو۔ یعنی وہ خالقی
بھی ہو اور حقیقی مربی و محسن بھی ہو۔ اور اس جملے میں
اسیات کا بھی ذکر ہے۔ کہ وہ خدا تمام قوموں سے محبت رکھتا

ہے۔ چنانچہ تمام کی تمام قوموں پر اسکے افضال کی بارش ہوتی ہے اور اسکے احسانات بلا امتیاز تمام قوموں کے شامل حال ہیں۔ اسلئے اسکے پرستار کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے محسن خدا کی رضا کے حصول کیلئے اسکے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ اور اسکی ساری مخلوق سے ہمدردی کرنا اور ان کی خدمت کرنا اپنی زندگی کی غرض بنالے۔ جس شخص نے خدا کی عبادت کرنے اور اسکی مخلوق کی خدمت کرنے کو اپنا دین بنالیا۔ وہ خدا کا پیارا بن گیا۔ اور جو خدا کا پیارا بن جاتا ہے وہ مخلوق کا بھی پیارا بن جاتا ہے۔ جیسے فرمایا

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنَ وَدًا

یعنی خدا ایسے شخص کیلئے لوگوں کے دلوں میں جذبہ محبت و جذبہ تکریم پیدا کر دیتا ہے۔ اس مختصر سے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ **أَلْحَمَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ** ایک نہایت ہی جامع جملہ ہے۔ جو ایک طرف خدا سے لوگ لگانیکی تلقین کرتا اور اسکے لئے معقول دلائل بیان کرتا ہے کہ حقیقی معبد وہ ہو سکتا ہے جو خالق و موجد ہو اور جو ہماری تمام ضروریات جسمانی و روحانی کا مستکفل ہو تو دوسری طرف خدا کی مخلوق کی خدمت کا بھی سبق دیتا ہے۔ یعنی اگر خدا کی محبت کا اور اسکی عبادت کرنے کا دعویٰ کرتے ہو تو اسکی مخلوق سے محبت کرو۔ اور

اسکی خدمت میں لگ جاؤ۔

اُس ایک ہی جملے میں یہ بھی تلقین ہے کہ تمام قومیں خدا کی مربوب ہیں جس طرح سے تم اسکے مربوب ہو۔ اس رشتہ اور اس ناطہ کی قدر کرو۔ اور اس کا عملی ثبوت اس طرح سے دو کہ کسی قوم سے تمہیں نفرت نہ ہو۔ بلکہ تم کو ہر قوم کے افراد ایک بڑے کنبہ کے افراد نظر آتے ہوں۔ جن کا صربی و محسن اور تربیت کرنے والا خدائے واحد ہے۔ مختصرًا یہ کہ پہلا جملہ نہایت ہی جامع جملہ ہے۔ جس کے اندر کائنات کے موجود و خالق کا ذکر بھی ہے۔ اور اس کائنات کے محسن و صربی کا بھی ذکر ہے۔ نیز ساری کی ساری قوموں کا ذکر بھی اس کے اندر موجود ہے۔ جس شخص کے دل پر یہ ایمان اور یہ معرفت مسلط ہو جائے وہ خدا کا پرستار بن جاتا ہے۔ اور وہ اسکی مخلوق کیلئے موجب برکت ثابت ہوتا ہے۔ کیا دنیا میں قرآن کریم کی مانند کوئی کتاب ہے جو دلوں کو منور کری اور تمام قسم کی کدھرتوں اور تعصبات سے پاک کری ہو۔ اور انسانوں کے دلوں میں وسعت پیدا کر کے ان کو تمام قسم کی تنگ ظرفیوں اور تنگ نظریوں سے نجات دیتی ہو۔ اور قرآن کریم کی طرح انسان کو اس قسم کا عالم گیر مذہب عطا کر کے اسکو دنیا کا باشندہ بناتی ہو۔ اس قسم کی

تعلیم نہ وید میں ہے اور نہ تورات و انجیل میں - ان حقائق کے ہوتے ہوئے قرآن کی طرف یہ رنجده الزام منسوب کرنا کہ اس نے دوسری کتابوں کے مضامین چرا کر اپنے صفحات کو زینت دے رکھی ہے بہت بڑی بے انصافی ہے -

قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور
اس کے احسانات کا بیان

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ وہ جملہ ہے جو دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرتا ہے اور اس کی عظمت کو دلوں میں بٹھانے کے لئے خدا تعالیٰ کے احسانات کا بھی ذکر کرتا ہے - اور اس طرح سے انسان کے دل میں نور معرفت پیدا کر کے انسان کو خدا کا محب بنا دیتا ہے -

جیسے فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُ حُبًا لِّهِ (آلہ بقرۃ ۲ آیت ۱۶۵)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لا۔ وہ اللہ سے بہت بڑھ کر محبت رکھتے ہیں -

اور فرمایا يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ ۵ آیت ۷۸)

یعنی اللہ اُن مومنوں سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں -

نیز فرمایا أَلَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (آلہ بقرۃ ۲ آیت ۷۵)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مہربان دوست بن جاتا ہے - جو اس کے ساتھ تعلق لگاتے ہیں -

پھر فرمایا حسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 (الأنفال ٩ آیت ۶)

یعنی اے رسول - اللہ تعالیٰ تمام امور میں تمہارا اور تمہارے متبین کام تکفل اور کار ساز ہو گا۔

نیز فرمایا وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق ۵ آیت ۳)

یعنی وہ جو خدا پر بھروسہ کرتے ہیں خدا ان کے لئے کاف ہے -
 ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایک جابر بادشاہ کی طرح نہیں بلکہ وہ رحیم و کریم اور مان سے زیادہ مہربان نظر آتا ہے -

آیت الحمد لله رب العالمین میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے - کہ تمام کائنات کو وجود میں لانے کا باعث خدا ہے - نیز تمام کائنات کے قیام اور ربویت کا باعث بھی وہی ہے - کائنات کا موجدو خالق ہونے کے لئے بہت بڑی قدرت اور بہت بڑے علوم کا مالک ہونا ضروری ہے - یہ کائنات جو اس نے پیدا کی ہے اسکی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہے اس کائنات میں بے حد تنوع ہے - اور ہر نوع اور ہر قسم علیحدہ علیحدہ قدرت اور علیحدہ علیحدہ علوم کی بنا پر تخلیق کی گئی ہے - اور ہر نوع کی نشوونما کے لئے کامل اہتمام کرنا اور اسکی رسدرسانی کے لئے اسباب و ذخائر کا مہیا کرنا اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت پر دلالت کرتا ہے نیز یہ اس کی محکم تدبیر اور اس کی قدرت کاملہ اور صفات تامہ پر بھی دلالت کرتا ہے -

یہاں ان امور کی تھوڑی سی تفصیل درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ میں لفظ عالَمینَ غور کے قابل ہے۔
یہ لفظ جمع ہے اور اس کا واحد عالم ہے جو عالم سے نکلا ہے۔
علم کے معنی نشان ہیں اور عالم وہ مخلوق ہے۔ جس پر اس کے
صانع کا نشان لگا ہوا ہو۔ ایک تتلی اور ایک گلاب کی پتی جس
پر وہ تتلی بیٹھ کر لطف انداز ہوتی ہے۔ دونوں پر ان کے
صانع کا نشان لگا ہوا ہے۔ دونوں کی بے انداز خوبصورتی دل
کو لبھاتی ہے۔ اور حیرت زده کرنی ہے اور خدا کی صنعت کاری
اور اس کی قدرت کا پتہ دیتی ہے۔ کیا انسان کی قدرت میں ہے
کہ اس قسم کی تتلی یا اس قسم کی پھول کی پتی پیدا کرسکے؟
کبھی شہد کی مکھی پھولوں پر اترنی نظر آتی ہے۔ وہ ان کا رس
چوستی ہے اور اس کے اندرone میں خدا نے ایک ایسی مشین بنا
رکھی ہے جو پھول کے رس کو شہد میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ
سب سے پہلی شکر ہے جو جنگل کے باسی انسان کے لئے خدا نے
پیدا کر رکھی تھی۔ کیا دنیا کے ڈاکٹر اور طبیب مل کر
اس شہد کو پیدا کرسکتے ہیں؟ فرمایا

وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ ... فِيهِ شَفَاءٌ لِلنَّاسِ
(النَّحْل ۱۶، آیت ۶۸، ۶۹)

یعنی ہم نے شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ حکم و دیعت کر رکھا ہے۔ کہ وہ انسانوں کے لئے شہد بطور غذا اور بطور شفا پیدا کرے۔

اسی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کیڑے کو ہماری خاطر یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ ہمارے لئے ریشم پیدا کرے۔ فرانس اور جاپان میں ریشمی کپڑے کے تمام کارخانے اس کیڑے کے سر ہون منت ہیں اس کے بغیر یہ کارخانے ریشم پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ لوگوں نے ہزار کوشش کے بعد مصنوعی ریشم تیار کیا لیکن ان دونوں کی صفات میں زمین و آسان کا فرق ہے۔ مصنوعی ریشم کو اصلی ریشم سے کوئی نسبت نہیں ہے الغرض کیڑے اور پہول بھی عالم ہیں جن پر صانع کا نشان لگا ہوا ہے۔ اور وہ صانع کا پتہ دیتے ہیں۔ اور انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں گلاب کا پہول انسان کی نظر کے لئے اور قوت شامہ کے لئے لطف پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کی خوشبو دل و دماغ کو فرحت بخشی ہے۔ ان صفات کے علاوہ ایک صفت اس کے اندر پوشیدہ بھی ہے۔ جس کو آنکھ، کان، اور ناک وغیرہ محسوس نہیں کرسکتے۔ یہ اس کی وہ خاصیت ہے جو معدے اور قلب کی قوت کا باعث ہے خدا الغیب ہے تو اس کی مخلوق کے اندر بھی اس کی یہ شان جلوہ گر ہے۔ گلاب کی اس چھپی ہوئی خاصیت پر ایمان لانا

پڑتا ہے۔ اسی طرح سے خدا بھی ان پہلوں اور ان کیڑوں کے
اندر نہاں در نہاں موجود ہے۔ اسی کی طرف یومِ نون
بالغیب میں اشارہ کیا گیا ہے۔ خدا اگر الغیب ہے تو ہر وہ حالت بھی
غیب ہے جہاں انسان کی آنکھ کی دسترس نہ ہو۔ مومن اسی حالت میں
بھی خدا پر ایمان رکھتا ہے اور اسکو اپنے ساتھ یقین کرتا ہے۔ پہ
ایمان انسان کے اندر حقیقی تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ اور اسی کو خدا
کا محبوب بننا دیتا ہے۔

کیڑا اور پہول کی پتی اس کائنات کا نہایت ہی چھوٹا
سما جز ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی عالم ہیں جن پر ان کے صانع
کا نشان لگا ہوا ہے۔ مثلاً فضا میں ستارے اور سیارے ہیں۔ ان کی
وسعت غیر محدود ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بَأَيْدِيهِ وَإِنَّا لَهُ مُوْسِعُونَ (الذاریت، آیت ۷۷)

یعنی سماوات کو ہم نے اپنی قدرت سے اور طاقت سے بنایا ہے۔
اور ان کی وسعت بے انداز ہے۔ اس سے صانع کی قدرت کے کمالات
اور اسکے علم کے کمالات کا اندازہ لگالو۔ اور اسی سے اس کے بے پایان
احسانات کا تخمينہ کرلو۔ آسمان کی وسعت اور اُس کی بلندی کا اندازہ
لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ انسان کے لئے توزمین کی وسعت

کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں ہے۔ حالانکہ آسانوں کے مقابلہ پر زمین ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے۔ کئی لاکھ زمینوں کو ایک دوسرے کے اوپر تلے رکھیں تو سورج کے برابر ہوں۔ اور خود سورج اس فضاء آسمانی میں ایک قرص کے برابر نظر آتا ہے۔ جب زمین جو آسمان کے مقابل پر نہایت ہی چھوٹا سا سیارہ ہے۔ اس کی وسعت کا احاطہ کرنا بھی انسان کے لئے مشکل امر ہے۔ تو ساری کائنات کا احاطہ کرنا اس کے لئے اور بھی محال ہے۔ اس میں کیڑے مکوڑے ہیں اور ان کا ایک عالم ہے۔ ان کیڑے مکوڑوں کی اقسام لا تعداد ہیں۔ اور ہر نوع اور ہر قسم میں اس قدر کثرت ہے۔ کہ ان کی تعداد کا علم نہیں ہوسکتا۔ جنگلات کے جنگلات ان سے بھرے پڑے ہیں۔ اور باغات اور کھیتوں میں بھی یہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ وہ خدا جو اس عالم کا خالق و موجد ہے اس نے ان سب کے لئے خوراک بھی پیدا کر رکھی ہے۔ یہ ایک حقیر سا عالم ہے۔ لیکن اس کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس عالم کے اندر علم کا ایک دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس علم کا نام اینٹو مالوجی (Entomology) ہے اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے عالم کے اندر اگر علم پیدا کر رکھا ہے تو ان کے لئے بعض قوانین بھی مقرر کر رکھے ہیں۔ جن کے ماتحت وہ اپنا کام کرتے ہیں۔ سائنسدان کے لئے یہ طبقہ مخلوق نہایت ہی

دلچسپ ہے اور خدا نما ہے ۔

اسکے علاوہ پرندوں کا بھی ایک عالم ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے خوبصورت پرندوں سے جنگلات کے جنگلات کو بسا رکھا ہے ۔ ان کی تعداد کا علم سوانح خدا کے اور کہی کوئی نہیں ہو سکتا ۔ پرندوں کی ایک ایک نوع اپنی خوبصورتی اور اپنی عادات کا وسیع علم پیش کرتی ہے رنگ رنگ کی چڑیاں اور رنگارنگ کے مرغ و موسو چنگلوں کو سہانا بنانے میں مدد دیتے ہیں ۔ جنگلوں کی سیر کرنے والی ایک ایک رنگیلی چڑیا کو دیکھ کر اور ایک ایک رنگین مرغ کو دیکھ کر حیات زدہ ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ جو جنگلوں میں نہیں جاسکتے وہ عجائب گھروں میں ان کو دیکھ کر خدا کی قدوت کے قائل ہوتے ہیں ۔ ان پرندوں کی تخلیق خدا کے علم اور قدرت کا پتہ دیتی ہے ۔ اور ان کی زندگی کے قیام کے لئے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کی خوراک کا اہتمام کرنا اس کے احسانات بے پایاں پر مطلع کرتا ہے ۔ یہ پرندے اپنی خوراک کسی جگہ جمع کر کے نہیں رکھتے ۔ ان کے پاس گودام نہیں ہیں یہ سب کے سب صبح کے وقت خالی پوٹے لیے کو نکلتے ہیں اور شام کو پوٹے بھو کو واپس آ جاتے ہیں ۔ فرمایا

وَكَانَ مِنْ دَآبَةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا أَلَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ

(سورة العنكبوت ۹ ۶۰ آیت)

اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا -
لَوْ أَنْكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوْكِيدِكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ

تَغْدُو خِمَاسًاً وَ تَرُوحُ بَطَانًا - (الحدیث)

اسی طرح سے جنگلوں میں بے شمار قسم کے وہ جاندار ہیں
جو نباتات پر گذارہ کرتے ہیں - اور ان درندوں کی تعداد بھی
بہت ہے - جنکا گذارہ صرف گوشت پر ہے - ان سب کا خدا
خالق ہے اور سب کی خوراک کا انتظام کرتا ہے - اسکی
رسد رسانی میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی - فرمایا

وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

(سورة هود ۱۱ آیت ۶)

نیز فرمایا وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝

(سورة الحجر ۱۰ - آیت ۲۰)

یعنی ہم انسانوں کو رزق پہنچاتے ہیں اور انکے لئے بھی رزق
پہنچاتے ہیں جنکو انسان رزق دینے سے عاجز ہیں - اسی طرح

مویشیوں کی زندگی کے قیام کے لئے سامان ہیں۔ انسان ان مویشیوں کے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ گھوڑے۔ گائے۔ بھینس۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری تمام انسانیت کے ساتھ لازم و ملزم ہیں۔ اور یہ سب انسان کی خدمت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کثیر التعداد جانداروں کے لئے بھی بہت بڑے پیمانہ پر خدا نے رزق پیدا کر رکھا ہے۔ انسان کے رزق سے پہلے ان کا چارہ پیدا کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازین جس طرح سے ان جانداروں کیلئے سامان معيشت پیدا کئے ہیں اسی طرح سے انسان کیلئے تمام زمین و آسمان اور تمام کائنات اسکی خدمت میں لگا رکھی ہے۔ فرمایا

وَلَقَدْ مَكَنَّكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ

(الاعراف ۱۰ آیت)

پعنی ہم نے تمکو زمین کی اشیاء پر تصرف عطا کر رکھا ہے اور تمام سامان معيشت دے رکھا ہے۔

زمین کی نسبت سمندر وسیع تر ہے۔ اسکی مخلوق بھی زمین کی مخلوق کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ سمندر میں بڑے بڑے جسمیں جانور بھی ہیں۔ اور طرح طرح کی بڑی اور چھوٹی مچھلیاں

بھی ہیں۔ ان کی اقسام کی تعداد کا کون پتہ لگا سکتا ہے۔ بعض چھلیاں ایسی بھی ہیں جنکے نقش و نگار جنگل کے رنگین پرندوں کی طرح دلکش ہیں۔ اور بعض ایسی بھی ہیں۔ جنکے گوشت کو غیر معمولی خصوصیت حاصل ہے۔ جس طرح بعض جنگل کے خوبصورت مرغوں کے گوشت کو خصوصیت حاصل ہے۔ اس سمندر میں وہ چھلیاں بھی ہیں جنکے تیل انسان کو تقویت پہنچاتے اور امراض کو دور کرتے ہیں سمندروں میں خدا تعالیٰ نے انسان کی خاطر عنبر اور سچے موٹی پیدا کر رکھے ہیں۔ جس طرح سے پھاؤں کی چوٹیوں پر ایسے آہو پیدا کر رکھے ہیں۔ جو اپنے بطن میں انسان کیلئے نافہ مشک لئے پھرتے ہیں۔

الغرض الْحَمْدُ لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ جَمْلَهُ هٰىءِ۔ جسمی خدا تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے۔ اور جسمیں اسکے کمالات اور اسکے احسانات اور اسکی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ معرفت پیدا کرنے کیلئے ہے۔ اور دین کی بہت بڑی اور اہم اغراض میں سے خدا تعالیٰ کی سچی اور حقیقی شناخت اور معرفت کا حاصل کرنا ہی ہے۔

نسل انسانی بھی ایک عالم ہے

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عَالَمِینَ کے معنے تمام کے

تمام عالم ہیں جو اس کائنات میں پائے جاتے ہیں۔ ان عالموں میں ایک عالم نسل انسانی بھی ہے اور قرآن کریم نے خود اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَأَنِي فَضَلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (سورہ البقرہ ۲ آیت ۷۷)
یعنی اسے بنی اسرائیل ہم نے تمکو تمام قوموں پر فضیلت دی ہے۔
اسی طرح سے حضرت مریم صدیقہ کے ذکر میں فرمایا۔

وَاصْطَفَاكَ عَلَى نَسَاءِ الْعَالَمِينَ ۝

(سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۱)
یعنی اسے مریم ہم نے تمہیں تمہارے زمانے کی سب عورتوں پر
فضیلت عطا کی ہے۔ اور فرمایا

وَلِكُنَّ اللَّهُ ذُوَّفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

(سورہ البقرہ ۲ آیت ۲۰۱)
یعنی خدا تمام قوموں پر اپنے فضل کی بارش کرتا ہے۔ نیز فرمایا

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ۝

(سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۰۶)
یعنی خدا تعالیٰ قوموں پر ظلم کرنا روا نہیں رکھتا۔
مختصرًا یہ کہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

میں جہاں ساری کائنات کا ذکر ہے وہاں تمام اقوام

عالم کا بھی ذکر ہے اور یہ اسئلہ ہے کہ تا انسان کے قلب میں وسعت پیدا ہو۔ اور تا اُس کا قلب تمام قسم کے تعصبات سے پاک ہو جائے۔ اور تا وہ تمام دوسری قوموں کے افراد سے محبت کرنا سیکھے۔ اور تا اس طرح سے خدا کی عبادت کرنے کی ایک بہت بڑی اور اہم غرض پوری ہو۔ جو مخلوق خدا سے سچی ہمدردی کرنا اور مخلوق خدا کی بے لوث خدمت کرنا ہے۔

دوسری کتب میں اس قسم کی تعلیم نہیں

ان بیانات اور تصريحات کو سامنے رکھکر ہر منصف مزاج خود فیصلہ کرے کہ آیا اس قسم کے اصول دین اور نظریات اور اس قسم کے اخلاق کی تعلیم کسی دوسری آسانی کتاب میں موجود ہے۔ جہاں تک ہمارا علم وید کی تعلیمات اور توراۃ و انجیل کی تعلیمات کے متعلق ہے وہ تو بھی ہے کہ ان مقدس کتابوں میں اس قسم کی تعلیم نہیں ملتی۔ وہاں تو قومی خدا۔ اور اس قومی خدا کی پیاری قوم کا ذکر آتا ہے وہ دوسری قوموں کا خدا نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی اسکی نظر عنایت اس اپنی پیاری قوم کی حدود سے تجاوز کر کے کسی دوسری قوم پر پڑتی ہے۔ وہاں ایک ہی قوم خدا کی برکات کی وارث نظر آتی ہے۔ اور نجات کیلئے بھی وہاں صرف ایک ہی قوم مخصوص دکھائی دیتی ہے۔ غرضیکہ ان کتابوں میں خدا کو

رب العالمين کر کے بیان نہیں کیا گیا۔ یہوداہ صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے اور بنی اسرائیل اسکی محبوب قوم ہے۔ اور اسکی برکات اور نجات صرف بنی اسرائیل کیلئے مخصوص ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے کلام سے بھی یہی امر عیان ہوتا ہے۔ کہ وہ دوسری قوموں کو قابل التفات نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی ان کا پیغام بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری قوموں کیلئے تھا۔

ہندو قوم براہما کی پیاری قوم ہے اور وہ براہما ورتی میں بود و باش رکھتی ہے۔ اور ان کے علاوہ ہر قوم ملیچہ اور خدا کی رحمت سے دور افتادہ ہے۔ اور وہ اچھوت ہیں۔ انکے ساتھ رہنا سہنا اور کھانا پینا ہندو کونا پاک کر دیتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اسلامی تعلیمات جو سورہ فاتحہ کے ابتدائی جملہ میں تلقین کی گئی ہیں۔ کسی دوسری آسہانی کتاب میں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ وہاں جو بھی تعلیم ہے وہ اسکے پر عکس ہے۔ اور وہ دل میں تعصّب و تاریک پیدا کرنے والی ہیں۔ اور اس طرح سے قوموں کے درمیان دشمنی کا بیچ بونے کا باعث ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر کس طرح سے کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ قرآن کریم نے توراة و انجیل یا کسی دوسری مذہبی کتاب سے سرقہ کر لیا ہے۔ قرآن کریم

کو تو لا جواب کتاب ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور اس دعویٰ کا اعلان چودہ سو سال ہوئے۔ ذیل کے الفاظ میں کیا گپا تھا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَبِّ مَا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَاتُوا بِسُورَةِ
مِنْ مَثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ كُنْتُمْ
صَدِقِينَ ۝ فَإِنَّ لَمْ تَفْعِلُوا وَلَنْ تَفْعِلُوا فَاقْتُلُوا النَّارَ الَّتِي
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أَعْدَتْ لِكُفَّارِيْنَ ۝

(سورہ بقرہ ۲ - آیت ۲۳، ۲۴)

اس دعویٰ کو نہ تو اس وقت کے یہود و نصاریٰ جھٹلا سکے اور نہ ہی موجودہ زمانہ کے یہود و نصاریٰ ایسا کر سکے۔ ان کو چاہئے کہ توراۃ و انجیل کی اصل تعلیمات کو شائع کر دیں۔ تاکہ ان کی نقل جوانکرے قول کے موافق قرآن کریم پیش کرتا ہے ماند پڑجائے اور اسکی اصل جو توراۃ و انجیل میں ہے پورے زور کے ساتھ ابھر آئے۔ اور علمائے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ سچا ثابت ہو جائے۔ لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ توراۃ و انجیل میں وقیٰ تعلیم تھی۔ اسیں وہ وسعت نہیں ہے۔ جو قرآن کریم کی تعلیمات کے اندر ہے۔ اس سے صاف طور پر عیان ہوتا ہے کہ ان کا مقصد صرف غلط پروپیکنڈا ہی کرنا ہے۔ ورنہ ان کو حق پرستی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تمام اقوام کی طرف قرآن کا پیغام

اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ جو تلقین قرآن کریم کی افتتاحی آیت میں پائی جاتی ہے وہ قرآن کریم کے متن میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ قرآن کریم کے ابتداء میں اگر اللہ تعالیٰ رب العالمین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے عمل میں بھی دکھاتا ہے۔ کہ وہ فیضان بارش جس پر تمام لوگوں کی زندگی کا مدار ہے تمام کی تمام قوموں کیلئے بلا تفریق بھیجتا رہتا ہے۔ اور اسکا سورج بھی بلا امتیاز تمام اقوام عالم کو روشنی پہنچاتا ہے اور سورج کی گرمی ان سب کے کھیتوں اور باغات کو با رونق بناتی اور ان کو پکاتی ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا خدا کی روحانی بارش بھی سب قوموں کیلئے یکسان ہے یا مختص الزمان اور مختص القوم ہے۔ یا وہ خدا جو ابتداء میں رب العالمین ہونے کا اعلان کرتا ہے آگے چل کر کہیں رب المسلمين تو نہیں رد جاتا۔ اسکے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

كَانَ النَّبِيُّ يُبَعِّثُ إِلَى قَوْمٍ خَاصَّةً وَبُعَثَتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً
یعنی ایک زمانہ وہ تھا کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کیلئے مبعوث ہوتا تھا۔ لیکن میں تمام انسانیت کیلئے رسول ہو کر

آیا ہوں۔ یہ ارشاد نبوی آیات قرآنی کی تشریح ہے چنانچہ قرآن کریم میں ذیل کے اعلانات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں۔ فرمایا

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
نَالَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ (سورۃ الاعراف ۱۰۸ آیت ۱)

یعنی اے رسول اللہ۔ اعلان کر دیجئے کہ مجھے بھیجنے والا زمین و آسمان کا بادشاہ ہے اور میں ساری انسانیت کیلئے اسکے دربار سے بطور سفیر اور بطور پیغمبر آیا ہوں۔ اور اسی طرح کا یہ اعلان بھی ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلنَّعْلَمِينَ
(الفرقان ۲۵ - آیت ۱) نذیراً

یعنی وہ خدا جو چشمہ برکات ہے اور جسکے انعامات و اکرامات میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہے اس نے میرے اوپر قرآن کریم کی وسعت بھری تعلیم نازل کی ہے اور وہ تمام کی تمام اقوام عالم کیائے ہے۔

اور ایسا ہی یہ اعلان فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلنَّعْلَمِينَ ۝

(سورۃ الانبیاء ۲، آیت ۱۰۷)

یعنی اے نبی تیری رسالت تمام اقوام عالم کیائے رحمت ثابت

هوگی۔ نیز فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَةً لِلنَّاسِ بَشِيرًاً وَنَذِيرًاً

(سورة السباء ۴۴ آیت ۲۸)

یعنی آپ کو تمام جہانوں کی اقوام کو جمع کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں۔ کہ اگر خدا رب العالمین ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام اقوام عالم کیلئے پیغام رسالت لیکر آئے ہیں۔ غرض کہ اس اعلان میں جو قرآن کریم کی ابتدا میں اور ان اعلانات میں جو اس کتاب کے متن میں مذکور ہیں۔ پوری تطبیق موجود ہے۔

دوسرے یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ آیا اسی قسم کی عمومیت جو ان اعلانات میں پائی جاتی ہے۔ خود قرآن کریم کے متعلق بھی بیان کی گئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی مختلف آیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا اگر رب العالمین ہے تو قرآن کریم بھی تنزیل من رب العالمین اور ذکر للعالمین ہے۔ یعنی رب العالمین نے ہی قرآن کریم کی تعلیمات بدربیعہ وحی حضرت نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائی ہیں اور ان تعلیمات کو مختص الزمان یا مختص القوم نہیں بنایا بلکہ یہ تعلیمات تمام کی تمام انسانیت کیلئے ہیں فرمایا۔

أَنَّهُ لِقُرْآنَ كَرِيمٍ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمْسِهُ إِلَّا

الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(سورة الواقعه ٦٠ آيت ٧٢ تا ٨٠)

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرُ عَنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ

الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ

(سورة يونس ١٠ آيت ٣٢) رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرُ لِلْعَالَمِينَ ۝

(سورة يوسف ١٢ آيت ١٠٣)

وَإِنَّهُ لَتَذَكَّرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (الحاقة ٦٩ آيت ٣٨)

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝ (القلم ٦٨ آيت ٥٢)

قرآن کریم کی ان آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کیا گیا ہے۔ کہ خدا رب العالمین ہے۔ اور جس طرح اسکا رسول رب العالمین کی طرف سے ہے اسی طرح قرآن کریم بھی اس ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ جو تمام اقوام

کی خالق اور رب ہے۔ معلوم ہوا کہ جس وسعت نظری کا اظہار ابتدائی آیت میں کیا گیا تھا اسی کے مطابق متن کی آیات میں بھی عالم گیر نظریات کا بیان چلتا ہے۔ ابتدا میں جو کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں ان میں یہ وسعت اسلئے بھی نہیں پائی جاتی کہ انسانی دماغ ابھی اس قابل نہ تھا۔ کہ اسکو عالمگیر نظریات سے آشنا کیا جاتا۔ تمام علوم بتدریج ترق کرتے ہیں۔ کیونکہ انسانی دماغ کی ساخت ایسی ہے کہ یہ بتدریج نشو و نما پاتا ہے۔ انسانی دماغ کی ترق پر علوم کے انکشاف کا انحصار ہے۔ جس طرح سے پہلی جماعت کے بھی کو دسویں جماعت کے علوم نہیں سکھائے جا سکتے اور دسویں جماعت کے طالب علم کو ایم اے کا نصاب نہیں سکھایا جا سکتا۔ اسی طرح سے اتم واکمل مذہبی نظریات اور اصول دین بھی ابتدائی آفرینش میں نہیں سکھائے جا سکتے تھے اور جس وقت کہ قومیں علیحدہ علیحدہ رہتی تھیں۔ اس وقت ان کو یہ الاقوامی مذہب کی تلقین نہیں کی جا سکتی تھی۔ اور یہ نظریہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً

یعنی ساری کی ساری انسانیت ایک ہی قوم ہے۔ اور ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہے۔ ان کے دماغوں کی سطح سے بہت اونچا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ جب قوموں کے تعلقات بڑھنے کا وقت آیا۔

تو اس وقت رب العالمین اور رسول من رب العالمین اور تنزیل من رب العالمین کے تصورات کا لطف آنے لگا۔ اس قسم کے نظریات کی تلقین کرنا آخری نبی کیلئے ہی موزوں تھا۔

آج ہوائی جہاز اور ریڈیو نے تمام ملکوں اور تمام قوموں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اسلئے آج بین الاقوامی مذہب کی اشاعت کرنا موزوں ہے۔ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو بین الاقوامی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ اس نے اعلان کر دکھا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَامَةٍ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ
اَلَّا نَعْبُدَ اَلَّا اللَّهُ
(سورة آل عمران ۳ - آیت ۶۳)

یعنی اے اہل کتاب آؤ ہم ایک بات پر جمع ہو جائیں اور وہ بات یہ ہے کہ ہم سب کا خالق و مالک ایک ہے۔ ہمارے اندر اسکی توحید کا سبق ہے جو ہم کو اکٹھا کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ مذہب جسکی تلقین قرآن کریم کرتا ہے کل انسانیت کا مذہب ہے۔ الغرض حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا کو وہ مذہب سکھایا جو عالمگیر ہے اور جو قوموں کے اندر وحدت پیدا کر سکتا ہے کیا مذہب کا یہ تخیل جو قرآن کریم پیش کرتا ہے وید میں موجود ہے؟ کیا انجیل یا تورات میں موجود ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر

یہ کسقدر جسارت اور کسقدر ظلم ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کی نسبت یہ کہا جائے کہ یہ تورات و انجیل سے سرقة کردہ ہیں - العجب ! ثم العجب !

اسلام فطرت کا مذهب ہے

انسان جہاں کھیں ہے وہاں اسکے ساتھ اسکی فطرت موجود ہے - اور یہ فطرت انسانی ہر جگہ ایک ہی ہے۔ فطرت پر نہ مشرق کا اثر ہے اور نہ ہی مغرب کا اثر ہے - فطرت پر رنگ و زبان کا اثر نہیں ہوتا - فطرت پر نسل و خاندان کا اثر نہیں ہوتا - فطرت انسانی بدلتی نہیں ہے - اس لئے ہر ملک اور ہر قوم میں راست گفتاری اور حق پرستی کی قدر ہوتی ہے - اور ہر ملک اور ہر قوم میں بد دیانتی اور ناراستی کی مذمت ہوتی ہے - اور ہر ملک و ملت میں بد دیانت لوگوں کو برا سمجھا جاتا ہے - اور ہر ملک و ملت میں جھوٹ بولنے والوں اور مکاری اور فریب سے کام نکالنے والوں کو برا کہا جاتا ہے - اور ان کو مناسب سزائیں دی جاتی ہیں - ہر ملک و ملت کے لوگوں نے بد کردار لوگوں کو برا سمجھا اور ان کو سزائیں دیں - ہر ملک و ملت کے لوگوں نے ظالم کا مقابلہ کیا اور ان کو سزائیں دیں - ہر ملک و ملت کے لوگوں نے ڈاکتوں کا انسداد کیا - ہر ملک و ملت کے لوگوں نے کمزوروں سے ہمدردی کی اور ان کی

حفاظت کی۔ ہر ملک و ملت کے لوگوں نے یتیموں - مسکینوں اور
بیواؤں کی امداد کی۔ اور ہر ملک و ملت کے لوگوں نے سچائی
کیلئے جان دینا اعلیٰ درجے کی نیکی کا کام سمجھا۔ الغرض
انسانی فطرت میں نیکی سے محبت ہے۔ اور بدی سے نفرت ہے۔
اسلام چونکہ فطرت کا مذہب ہے۔ اسلئے جہاں کہیں جاتا ہے۔
اسکو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلام کے اصول، فطرت پر
مبنی ہیں۔ اسلئے اسلام کو بے حد مضبوطی حاصل ہے۔ اسی لئے
اسکو دین قِیم کہا گیا ہے۔ اور اسی لئے امن دین کی بنیادیں
مضبوط ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے۔

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلَّدِينِ حَنِيفًا۔ فَطْرَةُ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔
لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَالِكَ الدِّينُ الْقِيمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

(سورۃ الروم۔ ۳۰۔ آیت ۳۰)

لَا يَعْلَمُونَ

تمام دنیا کے لوگ جوا کھیلنے اور اپنے تئیں برباد کر لینے کو
پرا سمجھتے ہیں اور اسی طرح سے شراب کو بھی اکثر لوگ برا
سمجھتے ہیں پہلی جنگ عظیم میں شاہ انگلستان نے اعلان کیا تھا۔
کہ ہم پیلک میں شراب نوشی نہیں کریں گے۔ اس اعلان کو
استحسان کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ شاہ انگلستان نے کیوں ایسا

اعلان کیا۔ یہ صرف عوام کو شراب کے مضرات سے بچانے کیلئے کیا گیا تھا۔ اسی طرح سے امریکہ نے قانون پاس کر کے شراب نوشی کو منوع قرار دیا تھا۔ لیکن بہت دیر تک اس پر عمل نہ ہو سکا۔ اسلئے کہ قوم کے اندر یہ بد عادت راسخ ہو چکی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وقت بھی یہ بد عادت قوم کے اندر راسخ ہو چکی تھی۔ لیکن حضور کی ایک ہی آواز جب اسکے برخلاف نکلی۔ تو ساری کی ساری قوم نے یہ وقت شراب نوشی کو ترک کر دیا۔ لوگوں نے خود بخود شراب کے برتن توڑ دئے۔ اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آئی۔ اسلام نے ہر قسم کی بد دیانتی اور حرام خوری کو ناجائز قرار دیکر اسکا نام و نشان مٹا دیا۔ بد کرداری کی سخت سزاویں مقرر کیں۔ اور قوم کے اندر اعلیٰ درجے اور کامل درجے کی عفت قائم کی۔ مال اور جان کی حرمت قائم کی۔ اسلام نے صدقہ و خیرات پر زور دیا۔ اور ہمدردی خلائق کو دین کا جزو اعظم قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اسی لئے اس فطری اور طبعی دین کو مقبولیت عامہ حاصل ہے۔ پادری افریقہ میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں۔ وہ وہاں جا کر حیران وہ جاتے ہیں۔ کہ انکے علم اور انکی تہذیب کے باوجود انکی بات کو لوگ کم سترے ہیں اور باوجود اسکے کہ پادری گورنمنٹ کے سایہ میں کام کرتے ہیں۔

اور ان کو بہت سی ترجیحی رعایات حاصل ہیں تاہم عیسائیت کے مقابل پر اسلام ان لوگوں کے ذریعے پھیل جاتا ہے۔ جو اسکی تبلیغ کے لئے نہیں۔ بلکہ مخصوص تجارت کی غرض سے جاتے ہیں۔ پادری کو حیران نہ ہونا چاہئے۔ فطرت اس قسم کے مناظر و مشاهدے ہمیشہ پیش کرتی رہیگی۔

فَتَدْبِرُوا يَا أُولَى الْأَبْصَارِ -

الاسلام

قرآن کریم نے جو مذہب دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس کا نام اللہ تعالیٰ نے خود آسلام تجویز کیا اور یہ قرآن مجید میں مندرج ہے۔ فرمایا۔

اَنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْاَسْلَامُ (سورة آل عمران ٣ - آیت ۱۸)

پھر دوسری جگہ فرمایا۔

اَلَيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاتَّسَعَتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

(سورة المائدہ ٥ - آیت ۳)

وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْاَسْلَامَ دِيَنًا

الاسلام کے معنے فرمانبرداری کرنا ہیں یعنی خدا کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اسلام ہے۔ خدا کے جاری کردہ قوانین جو نیچر میں کارفرما ہیں ان کی فرمانبرداری کرنا بھی اسلام ہے۔ چنانچہ ان هر دو معنوں کو ذیل کی آیت میں جمع کر دیا ہے۔ فرمایا۔

أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَكَرْهًا وَالَّتِيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

(سورة آل عمران ۳ - آیت ۸۲)

یہاں اسلام یعنی فرمانبرداری اختیار کرنے کی ایک وجہ بھی بیان کی ہے۔ اور وہ یہ کہ جب ساری کائنات عملًا فرمانبرداری کروہی ہے۔ اور یہ فرمانبرداری با برکت ہے تو انسان کیوں فرمانبرداری اختیار نہ کرے۔ نیز ذیل کی آیۃ کریمہ میں اسلام یعنی فرمانبرداری کو سراہا ہے۔ فرمایا۔

وَمِنْ أَحْسَنَ دِينًا مِمْنَ أَسْلَمَ وَجْههُ اللَّهُ وَهُوَ مُحْسِنٌ ۝

(سورة النساء ۳ - آیت ۱۲۵)

یعنی اس شخص کی نسبت کس کا دین حسن و خوبی میں بڑھ سکتا ہے۔ جو اپنے تمام قوئی اور استعدادوں کو خدا تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری میں لگا دے۔ اور مزید برآں احسان کرنا

شیوه زندگی بنالئے یعنی اپنے اموال خدا کی رضا کیلئے اور اسکی مخلوق کی بہبودی کیلئے صرف کرے ۔

مذکورہ بالا آیات کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے ۔ کہ تمام کی تمام نیچر قوانین و احکام کی پابند ہے ۔ اور اسی پابندی کا ہی یہ نتیجہ ہے ۔ کہ انسان برکات سماوی و ارضی سے ملا مال ہو رہے ہیں ۔ اسلئے انسان کو بھی چاہئے کہ اپنے خالق و محسن کی هدایات و احکامات کا پابند ہو کر زندگی بسیر کرے ۔ تاکہ وہ بھی ایک مفید و با برکت شخص ثابت ہو ۔ الاسلام کا لفظ بلند ترین اور وسیع ترین اور مفید ترین معانی کا حامل ہے ۔ اس لفظ میں ایسی جامعیت اور وسعت ہے کہ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے اس وقت سے ہی یہ فرمائی برداری کا جامہ پہننے ہونے چلی آرہی ہے ۔ اور جہاں کہیں اور جس کسی زمانے میں انسان پیدا ہوا اسکا دین بھی اسکے ساتھ پیدا ہوا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ الاسلام زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہے ۔ اس لفظ اسلام نے تاریخ مذاہب کو ایک نیا رنگ اور نیا فلسفہ عطا کیا ہے ۔ اسلئے تمام مذاہب اسکے میں ہوں ملت ہیں ۔ یہ دین چونکہ انسان کی فطرت کے مطابق ہے ۔ اسلئے انسان اسکو فوراً قبول کر لیتا ہے ۔ ہر شخص کی فطرت میں خدا کی فرمائی برداری پر خوشی کا اظہار کرنا مکروز ہے اور

اگر کسی هندو یا عیسائی وغیرہ سے سوال کیا جائے کہ آیا وہ خدا کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے تو وہ فوراً بول انھیگا۔ کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔

کیا کوئی هندو یا یہودی یا عیسائی دعویٰ کر سکتا ہے کہ الاسلام کا لفظ قرآن کریم نے کسی دوسری کتاب سے مستعار لیکر یا سرقہ کر کے اپنے اندر درج کر لیا ہے۔ کسی شخص کی ہمت ہے تو یہ لفظ اپنی آسمانی یا زمینی کتاب سے نکال کر پیش کرے۔ لیکن کوئی شخص ایسا نہیں کرسکتا۔ اگر قرآن کریم کے یہ نظریات کہ اللہ تعالیٰ رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے اور یہ کہ اسکی کتاب تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور اسکا رسول رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ہے لا جواب ہیں تو وہ نظریہ بھی جو لفظ الاسلام پیش کرتا ہے بے عدیل و بے نظیر ہے۔

فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ

الاسلام کے مقابل پر دنیا کے مذاہب نے جو نام اپنے لئے تجویز کر رکھے ہیں ان پر بھی غور کر لینا چاہئے۔ هندو مذہب کو لیجئے۔ اس کا نام کوئی اعلیٰ درجے کے معانی پر دلالت نہیں کرتا اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ یہ کشور هند کا مذہب ہے۔ اسی طرح بدھ مذہب کے یہ معنے ہیں۔ کہ ایک انسان گوتم بدھا

کا متبع ہے۔ لیکن اسی سے اسکے مذہب یا دین کے معانی ہمارے
سامنے نہیں آتے۔ پھر مذہب گوتم بدھ کے وجود میں آنے
سے پہلے موجود نہ تھا۔ جب یہ موجود نہ تھا تو اس وقت
اہل دنیا کا کیا مذہب تھا؟ پھر یہ مذہب تو ایک انسان کا
ایجاد کردہ ہوا نہ کہ خدا کا جو حقیقی خالق و مالک ہے۔
یعنی وہ خدا جو مذہب عطا کرنے کا بجاہ ہے یہ اس کی طرف سے
نازل کردہ نہیں۔ بلکہ ایک انسیان کے دماغ کی اختراع ہے۔
ایسے الفاظ سے انسیان کو کوئی تسلی حاصل نہیں ہوتی۔ یہی
حال عیسائیت کا ہے۔ وہ خدا کا نہیں بلکہ عیسیٰ کا دیا ہوا
مذہب ہے۔ اس لفظ کو الاسلام کی طرح ہمہ گیر اور عالمگیر
معنی حاصل نہیں ہیں۔ یہ صرف ایک شخص جسکو کرائیٹ
کہتے ہیں اسکا مذہب ہے۔ کرسچین وہ ہے جو کرائیٹ کے
پیچھے چلے اور یہ معنی محدود ہیں۔ کرسچین تو کرائیٹ کے
مذہب پر چلتا ہے۔ لیکن کرائیٹ خود کس کا متبع تھا؟
وہ تو خدا کا متبع یعنی مسلم تھا۔ قصہ کوتاه الاسلام کے
 مقابل پر کسی دوسرے مذہب کے اختراع کردہ اسماء اپنے اندر
کوئی معقولیت اور دلربائی نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی وہ تمام انسانیت
کیائے دین ہو سکتے ہیں۔

الاسلام تو خدا نے نام تجویز کیا اور اسکو قرآن کریم کی

آیات بینات میں درج کیا۔ لیکن باقی دنیا کے مذاہب کے نام ان کی آسمانی کتابوں کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ خدا کے تجویز کردہ نام ہیں۔ خدا تعالیٰ گی طرف منسوب کئے جانے کی بجائے وہ کسی انسان گی طرف یا وطن کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اسلئے ان میں وہ معقولیت و دلربائی نہیں ہے جسکا انسان طالب ہے۔

اسلام جیسا کہ اوپر بیان ہوا نیچر کا مذهب ہے۔ اسکی مزید تشریح و تصریح ذیل کی آیات بینات میں ملاحظہ ہو۔ ان آیات میں کسی جگہ لفظ **أَسْلِمْ** آیا ہے۔ اور کسی جگہ **سَجَدَ** یا **يَسْجُدُ** آیا ہے۔ دونوں کے معنی فرمانبرداری اختیار کرنے کے ہیں۔ فرمایا

اللَّمَ قَرَأَنَ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُ
وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ

(سورة الحج ۴۲ آیت ۱۸)

اس آیت میں تفصیل کے ساتھ آسمانوں اور زمینوں کی فرمانبرداری کے ذکر کے علاوہ حجر و شعتر کی فرمانبرداری اور

شمس و قمر اور نجوم کی فرمانبرداری اور مویشیوں اور انسانوں کی فرمانبرداری کا بھی ذکر ہے۔ اور اس امر کا بھی بیان ہے کہ اس کائنات کی ہر شے پوری فرمانبرداری کر رہی ہے۔ لیکن انسانوں میں سے بعض پوری فرمانبرداری نہیں کرتے۔ یہ اس لئے کہ انسان صاحب اختیار ہے۔ اور وہ اپنے اس اختیار کو غلط طور پر بھی استعمال کر لیتا ہے۔ لیکن سورج و قمر اور حجر و شجر اور چرند و پرند کی فطرت میں اختیار کا حصہ نہیں رکھا گیا۔ ان کی فطرت میں صرف کائنات کے قوانین کی پوری فرمانبرداری کرنا ہی رکھا گیا ہے۔ اختیار تو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ان کی شان تو

يَفْعُلُونَ مَا يُؤْمِنُونَ

بیان کی گئی ہے۔ خدا نے اختیار سے صرف انسان ہی کو نوازا ہے اور اس اختیار کے صحیح استعمال سے وہ کبھی فرشتوں سے بڑھ جاتا اور مسجدود ملائک بن جاتا ہے اور کبھی اس اختیار کے غلط استعمال سے گر کر شیطان کا استاد بھی بن جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں نے نہ تو اپنے اپنے مذہب کا کوئی نام تجویز کیا اور نہ ہی انہوں نے اپنے متبوعین کا کوئی نام رکھا۔ برخلاف اس کے قرآن کریم نے مذہب کا نام الاسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مسلم رکھا۔

اور ان کے متبیعین کا نام بھی خود ہی مسلمین تجویز کیا۔
چوپیا کہ ذپل کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا

أَنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْأَكْلَمُ (سورة آل عمران ۳ - آیت ۱۸)

وَأَصْرَتْ أَنَا أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (سورة یونس ۱ - آیت ۲۷)

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (سورة الانعام ۶ - آیت ۱۶۸)

هُوَ سَمَّكُ الْمُسْلِمِينَ (سورة الحج ۲۲ - آیت ۲۸)

أَنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ (سورة الاحزاب ۳۳ - آیت ۵)

وَأَشْهَدُ بِأَنَا مُسْلِمُونَ (سورة آل عمران ۳ - آیت ۱۹)

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (سورة آل عمران ۳ - آیت ۸۳)

مزید برآل دوسرے مذاہب نے اپنی المہامی کتابہ کا بھی کوئی نام
تجویز نہیں کیا اور نہ ہی آن کی کتب میں آن کے مذہب کا نام لکھا ہے
اور نہ ہی ان میں آن کے دین کے متبیعین کے لئے کوئی نام تجویز
کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہ کتابیں کامل نہیں۔

تمام انبیاء کا ایک ہی مذہب ہے

حضرت نبی کریم ﷺ نے جہاں اسلام کو ساری کائنات اور ساری انسانیت کا مذہب قرار دیا ہے۔ وہاں حضور نے نہایت فصاحت کے ساتھ اپنا مذہب اور اپنے متبوعین کا مذہب بھی اسلام ہی کو قرار دیا ہے۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کا نام مسلمین اور مسلمات رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کرنے کو خدا کا سچا دین قرار دیتے ہوئے تمام کے تمام انبیاء کا مذہب بھی اسلام ہی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیات کے مطالعہ سے عیان ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام سب کے سب مسلم تھے۔ فرمایا

وَمَنْ يَرْغِبُ عَنْ مَلَةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفَهَ نَفْسَهُ
وَلَقَدْ أَصْطَفَيْنَا فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ الصَّالِحِينَ
إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ إِسْلَمَ قَالَ أَسْلَمْتَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ
إِبْرَاهِيمَ بْنِهِ وَيَعْقُوبَ يَبْنِي أَنَّ اللَّهَ أَصْطَفَ لَكُمُ الدِّينَ
فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُم مُسْلِمُونَ
أَمْ كُنْتُمْ شَهَادَةً إِذْ حَضَرَ

يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي
 قَالُوا نَعْبُدُ الْهَكَ وَاللَّهَ ابْنَكَ ابْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ وَاسْحَاقَ
 الْهَآءَ وَاحْدَاءَ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

(سورة البقرة ٢ - آیت ١٣٣ تا ١٣٥)

اس مضمون پر ذیل کی آیت مزید روشنی ڈالتی ہے۔ فرمایا

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
 إِلَيْكُمْ مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
 إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ ابْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى إِنَّ أَقِيمُوا الدِّينَ
 وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

(سورة الشوری ٢٢ - آیت ١٣)

تمام انبیاء چونکہ ایک ہی اسرائیل سے سیراب ہوتے رہے۔

اس لئے ان کی تعلیم کے اصول ایک ہی ہونے چاہئیں۔ ہاں وقتی

ضرورت کے لحاظ سے بعض احکام کی شکل و صورت علیحدہ علیحدہ

ہوتی رہی جس کو شرعاً و منهاجاً کے الفاظ سے قرآن کریم نے

تعییر کیا ہے ورنہ حقیقت ایک ہی تھی۔

مذہبی کتابوں میں تحریف

بعد میں ایسا ہوا کہ انبیاء کے متبین نے اپنی طرف سے دین میں ملاوٹ پیدا کر دی۔ کبھی تو دین کی خدمت کے جذبہ نے ان سے ایسا کروایا اور کبھی پنڈت و پزوہت و پادری اور احبار یہود نے اپنے ذاتی مقاصد کے پیش نظر اپنے اپنے دین میں اور بعض اوقات اپنی اپنی مذہبی کتابوں میں تغیر و تبدل کرنا جائز سمجھا۔ اوز جس کو وہ خدا کا دیا ہوا ذین یقین کرتے تھے۔ اس میں تحریف کرنے کے اصل دین کو مسخ کر دیا۔ ورنہ یہ امر بالیداہت باطل ہے کہ خدا ایک ہو اور اس کے نازل کردہ ادیان مختلف ہوں۔

پیروانہ بائیبل کے متعلق قرآن کریم نے اپنے مختلف مقامات جیسے (سورۃ النساء ۲ - آیت ۳۶) اور (سورۃ المائدہ ۵ - آیت ۱۳ - ۱۴) اور (سورۃ يقہ ۲ آیت ۲۵) پر

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عن مَوَاضِعِهِ

درج کر کے بتایا ہے۔ کہ وہ لوگ خدا کے کلام میں تحریف کرتے تھے۔ اور ایک مقام پر یہ بھی درج کیا ہے۔ کہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے جو چاہتے لکھ کر اس کی نسبت مشہور کر دیتے تھے۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ فرمایا

وَمِنْهُمْ أَمِيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانَىٰ وَإِنْ هُمْ
إِلَّا يَظْنُونَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ
فَمُمْلِئُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَيَشْرُفُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
فَوَيْلٌ لِّهِمْ مِّمَّا كَتَبَتِ اِيَّدِيهِمْ وَوَيْلٌ لِّهِمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝

(سورہ بقرہ ۲ - آیت ۲۸، ۲۹)

یعنی تُفْہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھ کر
اُن کو خدا کا کلام بتاتے ہیں اور وہ بھی تھوڑے ہے ذنبوی فائدہ
یا عزت می خاطر۔ افسوس ان پر جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور
اُن پر جو اس طریق کے اختیار کرنے سے انہوں نے کیا
یعنی خواہ مال کیا یا اقتدار حاصل کیا۔

میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مقالہ جو ۶ صفحات پر مشتمل
تھا اس موضع پر لکھا تھا۔ کہ بائیبل میں تحریف ہوئی ہے۔
وہ مقالہ اسلامک رویویو میں شائع کیا گیا تھا۔ لندن میں اس قسم
کا مقالہ لکھنے کے لئے مجھے یہ سہولت میسر تھی کہ میں بائیبل کی
مختلف تفاسیر کا مطالعہ کرسکتا تھا چنانچہ ان تفسیروں کی اصل

عبارتون کو نقل کر کے دکھایا گیا تھا کہ بائیبل محرف شدہ کتاب ہے۔ آج اس وقت میرے پاس صرف دو تفسیریں ہیں۔ جن میں بے شمار مقامات پر صاف صاف طور پر اعتراف کیا گیا ہے کہ بائیبل میں تحریف ہوئی ہے چنانچہ پادری ڈملو کی تفسیر اس بیان کی یوں تصدیق کرتی ہے :-

کہ بائیبل کی کتب خمسہ موسیٰ کی کتاب نہیں۔ مثلاً یہ اطمینان سے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ استثناء باب ۳۴ میں موسیٰ نے اپنی موت کا حال خود نہیں لکھا۔ (کیا حضرت موسیٰ لکھ سکتے تھے کہ میں مر گیا۔ اور میری تجهیز و تکفین ہوئی اور فلاں جگہ پر تدفین ہوئی۔ العجب) اور استثناء باب ۱/۱ میں یہ بیان ہے۔ کہ یہ وہ باتیں ہیں جو موسیٰ نے یہ دن کے اس پار بیابان کے میدان میں اسرائیل کو کہی تھیں۔ یہ کسی ایسے شخص کے نقطہ نظر سے لکھا گیا ہے جو کنعان میں رہتا تھا۔ مگر موسیٰ کنعان میں کبھی نہیں گئے۔

اصل حقائق کی بنا پر پادری ڈملو دلائل و براہین پیش کر کے ثابت کرتے ہیں۔ کہ موسیٰ کی پانچ کتابیں اصل میں ایک آدمی کی لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں مختلف اشخاص کی تالیف کردہ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پرانے عہد نامہ کی پانچ کتابیں جو حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ ان کی لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ اصل کتابوں کے تلف ہو جانے پر مختلف ہاتھوں نے مختلف کتابوں کو تالیف کر کے انکو حضرت موسیٰ کی کتابیں مشہور کر دیا۔

یہ حال تو پرانے عہد نامہ کا ہے۔ اب نئے عہد نامہ کا حال سنئے گا۔ جو اسی مفسر نے ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

”اناجیل کے لکھنے والے یسوع مسیح کے اقوال یونانی میں لکھتے تھے حالانکہ وہ اغلبًا ارمی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اور یہ اغلب ہے کہ ان کتابوں کا کبھی یہ خیال نہ تھا۔ کہ ان کی تحریریں ابتدائی کلیساؤں سے آگے جائیں گی جن سے وہ خود واقف تھے۔ یہی حال پولوس کی تحریروں کا ہے۔ اس کے خطوط جن کی اب اس قدر عزت کی جاتی ہے وہ اصل میں صرف انہی کلیساؤں کے لئے لکھئے گئے تھے۔ جن کے نام وہ تھے جنہوں نے ان کو ابتداء میں نقل کیا وہ هرگز ان کو ان معنوں میں پا کر نوشتے نہ سمجھتے تھے جن معنوں میں ہم سمجھتے ہیں“۔ تحریف کیونکر ممکن ہوئی یہ امر ڈملو صاحب کی ذیل کی تحریر سے واضح ہو جاتا ہے۔

”پچھلی صدیوں میں ہم مقدم الفاظ کی حفاظت میں وہ

اجتواء کا خیال نہیں پاتے جو عہد نامہ قدیم کے پہنچانے میں پایا جاتا ہے۔ ایک نسخہ کا نقل کرنے والا بعض وقت وہ الفاظ نہ درج کرتا تھا۔ جو اصل عبارت میں موجود ہوتے تھے۔ بلکہ وہ درج کر دیتا جو اس کے خیال میں درج ہونے چاہئیں تھے وہ ایک ناقابل اعتبار حافظہ پر بھروسہ کرتا۔ یا بعض وقت اصل عبارت کو بدل کر اس فرقہ کے خیالات کے مطابق کر دیتا۔ جس میں وہ خود ہوتا۔ ابتدائی عیسائی بزرگوں کی عبارت اور حوالجات کے علاوہ قریباً چار ہزار نئے عہد نامہ کے یونانی نسخے موجود ہیں۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ اختلاف عبارت بہت زیادہ ہے، ۲

منہب سے دلچسپی رکھنے والے اشخاص کو علم ہے کہ موجودہ باقیل ستھوین صدی کے ابتدا یعنی ۱۶۱۱ء میں پادشاہ جیوس کے عہدوں میں مرتب کی گئی اور دو صدیوں کے بعد یعنی ۱۸۸۰ء میں اہل امریکہ اور اہل برطانیہ کے علماء نے موجودہ باقیل پر نظر غائز ڈالی تو ان کو قابل ترمیم پایا اور آخر ہزارہ تبدیلیوں کے بعد ترمیم شدہ باقیل شائع کی باقیل پہلے بھی انسانوں کے ہاتھوں تالیف ہوئی اور اسی میں ہزارہا غلطیاں پائی گئیں۔ اب ہمارے باقیل کے

مؤلف انسان ہی ہیں۔ کچھ صدیوں کے بعد معلوم نہیں کتنی غلطیاں اس میں نظر آنے لگپنگی۔ روشنی بڑھ جانے کی وجہ سے پہلے مصنفوں کی تحریروں میں سقم نظر آنے لگے ہیں۔ اور شرمساری سے بچنے کیلئے ان کی غلط عبارتیں تبدیل کر دیکھی ہیں۔ مثلاً اسکی دو ایک مثالیں یہ ہیں :-

متی ۱/۷ میں یہ عبارت تھی۔ ”مگر اس طرح کے دبوا بغیر دعا اور روزہ کے نہیں نکالے جاتے“ یہ عبارت چونکہ پہلے بزرگوں کی توهہ پرستی کا نتیجہ سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے نئی باائیل کو اس سے پاک کرنے کے خیال سے ان الفاظ کو بالکل نکال دیا گیا ہے۔

اسی طرح سے متی ۱۹/۷ میں تھا۔ ”تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک ایک ہے جو خدا ہے۔“ اس کے عوض ذیل کے الفاظ لکھدئے گئے ہیں۔ ”تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔“ ظاہر ہے پرانے الفاظ تو پراز حقیقت ہیں۔ اور یہ نئے الفاظ بالکل لغو اور بے معنی ہیں۔ لیکن پرانے الفاظ چونکہ حضرت عیسیٰ کو گناہ سے بالکل پاک قرار نہیں دیتے۔ اسلئے وہ اس قابل نہ سمجھئے گئے۔ کہ انکو انجیل کے اندر رہنے دیا جائے۔

تحریف کا ایک اور کرشمہ ملاحظہ ہو۔ پادری ڈملو کو اعتراف ہے کہ مرقس کی انجیل کو جب مرتب کرنے کا خیال

پیدا ہوا۔ تو تلاش کرنے پر اسکا صرف ایک نسخہ ملا۔ جسکے آخری باب یعنی سولھویں باب میں صرف آٹھ آیات موجود تھیں۔ اور اس باب کا باقی حصہ گم تھا۔ اس پر کسی شخص نے ۱۲ آیات یعنی ۹ سے ۲۰ تک اور بڑھا کر اسکو مکمل کر دیا۔ قرآن کریم کی یہ آیت اس حقیقت کو کیسا آشکاراً کرتی ہے

يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِآيَاتِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۝

(سورہ بقرہ ۲ آیت ۹)

قرآن کریم نے بائیبل اور اہل بائیبل کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کو انکی کتاب کے متعلق صدیوں پہلے وہ بات بتائی جو ان کو آج اپنی تحقیقات کے بعد بالکل درست نظر آئی۔ اندرین حالات کیا اہل بائیبل کیلئے یہ کہنا سزاوار ہے۔ کہ قرآن کریم نے سرقة کر کے ترواة اور اناجیل کی تعلیمات کو اپنا لیا ہے۔ اول تو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے قرآن کریم کے نظریات و اصول دین میں اور بائیبل کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے اسلائی قرآن کریم کیلئے ایسے رکیک نظریات کا مستعار لینا امن محال ہے۔ پھر جب قرآن کریم ان کتب مقدسہ کو حرف سبدی قرار دیتا ہے تو پھر کیا اس صورت میں ان کو اس قابل سمجھنا جا سکتا تھا کہ ان کی تعلیمات کو اپنا لیا جاتا۔

مشہور انجیل تو چار ہیں یہ چار انجیل یہاں انجیل کے ڈھیر میں سے منتخب کر کے آسافی کتابیں قرار دیدی گئی ہیں۔ یہ چاروں کی چاروں انجیل حضرت عیسیٰ کی سوانح عمریان ہیں۔ جو چار مختلف اشخاص کی تصنیف ہیں۔ اور چاروں میں شدید اختلاف ہے۔ کیا باوجود اس حقیقت کے ان کو خدا کا کلام قرار دینا عقلمندی ہے۔ انکو خدا کا کلام قرار دینا دیانتداری کے خلاف ہے۔ اور انسانیت پر ظلم ہے۔

لوقاء حضرت عیسیٰ کی وفات کے قریباً سو سال بعد انجیل تالیف کی اور لوقاً امن امر کا اعتراف کرتا ہے کہ چونکہ بہت سے اشخاص نے انجیل لکھنا شروع کر رکھا ہے۔ اسلئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ میں بھی ایک انجیل لکھوں۔ لوقاء نے پہلے باب کی پہلی چار آیتوں میں اس امر کو تسلیم کیا ہے۔ کہ بہت سے لوگ انجیل لکھنے میں مشغول تھے اور انکی تصنیف یا تالیف کا اختصار ان روایات پر تھا۔ جو ان تک مختلف وسائل سے پہنچی تھیں۔ یہ انجیل لکھنے والے لوگ حضرت عیسیٰ کے زمانے کے لوگ نہیں ہیں۔ اور وہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سپرد قلم نہیں کر رہے۔ بلکہ وہ واقعات پر ایک صدی گذر جانے کے بعد ان کو لکھ رہے ہیں اور جب مسلسلہ روایات پر ان کا بھروسہ ہے۔ وہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے

تیسرا نے کی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ لوقا نے اپنی انجیل لکھنے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ لوقا ایک حاکم اعلیٰ کو زبانی انجیل پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی خاطر بھی انہوں نے انجیل کے واقعات کا احاطہ تحریر میں لانا مناسب سمجھا۔ لوقا کے پہلے باب کی پہلی چار آیتوں کی عبارت یہ ہے:-

”چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں انکو ترتیب وار بیان کریں۔ جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے نور دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا۔ اسلئے اے معزز تھیا فوس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے۔“

لوقا نے نہایت صفائی سے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ کہ انجیل زمین پر لکھی گئی اور یہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے واقعات پر مشتمل ہے۔ لوقا کو ان واقعات کی اطلاع آسان سے کسی فرشته کے ذریعہ سے نہیں ملی۔ بلکہ ان کی تالیف کی بنیاد زبانی بیان کردہ روایات ہیں۔ اور ان روایات کے متعلق انہوں نے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے جو ان کی تحقیقات میں درست اترا لکھدیا انجیل کا متن بھی لوقا کے اس بیان کی تصدیق کرتا

ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ^۲ کی پیدائش کے ذکر کو لیجئے۔ انکی پیدائش کے تفصیلی حالات زمین پر مشاہدے میں آئے تھے۔ ان کے لکھنے میں آسمانی وحی کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ^۲ کے وعظ و کلام کا ذکر ہے۔ اور انکے علاج معالجه کے متعلق رپورٹیں ہیں اسکے علاوہ یہ رپورٹیں بھی ہیں کہ وہ بیماروں کو بدر وحوں کے آسیب سے نجات دیتے تھے۔ اور ان بدر وحوں کے نکل جانے سے بیمار اچھے ہو جاتے تھے۔ اس طرح سے ان کے مباحثتوں اور مناظروں کا ذکر آتا ہے۔ اور ان کی مخالفت کی داستان بھی سامنے آتی ہے۔ اس مخالفت کی حد یہاں تک پہنچی ہے۔ کہ یہودی علماء نے ان پر مقدمہ چلا کیا۔ جو پیلاطوس کے سامنے پیش ہوا۔ اور پیلاطوس نے مقدمہ کی سماعت کے بعد ان کو صلیب پر چڑھانیکا حکم دیا۔ اور وہ صلیب پر لٹکائے گئے۔ اور چند گھنٹوں کے بعد صلیب پر سے اتار لئے گئے۔ اور ان کی ہڈیاں نہ توڑی گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ کے ایک مرید یوسف ارمیتھا نے جو بڑا آدمی تھا اور اسکا اثر و رسوخ پیلاطوس پر تھا۔ اسکی نعش پیلاطوس سے حاصل کر لی۔ اس وقت پیلاطوس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ جب ہڈیاں بھی نہ توڑی جائیں تو چند گھنٹوں میں صلیب پر موت واقع نہیں ہو سکتی۔ یوسف ارمیتھا نے ایک باغ میں زمین کی سطح سے اوپر ایک ٹیلہ کے اندر کمرہ

کھدو اکر اس میں حضرت عیسیٰ کی نعش کو رکھوا دیا۔ اور اسکے منہ پر ایک بڑا پتھر لٹھکا دیا۔ یہ تمام واقعات ایسے ہیں۔ کہ ان کی نگارش کیلئے آسمانی وحی کا نازل ہونا قطعاً لا حاصل ہے۔ اہل یورپ غور کریں۔ کہ کیا انہی ارضی اناجیل سے قرآن کریم نے تعلیمات سرقة کر کے عرب کے جنگجو قبائل میں امن قائم کیا تھا؟ اور ان کو اخوت کے مضبوط رشتہ میں منسلک کر دیا تھا؟ کیا انہی اناجیل کے واقعات میں دین کے کوئی اصول نظر آتے ہیں؟ کیا ان میں کوئی ایسے نظریے ہیں جن پر عمل کر کے قوموں میں بلند پایہ اخوت اور مساوات پیدا کی جاسکے؟ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قوم کے اندر قربانی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اور ان کو با خدا بنا دیا۔ اور ان کے اندر عبادت اللہی اور خدمت مخلوق کا جذبہ پیدا کر دیا اور ان کو تہذیب کا علمبردار بنا دیا۔ انہوں نے ایشیا و یورپ دونوں ملکوں میں اپنی فتوحات کے جہنڈے گاڑے۔ اور مشرق و مغرب کی قوموں میں علم و تہذیب کو پھیلا دیا۔

الغرض حضور نبی کریم ﷺ ایک عظیم الشان مذہب کے بنی اور ایک عالمگیر اخوت کے قائم کرنے والے ہیں۔ اور آپ ﷺ ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کے قائم کرنے والے ہیں۔ جس میں پورا امن اور حقیقی عدل و انصاف مشاہدہ میں آتے تھے

اور جس کے حاکم خدا پرست اور مخلوق خدا کے خادم نظر آتے تھے۔
کیا اس قسم کا مشکل ترین اور مفید ترین انقلاب وہ شخص پیدا
کر سکتا ہے۔ جس نے کہیں سے سنکر چند قصے کہانی
اڑا لی ہوں؟ جائے غور ہے۔

اناجیل کا اختلاف بیان

اناجیل ایک ہی واقعہ کو مختلف طور پر بیان کرتی ہیں
چنانچہ ذیل کا نقشہ اس امر کو بخوبی واضح کرتا ہے۔

انجیل مرقس: اور شمعون نامی ایک کریمی آدمی سکندر اور
روفس کا باپ وہاں سے آتے ہوئے ادھر سے گذرا انہوں نے
اسے بیگار میں پکڑا کہ صلیب اٹھائے اور انہوں نے اسے
صلیب پر چڑھایا۔ اور اسکے کپڑوں پر قرعہ ڈال کر
کہ کس کو کیا ملے انہیں بانٹ لیا۔ اور پھر دن چڑھا تھا
جب انہوں نے اسکو صلیب پر چڑھایا اور اس کا الزام
لکھ کر اسکے اوپر لگا دیا گیا۔ کہ
”یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے“

انجیل متی: جب باہر آئے۔ تو انہیں شمعون نامی ایک کریمی آدمی
ملا۔ اسے بیگار میں پکڑا کہ اسکی صلیب اٹھائے۔ اور انہوں

نے اسے صلیب پر چڑھایا۔ اور اسکے کپڑے قرعہ ڈالکر
بانٹ لئے اور وہاں پہنچ کر اسکی نگہبانی کرنے لگے۔ اور
اس کا الزام لکھ کر اسکے سر کے اوپر لگا دیا کہ
”یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے“

انجیل بوقا: ایک نوشتبہ بھی اسکے اوپر لگایا۔ کہ
”پہ یہودیوں کا بادشاہ ہے“

انجیل یوحننا: پس وہ یسوع کو لیکر اور وہ اپنی صلیب آپ
انھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ
کھلاقی ہے اور پیلاطوس نے ایک کتبہ لکھ کر صلیب
پر لگا دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

”یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ“

اس کتبہ کو بہت سے یہودیوں نے پڑھا اسلئے کہ وہ مقام
جهان یسوع مصلوب ہوا شہر کے نزدیک تھا۔
اور وہ عبرانی، لاطینی اور یونانی میں لکھا ہوا تھا۔
مرقس اور متی تو یہ لکھتے ہیں کہ جب یسوع کو ایکر
صلیب دینے کے لئے چلے ۔ تو انکو شمعون نامی ایک آدمی ملا۔

اسکو انہوں نے بیگار میں پکڑ لیا۔ تاکہ وہ یسوع کی صلیب اٹھائے۔ لیکن یوحننا کہتا ہے۔ کہ یسوع خود انہی صلیب اٹھائے ہوئے ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ واقعات کو تبدیل کر کے لکھنا انجیل نویسوں پر ختم ہے اور ایک مشاہدہ میں تبدیلی کرنا نہایت ہی خطرناک جسارت ہے۔

اسی طرح سے انہوں نے اس کتبہ کی عبارت کو مختلف طریق سے بیان کیا ہے۔ انجیل کے راوی یا مصنف ایک سہم بالشان واقعہ کو لکھتے ہوئے بھی اختلاف کرتے ہیں۔ نامہ نگار یا وقائع نگار ایک واقعہ کو مختلف الفاظ میں تو ادا کرسکتے ہیں۔ لیکن ایک کتبہ کی عبارت کو مختلف الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے۔ یہ خصوصیت صرف انجیل نویسوں کو حاصل ہے۔ اس سے پیشتر لوقا کی زبانی یہ ذکر آیا ہے کہ بہت سے لوگ اناجیل لکھ رہے تھے اور ان میں ایسے بھی تھے۔ جو اس کام کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی بہت سی اناجیل لکھی گئیں۔ اور نیس کی مجلس نے جو چوتھی صدی میں منعقد ہوئی۔ ایسے اناجیل کے طومار میں سے موجودہ چار انجیلوں کا انتخاب کیا۔ اور ان چار انجیلوں کا یہ حال ہے۔ کہ صلیب جیسے اہم واقعہ کے متعلق نوشته یا کتبہ تو ایک ہی ہے۔

لیکن چار انجیل نویس مختلف الفاظ میں اسکو ادا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ ! نوشته بھی بدل سکتا ہے ! مرقس تو کتبہ کی عبارت یہ لکھتے ہیں۔ ”یہ یہودیوں کا بادشاہ“، لیکن متی جنہوں نے صرف یہودیوں کی خاطر انجیل لکھی تھی وہ امن میں وہ خاص لفظ بڑھاتے ہیں جو یہودیوں کیلئے خصوصی دلچسپی رکھتا ہے۔ یعنی ”یسوع“ کا لفظ اور لکھتے ہیں۔ ”یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے“۔ لوقا نے عبارت کو بامعنی کرنے کیلئے اسی ایک کتبہ کو یوں لکھا ہے۔ ”یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے“، لوقا نے مرقس کی عبارت کو درست کر دیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے دونوں ساقط الاعتبار ہو گئے ہیں۔ اور یوحننا لکھتے ہیں کتبہ ایک نہ تھا۔ بلکہ کتبہ تین زبانوں میں لکھا گیا تھا۔ یعنی عبرانی، لاطینی اور یونانی میں۔ یوحننا نے اس جگہ کو دکان یا فرم قرار دیا ہے۔ جہاں مختلف اقوام کی سہولت کیلئے ایک ہی اشتھار مختلف زبانوں میں لکھا جائے۔

صلیب دینے والے دشمن تھے۔ ان کو اس اهتمام کی کیا حاجت تھی کہ تین کتبے لکھوائے۔ کیا وہ حضرت عیسیٰ کے حق میں کوئی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ جو ان کو اس کا اہتمام کرنا پڑا۔ یوحننا بھول گئے اور یہ سمجھا۔

کہ گویا حکومت کی عنان حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے ہاتھ میں تھی اور انہوں نے اس المناک واقعہ سے فائدہ اٹھا کر پراپاگنڈا کرنے کیلئے تین زبانوں میں کتبہ لکھا۔

یوحنا نے کتبہ کی عبارت میں ”یسوع ناصری“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مرقس اور لوقا نے لفظ ”یسوع“ استعمال نہیں کیا۔ ”یسوع“ کا لفظ متی نے ایزاد کیا ہے۔ اور یوحنا نے ”یسوع“ کے ساتھ ”ناصری“ کا لفظ کسی پیشگوئی کے پورا نئی کے خیال سے بڑھا دیا ہے۔

یوحنا کہتا ہے کہ یہ کتبہ پلاطوس نے صلیب پر لگا دیا تھا۔ لیکن مرقس اور متی لکھتے ہیں۔ کہ اس کا الزام لکھ کر اس پر لگا دیا گیا۔ اور متی کہتا ہے اسکے سر کے اوپر لگا دیا گیا۔

یہ ہیں مؤلفین انجیل۔ ان میں کوئی خوف خدا نہیں ہے۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ حق پرست نہیں ہیں اور یہ لوگ مذہبی جوش یا مذہبی خوش اعتقادی کے شکار ہیں۔ اور انہوں نے اپنی تحریرات سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ *يَحِرِّفُونَ الْكِلَمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ* کیسا درست ثابت ہوا۔

یہ واقعات تو وہ ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ کی موت کے متعلق ہیں۔ اب ان کی ولادت کے متعلق جو کچھ ان کتب

مقدسہ میں لکھا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ مرقس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ واقعہ مرقس کی نگاہ میں کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح سے یوحننا نے بھی حضرت عیسیٰ کی ولادت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ اور اس کا ذکر ترک کر دیا ہے۔ عیسائی دنیا تو اس ولادت کے مسئلہ پر اپنے دین کی بنیاد رکھتی ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے اول الشاهدین اس بنیادی امر کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اسکو قابل ذکر سمجھتے ہیں۔ ولادت کا ذکر متى کی انجیل اور لوقا کی انجیل میں ملتا ہے۔ ان دونوں نے حضرت مسیح کی ولادت کے ساتھ دو ایسے شجر ہائے نسب لکھدئے ہیں۔ جن میں شدید اختلاف ہے۔ اور مفسرین انجیل نے ان شجروں میں فاشن غلطیاں ظاہر کی ہیں۔ اور راویوں کے فہم اور محدود علم کو اس قسم کی غلطیوں کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ متى نے یہودیوں کے اعتقادات کو سامنے رکھکر شجرہ نسب تیار کیا اور لوقا نے عامۃ الناس کی تعلیم کے پیش نظر شجرہ نسب تجویز کیا۔ اور اس شجرہ کو آدم تک پہنچا کر کہا آدم جو خدا کا بیٹا تھا۔

یہ ہے مایہ ناز انجیل کا لڑیچر جسکے متعلق عیسائی علماء نے نہایت بیباکی سے لکھدیا ہے۔ کہ قرآن کریم نے اسکو

سرقة کر کے اپنے صفحات کو زینت بخشی ہے۔ جس طرح مؤلفین ان انجیل کم فہم اور خوش فہم ہونے کے باعث قابل رحم ہیں۔ اسی طرح یہ وہ عیسائی علماء و فضلاء بھی اپنے تعصباً اور جسارت کیلئے مستحق آفرین ہیں جنہوں نے افترا اور دجل سے کام لے کر قرآن کریم کی نورانی تعلیمات کا سرچشمہ ان انجیل کو قرار دینے کی جرأت کی ہے جن میں کوئی اعلیٰ درجے کے علمی نظریہ نظر نہیں آتے اور نہ ہی آن میں کوئی بلند پایہ اصول دین پائے جاتے ہیں۔ بائیبل کے یہ حالات جب سامنے آتے ہیں۔ تو انسان حیران ہوتا ہے۔ کہ اسکے اختلافات کی کوئی حد بندی نہیں۔ انیسویں صدی میں جو کمیٹیاں اسکی اصلاح کیلئے انگلستان اور امریکہ میں بیٹھی تھیں۔ ان کے مطالعہ میں مینکڑوں کی تعداد میں وہ مقام آئے۔ جنکی اصلاح کی ضرورت اُنہیں محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ہر پہلو سے اصلاح کی۔ حقائق کے بیان کرنے میں غلطیاں تھیں ان کی اصلاح کی گئی۔ اور ایسی عبارات کی اصلاح کی گئی جن سے غلط اعتقادات مستبطن ہوتے تھے۔ محاورات کی غلطیاں۔ غیر ضروری العاق عبارات کی غلطیاں سامنے آئیں۔ ان سب کی اصلاح کے بعد بائیبل شائع کی گئی۔ یہ کتابیں چونکہ انسانوں کی تصنیف کردہ تھیں۔ اسلئے ان میں اختلاف پایا گیا۔ جو بائیبل شاہ جیمس کے عہد میں شائع ہوئی تھی۔

اسکو ملکہ و کثوریہ کے عہد میں کئی قسم کے اغلاط تھے پر پایا گیا۔ لیکن ۱۶۱۱ء سے لیکر ۱۸۸۰ء تک کے عرصہ میں تمام عیسائی دنیا نے اس بائیبل کے ایک ایک حرف کو خدا کا کلام یقین کیا۔ اور خدا جانے یہ ترمیم شدہ بائیبل پھر کب قابل ترمیم سمجھی جائیگی۔ واقعات نے تو بائیبل کو ساقط الاعتبار قرار دے رکھا ہے۔

أَفَلَا يَتَقَدَّمُ بِرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا

(سورة النساء ۲۷ - آیت ۸۲)

فِيهِ اختِلافًا كَثِيرًا -

یعنی خدا کے کلام میں اختلاف کا موجود ہونا امر محال ہے اور ہر وہ کتاب جسمیں اختلاف پایا جاتا ہے خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔

وحدت انسانی

خدا کی توحید قائم کر کے وحدت انسانی کا قائم کرنا سب سے اہم اور سب سے مفید مسئلہ ہے۔ حضرت رسول کریم نے اسکی طرف توجہ کی اور حضور نے اس میدان میں بے نظیر کامیابی حاصل کی۔ عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ۔ افریقہ کے سیاہ فام زنگی اور شام و ایران کے سفید رنگ کے انسان سب کے سب

سلسلہ اخوت میں منسلک ہو گئے اور وہ ایسے گھل مل گئے - اور آن میں ایسی اخوت قائم ہو گئی - کہ اسکی مثال دنیا بھر میں نہیں پائی جاتی - فرمایا

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً

یعنی یہ کہ تمام انسانیت ایک ہی قوم ہے - قرآن کریم نے اس مقصد کے حصول کیلئے بڑے دلائل بیان کئے ہیں - سب سے بڑھکر یہ دلیل دی ہے کہ خدا منب اقوام عالم کا رب ہے اور ساری اقوام کا مورث اعلیٰ ایک ہی انسان ہے - جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا

إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَّاكُمْ وَاحِدٌ

اسکے علاوہ ان تمام امور کو بیان کیا ہے جو انسانیت کے اندر وحدت پیدا کرنے کے راستے میں حائل ہیں - مثلاً نسلی امتیازات - مذہبی تعصبات - وطن کا سوال - مشرق و مغرب کا سوال زبان کا سوال اور رنگ کا سوال - ان تمام سوالات پر بحث کرنا اسی کے شایان ہو سکتا ہے جسکی نظر وسیع ہو اور بالغ ہو - ان تمام امتیازات کو دور کر دینا صرف خدا تعالیٰ کی تعلیم اور کسی بزرگ ہستی کے عملی نمونہ اور اسکی صحبت اور اسکے انفاس طیبہ کی برکت اور اسکی پختگی عقیدہ اور اسکی ہمت و استقلال سے ہی ممکن ہو سکتا ہے چنانچہ یہ مشکل ترین کام بھی حضرت رسول کریم

نے کر کے دکھا دیا۔ اور دنیا نے دیکھا اور تاریخ نے اسے اپنے
اوراق میں ضبط کیا کہ کس طرح یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب
تمام کے تمام حقیقی اخوت میں منسلک ہو گئے۔ اور کس طرح
ایک زنگی و شامی اور ایرانی و مصری باہم گھل مل گئے۔
اس اخوت کا امتیازی رنگ مساوات اور صحیح عدل و انصاف
تھا یہی وجہ ہے کہ سیدنا بلال اور صہیب رومی کو غیر
معمولی عظمت نصیب ہوئی اور مہجع زنگی غلام کی نسبت
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ انَّ أَوَّلَ الشَّهَدَاءِ مَهْجَع
مختلف قوموں میں اس بے نظیر اخوت کا پیدا کر دینا مشکل ترین
معجزات میں سے ہے۔ اس معجزہ کا مشاہدہ حضور کے حکم
کے ماتحت ہر سال مکہ معظمہ میں کرایا جاتا ہے۔ یہاں ہر سال
حج کے موقعہ پر تمام اقوام عالم کے لوگ جمع ہوتے اور خداۓ
واحد کی عبادت کرتے اور انسانیت کی وحدت کا نظارہ پیش کرتے
ہیں۔ عرفات کے میدان میں خدا کی قدرت کا عرفان نصیب ہوتا ہے۔
جدہر دیکھو انسان ہی انسان نظر آتے ہیں اور آن تمام کے اندر
یکرنگی اور بے نظیر اخوت پائی جاتی ہے۔ ان کے رنگ مختلف۔
ان کی بولیاں مختلف۔ ان کے وطن مختلف۔ ان کی نسلیں مختلف اور ان کے
مراتب مختلف لیکن اس موقعہ پر یہ تمام امتیازات مٹا دئے جاتے
ہیں اور تمام نسل انسانی کو وحدت کا عملی سبق سکھایا جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ کہ حضور نے شرک کے تمام آثار کو مٹا کر توحید خداوندی کو قائم کیا اور توحید کے ذریعے ایک بہت اہم مقصد کو یعنی وحدت انسانی کو کمال تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم ﷺ کے اس کارنامہ پر بہت خوش ہے اس لئے وہ اور اسکے ملائکہ حضور پر درود بھیجتے ہیں جیسا کہ فرمایا

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَكُوكَتَهُ يُصْلِلُونَ عَلَى النَّبِيِّ

اور اس میں مسلمانوں کو بھی اپنا ہمنوا بنانے کے لئے حکم دیا کہ اے مومنو تم بھی حضور پر درود بھیجا کرو چنانچہ فرمایا

يَا يَهُآ الَّذِينَ أَسْنَوْا صَلْوَاتَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُوا تَسْلِيمًا

(سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۵۶)

مسلمانوں کو حضور کے اس کارنامہ پر بجا فخر ہے۔ اُن کو یہ عظیم کارنامہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور باہمی اخوت و یگانگت اور اتحاد کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔ کیونکہ اسی میں انکی طاقت و عزت کا راز مضمون ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ جس وقت بھی وہ نماز پڑھنے کیلئے کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو تو اُس وقت توحید باری تعالیٰ اور وحدت انسانی کے دونوں سبق اپنے سامنے رکھئے۔

أَيْنَمَا تَسْكُونُوا يَاتُ بِكُسْمِ اللَّهِ جَمِيعًا (سورہ بقرہ ۲ - آیت ۱۴۸)

یعنی جہاں کھیں بھی تم ہو۔ قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرو اور غرض یہ ہے۔ کہ تا اللہ تعالیٰ تم کواکٹھا کر دے۔ پس مبارک ہے وہ مسلمان جو خدا کے اس مقصد اور اس کی اس منشاء کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اور مبارک ہے وہ شخص جو ترقہ سے پہتا اور اس کو مٹاتا ہے اب ذیل میں وہ آیات قرآنی جو اس عظیم کارنامے کا موجب ہیں درج کی جاتی ہیں۔ فرمایا

يَا يَهَا النَّاسُ انا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَنِسْتِي وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِيلَ لِتَعْارِفُوا اَنَّ اَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتَقَاءُكُمْ (سورہ الحجرات ۹۹ - آیت ۱۳) آن اللہ علیم خبیر ۰

یعنی تمام انسانوں کا خالق ایک ہی ہے۔ اور وہ سب کے سب ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے بعد میں وہ زمین میں پھیل کر شعوب اور قبائل اور مختلف اقوام بن گئے اور یوں اپنی اپنی نسل پر فخر و مباہات کرنے لگے۔ اور دوسروں کو احتقار کی نظر سے دیکھنے لگے۔ فرمایا کہ یہ راستہ صحیح نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام انسان ایک ہی برادری ہیں۔ اس لئے نسل و خاندان پر فخر کرنا غیر مناسب ہے کیونکہ اس سے وحدت انسانی کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہاں تعظیم و تکریم کے موجبات

خدا خوف اور نیک عملی ہیں جس قوم میں بھیتیت قوم خدا خوف اور نیک عملی پائی جائے گی وہی قوم معزز ہوگی ۔ اور حضور نے فرمایا ہے کہ

مَنْ بَطِئَ بِهِ عَمَلَهُ لَمْ يُسرِعْ بِهِ نِسْبَةً

یعنی جس کے اعمال اچھے نہیں وہ پیچھے رہ جائیگا ۔ اور نسب اس کو آگے نہیں لے جا سکیگا ۔

اسی مضمون کو ذیل کی آیت میں دھرا یا گیا ہے ۔ فرمایا

وَإِذَا بَتَّلَ إِبْرَاهِيمَ رَبِّهِ بَكْلَمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ أَنِّي جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ أَمَامًا قَالَ وَمَنْ ذُرَّ يَتَّقَالَ لَا يَنْأَلُ عَهْدِ الظَّالِمِينَ ۝

(سورہ البقرہ ۲ - آیت ۱۲۳)

بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر بڑا فخر تھا ۔ اور وہ کسی دوسری قوم کو اپنے پایہ کا نہ سمجھتے تھے ۔ بنی اسرائیل کو یہ فخر تھا ۔ کہ

نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحَبَّاءُهُ (سورہ الہائیہ ۵ آیت ۱۸)

یعنی ہم خدا کے محبوب بلکہ اس کے بیٹوں کی طرح ہیں ۔ اور یہوداہ کی نظر عنایت صرف ہم تک ہی محدود ہے ۔ اس لئے ہر وہ قوم جو

بنی اسرائیل کے دائرے سے باہر ہے۔ کبھی جنت میں نہ
جا سکتے گی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے فرمایا۔ کہ یہ
نظریہ درست نہیں ہے ابراہیم^۴ کی۔ اولاد سے جو لوگ بدکردار
ہوں گے وہ عنایت الہی کے مستحق کبھی نہ ہوں گے۔ اور ابراہیم
کی نسل سے ہونا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ قرآن کریم نے اگر خدا
کو رب العالمین بیان کیا تو اس کے قانون کو بھی عالمگیر
بیان فرمایا یعنی یہ کہ کوئی شخص کسی ملک کا متوطن ہو
اور کسی قوم میں پیدا ہوا ہو۔ اگر وہ خدا خوف اور نیک عمل
ہے تو وہ خدا کو پسندیدہ ہے۔ حضور نبی کریم نے بھی اپنے
الفاظ میں اس اصول کو یوں بیان فرمایا۔

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ بِالْمُتَقْوِينَ مَنْ كَانُوا حَيْثُ كَانُوا

یعنی میرے قریب تر صرف وہ لوگ ہیں جو خدا خوف ہیں خواہ
وہ کسی قوم کے ہوں اور کسی وطن سے تعلق رکھتے ہوں۔ اصلی
خوشخبری اور انجیل تو یہی ہے۔ اور در حقیقت یہی وہ نظریہ ہے
جو تمام انسانیت کے اندر اطمینان پیدا کرسکتا ہے۔ اور جو ہر
انسان کو خدا پرستی اور مخلوق خدا کی خدمت کے لئے تیار کرسکتا
ہے یہ وہ نظریہ ہے جو اسلام کو یہ استحقاق بخشتا ہے کہ
وہ عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرنے۔

اس مضمون کی ایک اور آیت غور کے قابل ہے اور وہ
یہ ہے - فرمایا

يَا يَهُآ النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
وَاحِدَةً وَخَلَقَ مِنْهَا زوجَهَا وَبَثَ بِنَهْمَامَارِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۝

(سورة النساء ۲۹ - آیت ۱)

یعنی اے دنیا جہان کے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مورث سے پیدا کیا
اور اسی کی جنس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اور پھر ان سے لاتعدد
مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ اس لئے تم اپنے خالق کا خوف
اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس رشتہ کو مدنظر رکھو
کہ ساری انسانیت خدا کا کتبہ ہے۔ تمام نسل انسانی سے ہمدردی
کرنا ہی خدا خوف کا ثبوت ہے۔ رسول کریم ﷺ اگر ان
تعلیمات کی تلقین کرتے تھے۔ تو ان پر عمل کر کے بھی دکھاتے
تھے۔ چنانچہ حضور نے مسجد نبوی میں عیسائیوں کے وفد کو
اتارا اور انکی تعظیم کی اور انکی تواضع اور سہماں نوازی کی۔ اور
انکو کامل آزادی کا فرمان لکھ کر دیا۔ ایسا ہی سلوک اہل یہود
کے وفد کے ساتھ کیا۔ نہ صرف اہل کتاب سے بلکہ
حضور نے مشرکین عرب سے بھی انتہائی ہمدردی کا
سلوک کیا۔ اور طائف کے مشرکین یا کفار جنہوں نے بجائے
سہماں نوازی کرنے کے حضور کا استقبال پتھروں کی بارش سے

کیا تھا اور حضور کو لہو لہان کر دیا تھا۔ اور شہر سے نکال دیا تھا۔ وہاں سے بھی جب وفد آیا تو اس کو بھی حضور نے توحید کے اس گھر میں اتارا جو رب العالمین کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ اور ان کی تکریم و تعظیم اور مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جسکی تعلیم اور عملی ہمدردی قوموں میں وحدت پیدا کر سکتی ہے۔

ایسا بھی ہوا۔ کہ مضر قوم قحط سے بر باد ہو کر حضور کی خدمت میں امداد حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئی۔ یہ وہ قوم تھی جو مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتی تھی۔ اور ان پر تعدی کرتی تھی۔ لیکن جب یہ بحال زار حضور کے سامنے آئے تو حضور نے قوم کو جمع کر کے خطبہ دیا۔ اور اس خطبہ میں یہ آیت پڑھی

يَا يَهُآ النَّاسُ أَتَقْوَى رَبِّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَاحِدَةً الْخِ

اور ان مصیبیت زدؤں کی امداد کرنے کے لئے تلقین کی۔ اس آیت کا پڑھنا تھا کہ مسلمان اٹھے اور انہوں نے مضر قوم کی خاطر غله اور

کپڑوں کا انبار لگا دیا۔ حضور کے عمل نے مسلمانوں کے دلوں
میں اس آیہ کریمہ کا سبق جا گزین کر دیا۔

اسی طرح سے جب اہل مصر قحط کے باعث بھوک سے مرنے
لگئے تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں امداد حاصل
کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام
نے اس موقع پر بھی اپنے دوستوں کو جمع کیا اور بھی
آیہ کریمہ تلاوت کی۔ جس پر مسلمانوں نے دل کھوں کر
مصریوں کے لئے مال جمع کیا۔ اور ان سے اس طرح عملاء
ہمدردی کر کے دکھانی۔

اس مضمون کی ایک اور جامع آیت بھی ذیل میں درج
کی جاتی ہے۔ فرمایا

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخَلَافُ أَنْسَتَكُمْ
وَالْوَارِثُوكُمْ أَنَّ فِي ذَالِكَ لَا يَاتِي لِلْعَالَمِينَ

(سورہ الروم ۳۰۔ آیت ۲۲)

یعنی اس کائنات میں ہزارہا قسم کے اختلافات ہیں۔ لیکن باوجود
ان اختلافات کے کائنات کے اندر وحدت موجود ہے کیوں کہ
ان اختلافات کا مبدأ ایک قادر مطلق خدا ہے۔ اسی طرح خدائے
رب العالمین نے گو بنی نوع انسان کے رنگ مختلف بنائے ہیں
اور ان کی بولیاں مختلف بنائی ہیں۔ لیکن انسانیت باوجود

ان اختلافات کے ایک ہے اس لئے رنگ کے اختلافات پر مرثنا اور زبانوں کے اختلافات پر شور محشر بربا کرنا عقلمندی نہیں ہے۔ مشرق و مغرب کا سوال پیدا کر کے لوگوں پر ظلم ڈھانا بالکل غیر مناسب ہے اور وحدت نسل انسانی کیلئے سخت نقصان رسان ہے۔ بلکہ زمین و آسمان کے مختلف طبقات کے اختلافات اور دنیا کے مختلف حصص میں بسنے والی قوموں کے رنگ اور زبان کے اختلافات میں تو اہل علم کے لئے بصیرت افروز سبق ہے۔ جیسا کہ فرمایا

لَآيَاتٌ تَّلْعِيمٰتٌ

لیکن لوگ اس سبق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اور ان سطحی اختلافات کو بنائے مخاصمت بنا کر ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس ییسویں صدی میں انگلستان کے لوگ افریقہ میں اپنی اس کم عقلی اور اس تعصب کا نہایت ہی المناک اور شرم ناک مظاہرہ کر رہے ہیں۔ قرآن کے نازل کرنے والے رب العالمین کو ان مذموم خیالات اور قابل شرم خیالات کا علم تھا۔ اس لئے اس نے یہ آیات نازل فرما کر اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے اس قسم کے تعصبات کا قلع قمع کیا۔ یہی حال امریکہ کا ہے۔ وہاں جبشی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ تمام کے تمام عیسائی

ہو چکے ہیں اور اہل امریکہ کے ہم مذہب اور ہم وطن ہیں اہل امریکہ ان کو انسانیت کا درجہ دینے سے دریغ کرتے ہیں۔ وہ سفید آدمی کے گوجھے میں جو خدا کا گھر ہے عبادت کے لئے داخل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ہی وہ سفید آدمی کے ریستوران میں جا کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ اہل برطانیہ اہل علم ہیں اور اسی طرح سے اہل امریکہ بھی اہل علم ہیں۔ لیکن رنگ کی وجہ سے جو سطحی چیز ہے۔ وہ دونوں خطرناک تعصبات کے اندر غرق ہیں۔ اور انہوں نے صرف رنگ کے باعث بہت سے انسانوں کو انسانیت کے حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ اس کو تہذیب نہیں کہ سکتے۔ بلکہ یہ تو پرلے درجے کی جہالت اور بد تہذیبی ہے۔ برطانیہ نے حال ہی میں اپنی تنگ ظرفی اور تعصبات کا ایک اور نمونہ پیش کیا ہے۔ ملکہ الزبتھ اور ان کے شوہر ڈیوک آف ایڈنبرا جب ان ممالک کے دورے پر نکلے جہاں سلطنت برطانیہ کا اثر ہے۔ تو اس دوران میں ان کو لنکا میں اترنے کا بھی موقع ملا۔ وہاں پر انہوں نے اپنے ایام قیام میں ایک مندر میں جانا بھی مناسب سمجھا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو انگلستان میں ان کے برخلاف ایک طوفان برپا ہو گیا اور بارہ پادریوں کے دستخطوں سے یہ احتجاج شائع ہوا۔ کہ الزبتھ اور ان کے شوہر کا یہ فعل کفر ہے۔ اور دین عیسوی کے سخت خلاف ہے۔ کہاں محمد رسول اللہ ﷺ

کی تعلیم اور کہاں بیسویں صدی کے یورپ کی یہ اتنا درجے
کی تنگ ظرفی اور تعصب - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الواقع
رحمۃ للعالمین ہیں - حضور ﷺ نے تو حبشیوں کو
اسی طرح اسلامی اخوت میں شامل کر کے دکھایا - جس طرح
یہود و نصاری کو یا جس طرح گورے و سپید رنگ کے ایرانی و
شامی کو رشتہ اخوت اسلامی میں منسلک کر کے دکھایا۔ یہ نہایت
ہی مشکل کام تھا۔ جو آج سے چودہ سو سال پہلے حضور اکرم نے
سر انجام دیا - یورپ میں غریب آدمی کا برا حال ہے اور اس سے
کہیں زیادہ برا حال کالے آدمی کا ہے -

اہل هند نے بھی اس معاملہ میں کوئی اچھا نمونہ نہیں
دکھایا - چہ کروڑ انسان وہاں پر اچھوت ہیں - ان کو انسان
نہیں سمجھا جاتا - ان کا سایہ تک ناپاک خیال کیا جاتا ہے -
اور ہنود کے نزدیک ان کا چھو جانا انسان کو ناپاک
کر دیتا ہے - وہ کوئی سے پانی نہیں لے سکتے - وہ مندر میں نہیں
داخل ہوسکتے - مہاتما گاندھی نے اپنا تمام زور اس بات پر
صرف کیا - کہ ان لوگوں کو انسانیت کے حقوق دئے جائیں -
لیکن قوم نے مخالفت کی اور کہا کہ وید مقدس کی تعلیم
اجازت نہیں دیتی - کہ ان لوگوں کو کوئی سے پانی لینے کی
اجازت دی جائے - یا ان کو مندر کے اندر آنے دیا جائے -
قوم کے بیجا تعصب نے مہاتما گاندی ایسی بڑی شخصیت

کو بیسویں صدی میں جو روشن ترین صدی سمجھی جاتی ہے۔
 ناکام کر دیا۔ لیکن آج سے چودہ سو سال پیشتر جب کہ دنیا
 میں جاہلیت کا دور دورہ تھا اور اہل عرب کا تکبر اور استکبار
 ہندوستان کے راجپوتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس وقت
 رسول کریم ﷺ نے اس قسم کے تمام تعصبات کی زنجیروں کو
 توڑ دیا اور مختلف قوموں کے لوگوں کو ایک حقیقی اخوت کے
 رشتہ میں منسلک کر دیا۔ زبان کے مسئلہ نے بھی قوموں کو
 برسر پیکار رکھا ہے۔ اہل یورپ کو اسکا نہایت تلخ تجربہ ہے۔
 آج پاکستان میں بھی زبان کا مسئلہ باعث سر درد بنا ہوا ہے۔
 اس مسئلہ کو بھی حضور نبی کریم ﷺ نے کامیابی سے حل
 کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عهد حکومت میں جب ایران فتح
 ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ خدا تمام زبانوں کو سمجھتا ہے۔
 فارسی بھی خدا کی پیدا کردہ زبان ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسْانٍ قَوْمَهُ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

(سورہ ابراہیم ۱۴ - آیت ۲)

اسی طرح سے ایک مسئلہ مشرق و مغرب کا ہے۔ آج کپلنگ صاحب
 کا یہ نظریہ ہے کہ مشرق و مغرب علیحدہ علیحدہ دو خطے ہیں۔
 ان کا مlap ناممکن ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس مسئلہ کو

یوں حل کیا ہے - فرمایا

وَلَهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

یعنی ایک ہی خدا نے مشرق پیدا کیا اور مغرب بھی - نیز فرمایا

وَلَهُ الْمَشَارِقُ وَالْمَغَارِبُ

یعنی ہر آن سورج ایک جگہ سے طلوع کرتا اور ہر آن اسی جگہ غروب ہوتا ہے - تو اس طرح ایک ہی مقام ایک ہی وقت میں اگر کسی قوم کیلئے مشرق ہے تو وہی مقام کسی دوسری قوم کے لئے مغرب ہے - کائنات کے اس نظارے کو تعصب کے لئے بہانہ بنا لینا پرے درجی کی جمہالت پر دلالت کرتا ہے -

رب المشرق والمغرب کے الفاظ قرآن کریم نے بار بار

دھرائی ہیں - اور (سورۃ الرحمٰن ۵۵ - آیت ۷۱) میں

رَبُّ الْمَشَرِقِينَ وَرَبُّ الْمَغَرِبِينَ

کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں - یعنی یہ کہ اہل مشرق و اہل مغرب دونوں کے ہم ہی رب ہیں - اور ہر مشرق ایک ہی وقت میں مغرب ہے اور ہر مغرب ایک ہی وقت میں مشرق بھی ہے - اور دونوں کا پیدا کرنیوالا اور دونوں کی پرورشی کرنیوالا ایک

ہی خدا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں یہی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝

(سورة المزمل ۳۷ - آیت ۹)

یعنی یہ کہ اہل مشرق و اہل مغرب کا معبود ایک ہی ہے۔ اور اسکے پرستاروں کے لئے مشرق و مغرب کے سوال کو افراق و دشمنی کی بنا بنا لینا عقلمندی اور اخلاق حمیدہ کے خلاف ہے۔

آج اہل مغرب نے اس سوال کو اسقدر اہمیت دی ہے۔ کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ ہم نہایت ہی اعلیٰ و ارفع واقع ہوئے ہیں۔ اور ہمارے مقابل پر اہل مشرق نہایت فروتوتر ہیں۔ اسلئے اہل مشرق کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ ہمارے غلام بنکر رہیں۔ اور ہم ان کی محنت کی کمائی کھائیں اور ان کے ملکوں کی دولت سمیٹ کر یورپ میں لے آئیں۔ اس نقصان دہ نظریت کے ساتھ انکی حرص و آز اسقدر تیز ہو گئی ہے۔ کہ وہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی صورت سے ایشیا کی اقوام پر ہمارا تسلط رہے۔ اور ایشیا میں ہماری منڈیاں ہوں۔ اور وہاں کے لوگ ہمارے لئے غلہ اور تمام قسم کے خام مال پیدا کرنے میں مصروف رہیں۔ اہل مغرب کے یہ خیالات اور یہ ارادے نہایت ہی ناپاک ہیں۔ اور نہایت

ہی تقصیان رسان ہیں۔ انہوں نے مختلف مالک کا توازن خراب کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے ان بد ارادوں کی وجہ سے دنیا میں آج اضطراب اور فساد ہے۔ ان امور کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ نے تلقین فرمائی ہے کہ ان تمام مقامات اور مالک اور اقوام کا خالق و مالک اور پورشن کرنے والا ایک ہی خدا ہے۔ جو لوگ اس واحد خدا کے پرستار ہونگے۔ ان کے دل تعصبات سے پاک ہو جائیں گے۔ اور اس طرح سے ظلم و تعدی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ ایک اور مقام پر فرمایا

اَنَّ الْهُكْمُ لِوَاحِدٍ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ
(سورة الصافات ۳۷ - آیت ۴، ۵)

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کے مطالعہ سے یہ امر بالوضاحت سامنے آجاتا ہے۔ کہ قرآن کریم ان تمام اہم امور اور اہم مسائل پر حاوی ہے جو دنیا کو پیش آسکتے ہیں۔ اور ان امور کی اصلاح بھی قرآن کریم کے مد نظر ہے جن امور کے باعث اقوام عالم میں تنازع پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا قرآن کریم کے سوا کوئی دوسری کتاب ہے۔ جس میں ان خیالات پر بحث کی گئی ہو۔ رنگ کے اختلاف نے آج قوموں میں تعصب پیدا کر رکھا ہے کیا اسکا علاج سوائے قران کریم کے اور کسی آسمانی

کتاب میں موجود ہے؟ بولی کا اختلاف بھی اسی قسم کے تنازعات کا باعث ہے۔ نسل کے اختلافات اور مشرق و مغرب کے سوالات کا اگر ذکر کیا ہے تو قرآن کریم نے۔ اور ان اختلافات کے مٹانیکی تجویز پیش کی ہے تو قرآن کریم نے۔ یہ تمام کی تمام بیماریاں ہیں جنکا علاج سوائے قرآن کریم مکے اور کسی مذہبی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ ان اہم معاملات پر بحث کرنا صرف اس کتاب کا کام ہو سکتا ہے جو ماڈرن ہو۔ یعنی جو زمانہ حال کی ضروریات اور زمانہ حال کے اہم سوالات سے واقف ہو۔ اور ان کا حل تجویز کر سکتی ہو۔ قرآن کریم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے۔ کہ ہر وہ اہم سوال جو قوموں کے سامنے آسکتا ہے ہم نے اسکی حقیقت پہلے سے ہی بیان کر دی ہے۔ اور اس سوال کے ہر پہلو پر خوبصورتی سے روشنی ڈال دی ہوئی ہے۔ فرمایا

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَشِيلٍ إِلَّا جِئْنَكَ بِالْحَقِّ وَاحْسِنْ تَفْسِيرًا

(سورة الفرقان ۲۵ - آیت ۳۳)

یعنی کوئی ایسا اہم سوال نہیں جو قوموں کو تو پیش آسکتا ہو اور اسکی وضاحت ہم۔ پہلے ہی سے نہ کر دی ہو۔

قرآن کریم جو ان صفات سے متصف ہے اس پر یہ تھمت

لگانے کی یہ جرأت کرنا کہ اس کی تعلیمات توراۃ و انجیل سے سرقہ کردہ ہیں نہایت ہی ظالمانہ حرکت ہے۔ ہر وہ شخص جو ایسا کرتا ہے اپنی لاعلمی اور اپنے تعصب کا اظہار کرتا ہے۔ اگر ان کی آسمانی کتابوں میں بھی ان مسائل پر بحث موجود ہے تو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ وہ ایسا کرنیکی ہر گز جرأت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی کتابیں اس قسم کے نظریات بیان کرنے سے بالکل عاری ہیں۔ اسلئے ان کے صفحات میں اس قسم کی تعلیمات تلاش کرنا بے سود ہو گا۔ ان کتابوں میں تو قوموں کے ایک کر دینے کے خلاف یہ لکھا ہے کہ صرف بنی اسرائیل ہی خدا کی محبوب قوم ہے اور اسکے علاوہ تمام قومیں مقهور ہیں۔ حضرت عیسیٰ چونکہ یہودی تھے اسلئے انہوں نے بھی توراۃ کی تعلیم پر چلتے ہوئے یہی اعلان کیا۔ کہ میں بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کیلئے آیا ہوں۔ اور انہوں نے بنی اسرائیل کے سوا دوسری قوموں کو سؤر اور کتے کہا۔ چنانچہ متی ۷/۶ اس امر کی تائید میں اس طرح رطب اللسان ہے۔ ”وہ جو پاک ہے اسے کتوں کو نہ دو اور نہ ہی تم اپنے موقی سؤروں کے آگے پھینکو“۔ اور متی ۱۰/۵ میں ہے ”ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دیکر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر

میں داخل نہ ہونا - بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی
بھیڑوں کے پاس جانا - یہ تنگ نظری اور تنگ ظرف ہی نہیں
بلکہ غیر اسرائیل کو اسقدر حقیر اور اسقدر ناپاک سمجھا جیسے
کتے اور سُور - یہ تو بد تہذیبی اور تعصب اور تنگ نظری کی
حد ہے - خدا خود عیسیٰ کی شکل میں تو اترے لیکن تنگ نظری
اور تعصب کو دور کرنیکی بجائے اسی کی تائید کرے -

اَنَّا لِهِ وَ اَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اس مضامون سے کہیں زیادہ دردناک ذیل کا واقعہ ہے -
ستی ۱۰ / ۲۲ میں لکھا ہے ”اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان
سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہا اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم
کر - ایک بد روح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے - مگر اس نے
اسے کچھ جواب نہ دیا اور اسکے شاگردوں نے پاس آکر اس سے
عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ ہمارے پیچھے
چلاتی ہے - اس نے جواب میں کہا میں بنی اسرائیل کے گھرانے
کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا -
مگر اس عورت نے آکر مسجدہ کیا - اور کہا اے خداوند میری
مدد کر یسوع نے جواب میں کہا کہ لڑکوں کی روٹی لیکر
کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں اس نے کہا ہاں خداوند کیونکہ

کتنے بھی ان ٹکڑوں سے کہاتے ہیں جوان کے مالکوں کے
دستر خوان سے گرتے ہیں۔“

یہ واقعہ جسقدر دردناک ہے اسیقدر شرمناک بھی ہے۔ اس
عورت کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ کنعانی ہے اور بنی اسرائیل کے
گھرانے سے نہیں ہے اسلئے تمام عنایات اللہی سے محروم ہے۔ وہ تو
ایک ناپاک کتنے کی حیثیت سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتی۔ اس
واقعہ پر جن نفرت انگیز خیالات کا اظہار کیا جائے اور جتنا بھی
ماتم کیا جائے کم ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا
بیان کرتے ہیں۔ یہاں ایک طرف تو ان کا کلام ہے اور دوسری
طرف ایک کنunanی عورت کا کلام ہے۔ جسکو وہ کتنے کے برابر
سمجھتے ہیں۔ دونوں کا موازنہ کیا جائے۔ تو ان میں زمین و
آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ یقیناً اس عورت کا کلام اس شخص سے
بہت بڑھا ہوا ہے۔ جسکو خدا کا بیٹا بیان کیا جاتا ہے۔

فتد بروا يأولى الابصار

اقوام عالم کے انبیاء پر ایمان لانا

ان اہم ترین مسائل میں سے جو تمام اقوام عالم کے درمیان
اتحاد پیدا کرنے کا موجب ہیں۔ یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ تمام کی تمام
قوموں کے مذہبی پیشواؤں کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ اور انکے

متعلق یہ بات تسلیم کیجائے۔ کہ وہ خدا کی طرف سے فرستادہ تھے۔ اور انکے پیغام کو بھی خدا کا پیغام تسلیم کیا جائے۔ مختصرًا یہ کہ ان پیغمبروں پر ایمان لانا مذہب کا جزو قرار دیا جائے اور ایسا ہی ان کی کتابوں پر ایمان لانا جو ان پر نازل ہوئیں جزو ایمان قرار دیا جائے۔ ایک دوسرے کے بزرگوں کی دل سے اور اخلاص سے عزت کرنے سے ضرور آپسیں محبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کے باپ کی تعظیم کریں تو وہ شخص ضرور ہم کو عزت و محبت کی نگہ سے دیکھیگا۔ اور اگر ہم اسکے دینی راہنا کی تعظیم کریں تو ضرور ہے کہ اسکے دل میں ہمارے لئے قدر و منزلت پیدا ہو۔ ان امور کو مد نظر رکھ کر حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں پر فرض عاید کر دیا ہے۔ کہ مسلمان تمام قوموں کے پیغمبروں اور انکے راہنماؤں کی تعظیم کریں۔ اور ایسا کرنا اپنی ایمانیات کا جزو قرار دیں۔ ورنہ الحمد لله رب العالمين کہنے کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اگر وہ تمام اقوام کا رب ہے۔ تو ضرور ہے کہ جس طرح جسمانی زندگی کیلئے اسکی بارش تمام انسا۔ت کیلئے ہے اور جس طرح اسکا سورج و قمر بلا تفریق سب کیلئے ہے۔ اسی طرح وحی النبی جو انسانیت کی روحانی

زندگی کیلئے از بس ضروری ہے تمام کی تمام قوموں کیلئے
مہیا کیکٹی ہو۔ چنانچہ قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کو
رب العالمین کر کے بیان کرتا ہے۔ اطلاع دیتا ہے کہ ہر
قوم کیلئے هادی و نذیر آئے۔ جیسے فرمایا

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

(سورة فاطر ۳۵ - آیت ۲۳)

یعنی کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا
نہ گزرا ہو۔ نیز فرمایا

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادِ

یعنی ہر قوم کے لئے هادی ہوئے ہیں۔

قرآن کریم نے تمام قوموں کے مشہور و معروف پیغمبروں
کا ذکر کیا ہے۔ جیسے نوح - ابراہیم - اساعیل - یعقوب -
یوسف - یونس و لوط و شعیب و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام
اور اسبات کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ ہم نے کچھ انبیاء کے
ناموں کا ذکر کر دیا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جنکا
ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا

وَرُسُلًا قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصَصْنَاهُمْ

(سورة النساء ۱۶۸ - آیت ۱۶۸)

عَلَيْكَ

لیکن اصولاً ہر مسلمان کا فرض ہے۔ کہ سب قوموں کے پیغمبروں پر ایمان رکھئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں۔ اور وہ قابل تعظیم و تکریم ہیں چنانچہ ہم ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور اسی طرح سے کرشن جی مہاراج اور رامچندر جی مہاراج اور گوتم بدھ اور کنفیوشس اور زرتشت سب کی دل سے تعظیم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہم ایسا ایمان نہ رکھیں تو ہم خدا کو رب العالمین یقین نہیں کرتے۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساری قوموں کے مذہبی ہادیوں کا ماننا اپنے ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں اور اس ضروری امر کا اعلان کرتے ہیں۔ تاکہ اس کی اہمیت فراموش نہ کر دی جائے۔ ذیل کی آیات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور خدائے رب العالمین پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتب پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ فرمایا

قُلْ أَمْنِتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمْرَتُ لَا عَدْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حِجَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ بِمَا بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ

(سورۃ الشوریٰ ۲۲ - آیت ۱۵)

پعنی اے رسول اللہ۔ تمام قوموں کے لئے اعلان کر دیجئے کہ میں ہر اس آسمانی کتاب پر ایمان لاتا ہوں جس کو خدا نے نازل فرمایا ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے۔ کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف قائم کروں۔ اللہ ہمارا بھی رب اور محسن ہے اور تمہارا بھی رب اور محسن ہے۔ ہمارے اعمال کا ہم کو بدله ملے گا اور اس طرح سے تمہارے اعمال کا تم کو بدله ملے گا اس لئے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یگانگت پیدا کر دیگا۔ اور اس کی طرف ہم سب نے جانا ہو گا۔ یہ نہایت ہی اہم اور نہایت ہی مفید اعلان ہے۔ اس اعلان کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ ذیل کا اعلان بھی اسی غرض کو لئے ہوئے ہے۔ فرمایا

قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتَى
مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفُرُّ بَيْنَ أَهْدِ
مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

(سورہ آل عمران ۳ - آیت ۸۳)

یعنی ہم اللہ پر اور اُن تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب علیہم السلام اور انکی اولاد پر نازل ہوئیں۔ اور ہم ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو موسیٰ^۳ اور عیسیٰ^۴ کو عطا ہوئیں۔ الغرض ان تمام کتب سماوی ہر ایمان رکھتے ہیں جو انبیاء کو دی گئیں۔ اور ہم کسی ایک نبی کا انکار کر کے کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم مسلمان ہیں یعنی احکام اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اس مضمون کی اہمیت کو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مختلف مقامات پر دھرا یا گیا ہے۔ تاکہ یہ نظریہ اچھی طرح سے ذہن نشین کر دیا جائے۔

ادیان میں اختلاف کیوں ہے؟

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ تمام انبیاء خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے تھے۔ اور وہ سب کے سب ایک ہی تعلیم کے حامل تھے۔ اور اس تعلیم کا اصل اصول ایک ہی تھا۔ لیکن اس تعلیم کی تفصیلات مختلف تھیں۔ عبادت تو ایک ہی خدا کی تھی۔ لیکن طرز و طریق اور ہیئت مختلف تھی۔ انسان کے دل و دماغ کی نشوونما چونکہ آہستہ آہستہ ہوئی ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم و تربیت بھی بتدریج ہوئی۔ ایک وقت وہ تھا جب وہ عالمگیر تعلیم کو سمجھہ ہی نہ سکتا تھا اور اس وقت اس کے سامنے

عالیم گیر نظریئے پیش کرنا دانشمندی کے خلاف تھا۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وَلِكُلٍ جَعَلْنَا شِرْعَةً وَ مِنْهَا جَاءَ

یعنی ہر ایک قوم کے لئے ایک طریق اور ایک منہاج قائم کرنا از بس ضروری تھا۔ لیکن بعد میں لوگوں نے اس ہیئت کو دین سمجھ لیا۔ اور اس منہاج کو اصلی مذہب قرار دے دیا اور یوں مغز کو چھوڑ کر چھلکر سے وابستگی پیدا کر لی۔ ورنہ ہر نبی کو یہی تعلیم دی گئی تھی۔ کہ خدا تعالیٰ ایک ہے۔ اور اس کے ماسوا کوئی دوسرا معبود ہونے کے لائق نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی اور خالقیت کی صفت سے متصف ہے اور نہ ہی ربویت کی صفت سے۔ اور نہ ہی خدا ایسا ناتوان بادشاہ ہے۔ کہ اس کو کائنات کا کارخانہ چلانے کے لئے وزیروں وغیرہ کی حاجت ہو۔ وزیر اور شریک کار تو اس لئے بادشاہوں کے لئے ضروری ہوتے ہیں کہ بادشاہ آئیلے امور سلطنت کو سرانجام دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ وزیروں وغیرہ کا وجود بادشاہ کی کمزوری اور اس کی ناقابلیت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس کائنات کا خالق و مالک اور مدبر چونکہ اس قسم کی تمام کمزوریوں اور عیوبوں سے پاک ہے اس لئے اس کی بادشاہت کے چلانے

کے لئے اس کا شریک تجویز کرنا خدا کو عیب لگانا اور اس کو ناقص یقین کرنا ہے۔ قرآن کریم بار بار اعلان کرتا ہے۔

لا شریک له۔ لا شریک له۔ لا شریک له۔ سبحان اللہ
عما یصفون۔

یعنی خدا تعالیٰ ان تمام کمزوریوں اور نفائص اور عیبوں سے پاک ہے۔ جو ان باطل پرستوں کے معتقدات سے ظاهر ہوتی ہیں۔ مختصرًا یہ کہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ہی تعلیم دی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت سے پیش آنے پر مشتمل تھی جیسے فرمایا۔

۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونَ ۝

(سورہ الانبیاء ۲۱ - آیت ۲۰)

۲۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ

وَاجْتَنِبُوا الظَّاغُوتَ (سورہ النحل ۱۶ - آیت ۳۶)

۳۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ

فَسَأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ أَنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

بِالْبَيِّنَاتِ وَالْزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْذِكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلِعِلْمِهِمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(سورة النحل ۱۶ - آیت ۳۴)

۴۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُّوا مِنَ الطَّيَّابَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا
إِنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلَيْمٌ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّةٌ مُّتَكَبِّرَةٌ
وَاحِدَةٌ وَأَنْجَارٌ بَكِيمٌ فَاتَّقُونِ ۝ فَتَقْطَعُوا أَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

(سورة المؤمنون ۲۳ - آیت ۵ تا ۹)

یعنی دین اللہ کی اصل ایک ہی تھی - اور خدا کی طرف سے پیغام
لانے والے سب انسان ہی تھے - ان میں الوہیت نہ تھی - اور
حضور کو حکم ہوا کہ آپ پر قرآن اس لئے اتارا گیا ہے کہ تا آپ
ان تعلیمات کو جو آپ سے پہلے انبیاء پر اتاری گئی تھیں - تمام
انسانیت پر واضح کر دیں - آپ سے پیشتر تمام کے تمام رسولوں نے

یہی تعلیم دی تھی۔ کہ ہمارا دین ایک ہی دین ہے۔ لیکن ان کے بعد لوگوں نے دینی معاملات میں اختلافات پیدا کئے اور تفریق در تفریق پیدا کر کے ٹکڑے ہو کر رہ گئے۔ اور تفرقہ اس لئے بھی زیادہ افسوس ناک ہے کہ واضح تعلیمات کے آجائے کے بعد تفرقہ رونما ہوا اور اس تفرقہ کے پیدا کرنے والے خود غرض را ہبہ تھے۔ جو اپنی سرداری قائم کرنے کے خواہش مند تھے اور اس سرداری کے ذریعہ سے لوگوں کے اموال کھانا چاہتے تھے۔ اس پر قرآن کریم کی متعدد آیات شاهد ہیں۔ جیسے فرمایا

وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ وُهُمْ

الْعِلْمُ بَعْيَدًا وَ بَيْنَهُمْ ۝

(سورہ آل عمران ۳ - آیت ۱۸)

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ

مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ مَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ

(سورہ البینة ۹۸ - آیت ۲۰)

لَهُ الدِّينُ

یعنی لوگوں نے اہل کتاب ہونیکرے بعد اور خدا کی طرف سے روشنی حاصل کرنے کے بعد سرداری کی خاطر اور جسد و بعض سے جل کر دین میں تفرقہ اندازی کی ۔ اور اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے دین کو برباد کر دیا ۔ اور ان کے علماء اور مشائخ نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ سادہ لوح لوگوں نے ان کو خدائی کا رتبہ دے دیا ۔ اور ان کے صادر کردہ احکام کو خدا کے احکام پر ترجیح دینے لگے پھر ان لوگوں نے سادہ لوح انسانوں کے مال سمیٹنے اور رنگ رلیوں کی زندگیاں اختیار کر لیں ۔ ان کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے ۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرَهْبَانِهِمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ أَبْنَ مَرِيمٍ وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سَبَّاحَانَهُ عَمَّا يُشَرِّكُونَ ۝

(سورۃ التوبۃ ۹ - آیت ۳۱)

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ کہ اسلام نے پنڈت و پرچہت اور پادری و حیر کے منصب کو بالکل اڑا دیا ہے ۔ اور کہا ہے کہ ہر انسان کے لئے روحانیات کا علم حاصل کرنا ایسا ہی ضروری

ہے۔ جیسے اس مادی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے کھانا پینا ضروری ہے چنانچہ فوج کا ہر مسلمان کمانڈر نماز میں امام بھی ہوتا تھا اور ہر خلیفہ وقت مسجد میں پائیغ وقت حاضر ہو کر امامت کے فرائض سر انجام دیتا تھا۔ تا ہم مسلمانوں کو ان الفاظ میں تلقین فرمائی گئی ہے۔

يَا يَهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
لَهُمَا كُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَطَلِ وَيَصْدُونَ عَنْ

(سورة التوبہ و آیت ۳۴)

سَبَيْلِ اللَّهِ

یہاں مسلمانوں کو آگہ کیا ہے کہ مشائخ اور علماء دین متین کی اس طرز زندگی سے بے خبر نہ رہنا۔

متذکرہ بالا آیات سے یہ امر عیان ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن کریم نے جہاں تمام انبیاء پر ایمان لانے کی تلقین کر کے دنیا بھر کی قوموں پر احسان کیا اور ان کے اندر اتحاد و آشتی کی بنیاد رکھی۔ وہاں ان پیغمبروں کو بھی اس الزام سے پاک کیا کہ گویا انہوں نے خدا کی توحید سکھانے کی بجائے شرک و توہم پرستی کی تعلیم جاری کر دی تھی۔

انبیاء اور رسولوں کی ذات اس الزام و اتهام سے پاک ہے۔ انکے متبوعین نے نفسانی خواهشات کے غلام بن کر دین میں تفرقہ پیدا کیا۔ ورنہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی تھا۔ کیوں کہ وہ ایک ہی چشمہ معرفت سے سیراب ہوتے تھے۔ اور ان کیلئے یہ امر شایان شان نہ تھا کہ وہ خود تو خداۓ واحد کے پرستار ہوں۔ اور اپنے متبوعین کو مشرکانہ تعلیم میں مبتلا کر دیں۔

قرآن کریم توحید پر زور دیتا ہے۔ اور اسی طرح سے وحدت انسانی پر بھی، اور اس امر کو بھی بیان کرتا ہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی اصل کی تلقین کی تھی۔ چنانچہ ذیل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ساری انسانیت ایک ہی قوم ہے اور تمام کے تمام رسولوں کا ایک ہی دین تھا۔ جس کی انہوں نے اپنی اپنی قوم کو تلقین کی تھی لیکن افسوس و حیرت کی بات ہے کہ ان کے متبوعین نے آسمانی روشنی کے ہالینے کے بعد تفرقہ پیدا کیا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے سپرد یہ کام کیا جاتا ہے کہ وہ تفرقہ مٹا دیں۔ اور دنیا میں ایک خدا اور وحدت نسل انسانی کا ڈنکا بجا دیں۔ اس آیت کے پیش نظر حضرت نبی کریم ﷺ کی بے مثل کامیابی جو اس اہم معاملہ میں حضور کو حاصل ہوئی۔ اس کا تصور بھی سامنے لانا چاہئے۔ فرمایا

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ

وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحُكُمَ

بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ فَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ

إِلَّا الَّذِينَ أَوْتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا

بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ أَسْفَوْا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

(سورة البقرہ ۲ - آیت ۲۱۳) مستقیم ۰

قرآن کریم کے نظریات میں بڑی وسعت ہے۔ اور اس کے مقاصد نہایت بلند ہیں۔ اس کے مقابل پر توراہ و انجیل کے نظریے تنگ ہیں۔ اور ان کے مقاصد میں کوئی بلندی نہیں پائی جاتی۔ ان حقائق کے پیش نظر کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اول الذکر کتاب سوخرالذکر کی تعلیمات کو اپنانے کی فکر کرے۔ یہ بات بالکل

ناممکن ہے۔ تورّاۃ و الحبیل کے علماء جتوں نے اس قسم کا اتهام قرآن کریم کے متعلق افtra کیا ہے۔ جب اس معاملہ پر غور کریں گے۔ تو ضرور ہے کہ وہ پشیمان ہوں۔

قرآن کریم ماذرن کتاب ہے

قرآن کریم کی تعلیمات کے متعلق تین امتیازی و خصوصی رنگ ہیں۔ اول تو یہ فطرت انسانی کا دین ہے۔ دوسرے ان تعلیمات کو جو انسان کی طبعی و فطری تقاضوں کے موافق ہونے کے باعث اپنے اندر قدرتی دلربائی اور جذب رکھتی ہیں۔ اس بات کی ضرورت نہیں کہ بہ جبر و اکراه منوایا جائے۔ تیسرا بات یہ ہے۔ کہ اسکے احکام ایسے نہیں کہ جو انسان کی طاقت سے باہر ہوں۔ اور اس پر گران گذریں اور ان کی

تعمیل اس پر دو بھر ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فَطَرَ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ

(سورہ الروم۔ ۳۰ آیت ۳۰)

الدِّينُ الْقِيمُ

اور فرمایا

(سورہ البقرہ ۱۰ آیت ۲۵۶)

لَا اَكْرَاهَ فِي الدِّينِ

نیز فرمایا

(سورہ البقرہ ۲ آیت ۲۸۶)

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا أَلَّا وُسْعَهَا

یہ آیات نہایت ہی خوشکن خوشخبریوں کا اعلان کرتی ہیں۔
 اس زمانہ کیلئے یہ بہت بڑی خوشخبری اور مژده ہے۔ کہ
 دین فطرت کے مطابق ہے اور وہ اکراه سے منوایا نہیں جاتا۔
 اور اسکے نظریات و احکامات انسان کی سمجھے اور استعداد پر
 کسی قسم کا بوجھ نہیں ہیں۔ جتنا بھی انسان کا علم بڑھیگا۔
 اتنا ہی جلد تر وہ قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنائیگا۔ کیونکہ
 ہر وہ چیز جو فطرت انسانی کے موافق ہوگی۔ وہ اسکے لئے
 مغلوب ہوگی۔ اور ہر وہ چیز جو فطرت انسانی کے خلاف ہو
 نفرت پیدا کرتی ہے۔ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا ایک
 خدا ماننا بہت بڑا علمی نقطہ ہے۔ اور نہایت ہی مفید اور صحیح
 نظریہ ہے اسکو کون رد کر سکتا ہے۔ اسی طرح تمام کی تمام
 انسانیت کو ایک قوم یقین کرنا بھی نہایت ہی بلند پایہ نظریہ
 ہے بھلا کون ہے جو اسکا انکار کرے۔ اور تمام قوموں
 کی ربویت کرنیوالا ایک ہی خدا ہے۔ اور اس نے تمام قوموں
 کے لئے راہبر بھیجے ہیں۔ اس نظریے کو کون تسلیم
 نہ کریگا۔ خدا کی عبادت کرنا اور اسکی مخلوق کی
 خدمت کرنا بھی نہایت ہی دلکش اور اطمینان بخش نظریہ
 ہے۔ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہیں۔ یہ نظریہ روس اور
 امریکہ اور یورپ و ایشیا اور ہند و پاکستان اور تمام ممالک

کے باشندوں کیلئے عظیم الشان مژده ہے۔ ان تعلیمات کے اندر قدرتی کشش ہے اور ضرور ہے کہ ان کو مقبولیت عامہ نصیب ہو۔ ان تعلیمات کے اندر ایک خوشخبری اور پیشگوئی ذیل کے الفاظ میں درج ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ○ (سورة العنكبوت ۹۲ آیت ۲۹)

یعنی یہ کہ تعلیمات اسلامی اہل علم کے سینوں میں لکھی ہوئی ہیں اسکا انکار نہیں کر سکتے۔

اسلامی تعلیمات کی دلکشی اور قبولیت عامہ

ایسی دلکش اور دلربا تعلیمات کیلئے اکراه و جبر کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تعلیمات تمام کی تمام عرب نے قبول کیں اور ان تعلیمات کو اگر اہل افریقہ نے قبول کیا تو اہل یورپ بھی ان تعلیمات کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ قسطنطینیہ اور سلطنت روم نے اس کو قبول کیا تھا۔ اور ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ روس کے بعض حصص نے اسکو قبول کیا تھا۔ ایک زمانہ میں فنلینڈ جیسی دور و دراز بستی نے اسکو قبول کیا تھا۔ ایک زمانہ میں روس کے مغربی کنارہ کی

آبادیوں نے اسکو قبول کیا تھا - اور آج بريطانیہ و جرمنی اور امریکہ کے باشندوں نے اس کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے - اللهم زد فزد - یورپ کے پادری اس مشاہدے سے خوف زده و ہراسان ہیں کہ جس دین کے برخلاف ہم نے نہایت ہی خطرناک طور پر پراپاگنڈا کیا تھا - اس نے آکر خود ہمارے ہی وطنوں میں فتح کے جھنڈے گاڑ دئے ہیں - ہم کہتے تھے اسلام بزور تلوار پھیلا تھا لیکن ہمارا یہ پراپیگنڈا خود ہماری قوم کے ہاتھوں غلط قرار دیا جا چکا ہے - کیونکہ یورپ کے لوگ یقین کر اٹھے ہیں - کہ اسلام کی تعلیمات اس قدر معقول اور مفید ہیں - کہ اسکو قطعاً کسی تلوار کی حاجت نہیں ہے - اسلامی تعلیمات طبیعت پر گران نہیں گزرتیں - ان تعلیمات میں کوئی ایسا غیر معقول اور بعید از عقل معتمد نہیں ہے - جو انسانی استعداد اور عقل و فہم کے مخالف ہو - اور جس کو قبول کرنے سے انسان رکتا ہو - تلوار سے گردن تو جھک سکتی ہے - لیکن تلوار دلوں میں اخلاص نہیں پیدا کرسکتی - تلوار کے خوف سے دین قبول کرنے والا انسان منافقت اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے - اور وہ دین کے لئے تقویت کا موجب بننے کی بجائے کمزوری کا باعث ہوتا ہے - لیکن اسلام جہاں جاتا ہے - ایسے مخلصین کی

جماعت پیدا کر لیتا ہے جو اپنا مال و جان اس پر فدا کرنے
کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ۔

قرآن کریم ان استعدادوں کو جگاتا ہے
جو انسانی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں
قرآن کریم الذکر یعنی یادداہی ہے

قرآن کریم کی ایک صفت الذکر بھی بیان کی گئی ہے۔ جیسے فرمایا

أَنْ هُوَ الْأَذْكَرُ لِلْعَلَّمِينَ

یعنی قرآن کریم تمام انسانیت کے فطری قویٰ کو جگانے
کے لئے ہے۔ اور وہ استعدادیں جو فطرت انسانی میں موجود ہیں
ان کا تذکرہ قرآن کی تعلیمات میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو صلاحیتیں
اور جو استعدادیں انسان کو عطا کر رکھی ہیں۔ انہی کی
تعلیم و تربیت ہو سکتی ہے۔ اور جو استعدادیں اس میں موجود
نہیں ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا بے فائڈہ ثابت
ہو گا۔ بعض طالبعلمون میں ریاضی سیکھنے کی طرف رحجان
ہوتا ہے۔ اور بعض میں فلسفہ کی طرف اور بعض طبیعتوں میں
کیمسٹری اور فزکس کے لئے قطعاً کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔
لیکن وہ فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں تو
اس میں وہ سب پر سبقت لے جاتے ہیں۔ ایک ایسے شخص کو

جسے شعر و سخن سے کوئی مناسبت نہ ہو - اسکو شعر کہنے کی
 تعلیم دینا عبث فعل ہے - یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم بھیڑ یا
 بکری کے بچے کو نہایت احتیاط سے پالیں اور اس کو گھر کی
 رکھوالی اور چوکیداری کی تعلیم دینا شروع کر دیں - اس
 میں کبھی بھی کسی طرح کی کامیابی نصیب نہ ہوگی - یا ہم
 گھوڑوں کی بجائے ایک رسالہ بیلوں کا تیار کریں کہ
 میدان جنگ میں دشمن پر ہلہ بولنے کے وقت یہ کام آئیں گے -
 تو ایسی خام خیالی کا نتیجہ مایوسی کے سوا کچھ نہ ہوگا -
 باز کی بجائے کبوتر سے شکار کرنے کا کام نہیں لیا جاسکتا -
 بطن کاچھ پانی دیکھتے ہی اس میں کود پڑتا ہے - لیکن اس کے
 ہمچوںی مرغی کے بچہ کی جان پانی میں گرتے ہی ختم
 ہو جاتی ہے - ایک بھیڑ کے بچے کو اور چیتے کے بچے کو
 اکٹھا رکھ کر ان کی تربیت کیجئے گا - چند مہینوں کے بعد
 کسی دن چیتے کے بچے کے دل میں خود بخود یہ خیال
 پیدا ہوگا - کہ میرا ہمچوں تو میری غذا ہے - وہ اچانک
 اس پر کود پڑیگا اور اس کو پھاڑ کھائے گا - فطرت حیوانات
 میں بھی ہے - فطرت پرندوں میں بھی ہے - فطرت مچھلیوں
 میں بھی ہے - مچھلیوں کو غشکی پر پانا ناممکن ہے اور
 اسی طرح سے صغیروں کو پانی کے اندر رکھ دینا حاصل ہے -

یہ فطرت نباتات میں بھی ہے۔ بکائی کے درخت سے آم اتارنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ سبب کا درخت کبھی بھی ناشپاٹی نہیں دیتا۔ انار سبب اور ناشپاٹی کے درخت اکٹھے ایک ہی جگہ پر ایک ہی پانی سے پرورش کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ نے ایک فطرت عطا کر رکھی ہے۔ اس کی فطرت اس کی ضرورت کے موافق زمین سے ذرات فراہم کرتی ہے۔ اور دوسرے درخت کی ضروریات کے ذرات کو کبھی غلطی سے بھی جذب نہیں کرتی۔ الغرض نباتات اور حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال ایک فطرت عطا کر رکھی ہے۔ جس کے موافق اس کی نشو و نما کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی فطرت عطا کی گئی ہے۔ اس کے اندر استعدادیں رکھی گئی ہیں۔ ان استعدادوں کو ملحوظ رکھ کر اس کی تربیت کرنا سود مند ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی میں انسان کی فلاح اور اسی میں اس کے قلب کی راحت ہے۔ ان استعدادوں کو جگانے کے لئے اور ان کی یادداہی کے لئے قرآن کریم کا نام الذکر رکھا گیا ہے یہ کیسا معقول اور پسندیدہ اور خوش آئند نام ہے۔ اس نام کے اندر فلسفہ اور حکمت رکھدی گئی ہے۔ *إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَلَّمِينَ*
 تمام قوموں کو خدا تعالیٰ نے باطنی استعدادیں عطا

کی ہیں۔ چنانچہ ایک هندی یا ایک سیاہ فام زنگی برطانیہ کی اور جرمی کی یونیورسٹیوں میں اور اسی طرح امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ایسا چمکتا ہے کہ اسکے سامنے سفید اندام طالب علم ماند پڑ جاتے ہیں یہ اسلئے کہ خدا رب العالمین ہے اس نے تمام قوموں کو ذہانت و فہم اور ادراک و عقل کے زیورات سے آراستہ کر رکھا ہے اسلام چونکہ تمام قوموں کی تعلیم و تربیت کیلئے آیا ہے۔ اسلئے وہ تمام قوموں کی استعدادوں کے مطابق تعلیم پیش کرنے کا دعویدار ہے۔ کیا توراۃ کو یا انجیل کو اس باریک علم و معرفت کا کوئی پتہ ہے؟

قرآن کریم کہتا ہے جہاں انسان ہے
وہاں نیکی بھی موجود ہے کیونکہ خدا نے
فطرت انسانی میں نیکی و دیعت کر رکھی ہے

قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ اہل کتاب میں ضرور نیک لوگ موجود ہیں۔ بلکہ اہل کتاب کے علاوہ بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن میں نیکیاں پائی جاتی ہیں۔ قرآن شریف نے توراۃ و انجیل کی تعریف کی ہے۔ اور انبیاء سابقین کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ قران کریم یہ اعلان کرتا ہے۔ کہ کسی شخص یا قوم کی نیکی کسی

صورت میں ضائع نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم یہ اعلان بھی کرتا ہے۔ کہ خدا کی رضا نیکی کے اصولوں پر چلنے اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونے سے میسر آتی ہے۔ نہ کہ کسی قسم کے لیبل لگا لینے یا لبادہ پہن لینے سے۔ خدا تعالیٰ طرفداری سے کام نہیں لیتا اور نہ کسی قسم کی بیجا رعایت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ انسانوں کے قلوب پر ہے وہ انسانوں کے ارادوں سے واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز اوجہل نہیں ہے۔ جس شخص اور جس قوم میں خدا خوف اور نیک عملی پائی جاتی ہے۔ اس شخص اور اس قوم کی خدا مقدار کرتا ہے۔ مختلف مذاہب کے لوگ ایک ہی جگہ پر دوکانداری کرنے والے ہوں۔ تو ان میں سے جو شخص زیادہ دیانتدار اور خوش اخلاق ہو گا۔ اسکو خدا پسند کریگا اور جسکو خدا پسند کریگا۔ اسکو اسکی مخلوق بھی پسند کریگی۔ اور جو شخص دھوکا بازی اور جھوٹ سے کام لیگا۔ اس پر خدا ناراض ہو گا۔ اور اسکی مخلوق بھی اس سے ناراض ہو گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اسکا کاروبار مندا پڑ جائیگا۔ اسکی ظاہری پر ہیزگاری اسکے کام نہ آئیگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَرَايْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَالِكَ الَّذِي يَدْعُ

الْيَتِيمٌ وَلَا يُحِضُّ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ○ فَوَيْلٌ لِلْمُصْلِحِينَ ○
 الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ يَرَاءُونَ ○
 وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ○

(سورة الماعون ۱۰۷ - آیت ۱۷)

یعنی ایک شخص جو بظاہر پرہیزگار ہے اور عبادت بھی کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ اسکی عبادت میں اخلاص کی بجائے دکھاوا ہے اور اسکے عمل میں خدا پرستی کا رنگ موجود نہیں ہے وہ مسکینوں اور یتیموں کیلئے اپنے پہلو میں درد بھرا دل نہیں رکھتا۔ یہ بیچارہ نماز پڑھنے کی غرض سے بالکل ناواقف ہے۔ اسکی نماز پر تقدیر ہے۔

مذہب کی اصل غرض و غایت

اس مضمون کی ایک اور آیت یہاں درج کیجاتی ہے۔

جسمیں کچھ ایسی تفصیلات ہیں جو مذہب کی اصل غرض و غایت ہیں۔ اور اگر کوئی شخص پرہیزگاری کا ظاہری جامہ پہن لے اور ان صفات سے عاری ہو۔ جو اس آیت کریمہ میں بیان کیگئی ہیں تو ایسا شخص سخت دھوکا خورده ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوْلُوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ
 وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ
 وَالنَّبِيِّنَ وَأَتَى الْمَالَ عَلَيْهِ حُبَّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى
 وَالْمَسَاكِينَ وَأَيْنَ السَّبِيلُ وَالسَّائِلِينَ وَ فِي التَّرْقَابِ وَ أَقَامَ
 الصَّلَاةَ وَأَتَى الزَّكُوَةَ وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا
 وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ اُولَئِكَ الَّذِينَ
 صَدَقُوا وَ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَقْوُنُونَ ○

(سورہ البقرہ ۲ - آیت ۷۱)

اس آیت نے نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کو ذہن نشین
 کرنا دیا ہے کہ خدا تعالیٰ حقیقی نیکی اسکو قرار دیتا ہے
 جو عملی زندگی میں اور معاملات میں نظر آئے۔ وہ معاملات خواہ
 امن کے زمانہ کے ہوں یا جنگ کے زمانہ کے ہوں۔ با خدا
 انسان سب حالتوں میں یکسان طور پر نیک عملی کا نمونہ قائم

رکھتا ہو اور وہ یقین کرتا ہو۔ کہ تقوی اللہ دستار وجہہ اور پیشانی پر داغ پیدا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ پرہیزگار وہ ہے جو قول و اقرار کا پکا ہو۔ مصائب میں صبر و ہمت اور استقلال کا نمونہ ہو۔ یتیم و غریب اور مسکین پر اپنا مال خرچ کر کے انکی مصیبت کو جب تک دور نہ کرے اسکو چین نہ آتا ہو۔ الغرض عملی زندگی سے اپنے صدق و صفا پر تصدیق کی سہر لگانیوالا مومن مسلمان ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ حقیقی مسلمان نہیں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ نماز ادا کرنیکرے مقصد کو پورا نہیں کرتے ان کی نماز ان کے منہ پر ماری جائیگی۔ اور وہ شخص جو روزہ رکھکر جھوٹ ترک نہیں کرتا بلکہ اپنے کاروبار میں جھوٹ سے کام لیتا ہے۔ وہ روزہ دار نہیں ہے۔

مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ الرُّزُورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ

أَنْ يَدْعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ

(الحدیث)

مسلمانوں کیلئے تو یہ پیمانہ ہے۔ اس پیمانے سے ہر مسلمان کو اپنا ایمان ناپنا چاہئی اور غیروں کے لئے یہ قانون ہے کہ کسی شخص کی نیکی ضائع نہیں ہوتی۔ جیسے فرمایا

فَمَنْ يَعْمَلْ مُثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مُثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ
 نیز کسی پر ہیزگار کی شرارت اور برائی معاف نہیں کیجاتی -
 لوط پیغمبر تھے ان کی بیوی نیکوکار نہیں تھی - حضرت لوط کا
 پیغمبر ہونا اسکی بیوی کو سزا سے نہ بچا سکا - اور اسی طرح سے
 حضرت نوح پیغمبر تھے ان کا بیٹا نالائق تھا حضرت نوح کا
 پیغمبر ہونا ان کے بیٹے کو سزا سے نہ بچا سکا - حضرت نوح نے
 شفقت پدری کے باعث اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کی یہ میرا
 بیٹا ہے اسکو بچایا جائے فرمایا

يَنُوحُ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ أَنَّهُ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ

یعنی اے نوح تیرا بیٹا تیرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ بدکار ہے
 اسی طرح سے حضرت ابراہیم کو اطلاع دیکھی کہ ہر وہ
 شخص جو تیری اولاد سے ہے صرف اسلئے سزا سے نہیں بچ سکتا
 کہ وہ ابراہیم کی اولاد سے ہے اور نہ ہی ہر شخص ان
 برکات کا وارث ہو سکتا ہے جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم
 کو دے رکھا ہے -

بادشاہ دو جہاں اور آپ کی ازواج کیلئے احکام

اسی طرح سے حضرت نبی کریم کی بیبیوں کے لئے ذیل
 کی آیات اس اصول کو واضح کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضا
 کے حصول کیلئے کوئی قانون ہے اور وہ قانون خدا خوفی اور
 نیکوکاری کا اصول ہے فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَا زَوَاجَكَ أَنْ كُنْتَنَ تُرْدَنَ الْحَيَاةَ

الْدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أَمْتَعْكُنَ وَ أُمْرَحْكُنَ سَرَاحًا

جَمِيلًا وَأَنْ كُنْتَنَ تُرْدَنَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَ الدَّارَ الْآخِرَةَ

فَإِنَّ اللَّهَ أَعْدَ لِلْمُحْصَنَاتِ مُنْكِنَ أَجْرًا عَظِيمًا ○ يَا نَسَاءَ

النَّبِيِّ فَمَنْ يَأْتِ مُنْكِنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعِفَ لَهَا

الْعَذَابُ ضَعْفَيْنِ وَكَانَ ذَالِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ ○ ○ ○

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَ وَلَا تَبَرَّجْ تَبَرَّجْ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى

وَاقِمْ الصَّلَاةَ وَاتِّيَنَ الرَّكُوَةَ وَأَطْعَنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُظْهِرُكُمْ

تَطْهِيرًا ○ وَإِذْ كُرْنَ مَا يُتَلَى فِي بُيُوتِكُنَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ

وَالْحِكْمَةُ أَنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

(سورة احزاب ۳۳ - آیت ۲۸ تا ۳۳)

یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور تمہیں اچھی طرح سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کیا ہے۔ اے نبی کی عورتو! جو کوئی تم میں سے کھلی بے حیائی کرے اسے دو چند سزا دی جائے گی اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے اے اہل بیت ناپاکی کو دور کرے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔ اور اسے یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت سے پڑھا جاتا ہے اللہ باریک باتوں کو جاننے والا خبردار ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ بادشاہ ہیں اور حضور کی بیگمات کے لئے یہ احکام ہیں۔ اور خود حضور نے اپنے متعلق بھی یہ اعلان کیا

قُلْ إِنِّي أَمِرُّ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

(سورہ الانعام ۶ - آیت ۱۵ و ۱۶)

یعنی اے رسول اللہ - اپنے متعلق اعلان کر دیں کہ میں سب سے بڑھ کر احکام الہی کی فرمانبرداری کروں گا۔ اور اگر میں نے اپنے مولا کے احکام کی نافرمانی کی تو مجھے خوف ہے کہ میرے لئے عذاب ہو گا۔ یہ اعلانات خود بادشاہ دو جہاں کے متعلق اور حضور کی بیگمات کے متعلق ہیں دنیا جہاں کے بادشاہوں میں یہ ایک ایسا فقیدالمثال بادشاہ ہے کہ جو اپنے لئے اور اپنی ازواج مطہرات کیلئے اس قسم کے اعلان کرتا ہے۔ کہ اگر احکام الہی کی نافرمانی کریں تو خدا ہم سے موافق کریگا۔

یہ آج سے چودہ سو سال پہلے کی بات ہے۔ یہ مقام آج بیسویں صدی کے بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کے ائمہ یہ قانون ہے۔ کہ جو کچھ بھی کریں ان کا کوئی گناہ قابل گرفت نہیں ہے۔ اور شاہی خاندانوں کے دوسرے ارکان کے متعلق بھی ازین قبیل قوانین ہیں ان کے ناگوار کردار کو دیکھ کر لوگ جہنجھلاتے ہیں لیکن ان کی اصلاح کیلئے

کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی دیکھا دیکھی ہندوستان کے بعض نوابوں نے بھی بے باکی سے ناقابل رشک زندگی اختیار کر لی۔ اور ان کے مرد و زن سزا سے محفوظ رہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم کے اخلاق کی بلندی تک آج کے شاہی خاندان نہیں پہنچ سکے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ بن کر نفس پر پورا ضبط حاصل کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ اس عظیم مرتبہ پر پہنچکر لوگوں کے رحجانات عیش پرستی کی طرف بہ نکلتے ہیں۔ اس امتحان میں وہی شخصیت پوری اتر سکتی ہے۔ جسکو قرب الہی حاصل ہو اور اسکے دل میں ایمان و ایقان نہایت مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہو۔ اور وہ بجائے نفس پروری کے خدا کی عبادت اور مخلوق خدا کی خدمت کا عشق رکھتا ہو۔

نیکی اور حق پرستی کسی کی رشتہ داری پر موقوف نہیں حق پرستی۔ حق پرستی ہے جہاں کہیں بھی پائی جائے یعنی اگر پیغمبروں کے رشتہ دار نابکار ثابت ہوں تو وہ سزا باب ہوں۔ اور اگر فرعون ایسے دشمن خدا اور دشمن مخلوق کے رشتہ داروں میں نیکی موجود ہو تو ان کی قدر کی جائے۔ فرعون وہ شخص ہے جو مورد عذاب الہی ہوا اسکا مورد

عتاب ہونا ہی بتاتا ہے کہ اسکے اعتقادات اور اسکے اعمال خدا کو کس قدر ناپسند تھے - وہ شرک میں مبتلا تھا - اور اسمیں اسنے یہاں تک ترقی کی تھی جو آنا رَبُّکُمُ الْأَعْلَى کے اعلان میں نظر آتی ہے اور اسکے ظلم و تعدی کی کچھ انتہا نہ تھی اسکی بی بی کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ فرعون ایسے متمرد و سرکش انسان کی بی بی اپنے نظریات اور اپنے اعمال کی وجہ سے خدا کی نگاہ میں عزت کے قابل تھی - ان کا ذکر اور حضرت مریم کا ذکر اور حضرت نوح و لوط کی ازواج کا ذکر اکٹھا کر دیا ہے تا کہ اہل ذوق کی معرفت بڑھائی جائے - اور ان کو سکھایا جائے کہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھنے والوں کا سینہ بہت فراخ ہونا چاہئے - فرمایا

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا أَمْرَاتٌ نُوحٌ وَأَمْرَاتٌ لُوطٌ
 كَانَتَا تَحْتَ عَبْدِيْنَ مِنْ عَبَادِنَا صَالِحِيْنَ فَخَانَتَا هُمَا فَلَمْ يَغْنِيَا
 عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ
 وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ أَمْنُوا أَمْرَاتٌ فَرْعَوْنٌ اذْ قَالَتْ رَبِّ

ابن لِي عَنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجَّنِي مِنْ فَرْعَوْنَ وَعَمَلَهُ
 وَنَجَّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَسَرِيمٌ ابْنَتْ عُمَرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ
 فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا وَصَدَقَتْ بِكَامَاتِ رَبَّهَا وَكُتُبِهِ
 وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ -

(التحريم ۶۶ آیت ۱۰-۱۱-۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ان کیلئے جو کافر ہیں نوح کی عورت اور
 لوٹ کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ ہمارے بندوں میں سے
 دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں پھر انہوں نے ان کی
 خیانت کی پس وہ اللہ کے مقابلے میں ان دونوں کے کچھ
 کام نہ آئے اور کہا گیا کہ تم دونوں آگ میں داخل
 ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اور اللہ ان کیلئے
 جو ایمان لائے فرعون کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے
 جب اس نے کہا اے میرے رب میرے لئے اپنے پاس
 جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اسکے عمل سے
 نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے اور
 مریم عمران کی بیٹی کی جس نے اپنی عصمت کو محفوظ

کیا - تو ہم نے اپنی روح اسمیں پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور اسکی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی -

ان آیات سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ فرعون کی بی بی اپنے خاوند کے نظریات سے جو بادشاہ تھا اور اسکی طالمانہ زندگی سے بے زار تھیں اس لئے خدا نے اسکی قدر کی - اسکا ماحول نہایت قبیح تھا لیکن اس ماحول کی وجہ سے اسکی ذاتی نیکی کو رد نہیں کیا گیا - قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر اس بی بی کے عمل کا بھی ذکر کیا ہے جس سے اس بی بی کی بلندی، اخلاق کا پتہ چلتا ہے - ایک طرف فرعون جیسا جابر بادشاہ اور اسکے احکام کہ بنی اسرائیل کے گھر انوں کے بچوں کو قتل کر دیا جائے اور دوسری طرف اس عورت کی جوانمردی کہ وہ اس بات پر تل گئی کہ موسیٰ کو جو دریا میں بہتا ہوا پایا گیا موت سے بچانا ہے - موسیٰ کی مان بے قرار ہے اور اسکے اوسان خطاط ہو رہے ہیں - بچے کو دریا میں پھینکا تو کلیچے پر پتھر باندھ کر اور اس خیال سے ایسا کیا کہ شاید یہ طریقہ اختیار کرنے سے یہ بچہ ظالموں کے ہاتھوں

میں پڑنے سے بچ رہے اس بے قراری کا نقشہ
قرآن کریم نے کھینچا ہے اور یہ نقشہ کھینچنے سے
پیشتر تسلی دی ہے کہ ہم ستم رسیدہ لوگوں اور
ناتوان انسانوں پر اپنا فضل اتارنے کا ارادہ کرچکے ہیں۔
فرمایا

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعَفُوا فِي الْأَرْضِ
وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

(سورۃ القصص ۲۸ آیت ۵)

یعنی ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں
جو زمین میں کمزور کئے گئے تھے اور انہیں امام بنائیں
اور انہیں وارث بنائیں۔ اس سے خدا کی ہستی کا ثبوت
ملتا ہے اور یہی وہ ایمان ہے جو مصائب برداشت کرنے
کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ فرمایا

وَنُمَكِّنُ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ
وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ وَأَوحَيْنَا إِلَى

أَمْ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَبَذَا خَفَتْ عَلَيْهِ قَالُقِيهِ
فِي السَّيْمِ وَلَا تَخَافِ وَلَا تَحْزَنِ إِنَّا رَادُوهُ إِلَيْكِ وَ
جَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ○ فَالْتَّقَطَهُ إِلَى فِرْعَوْنَ
لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوا وَ حَزَنَ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ
وَ جُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ○ وَقَالَتْ امْرَاتُ فِرْعَوْنَ
قَرَتْ عَيْنِي وَ لَكَ لَا تَقْتُلُهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا
أَوْ نَتَخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ وَاصْبَحَ فُؤَادُ أَمْ مُوسَى
فَارِغًا إِنْ كَادَتْ لَتُبَدِّي بِهِ لَوْلَا إِنْ رَبَطَنَا عَلَى قَلْبِهَا
لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَقَالَتْ لَا خَشِهُ قُصْبِيَهُ فَبَصَرَتْ
بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ وَحَرَمَنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ
إِنْ قَبْلَ فَبَقَالَتْ هَلْ أَدْلُوكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ

وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ○ فَرَدَنَهُ إِلَى أُمَّةٍ كَيْ تَقْرَءُ عَيْنِهَا وَلَا تَحْزَنَ

وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○

(القصص ۲۸ آیت ۱۳-۱۴)

یعنی تا ہم انہیں زمین میں طاقت دیں اور فرعون و هامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے ۔ اور موسیٰ کی مان کو ہم نے وحی کی کہ اسے دودھ پلا پھر جب اسکے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ہم اسے تیری طرف واپس لاٹینگے اور اسے مرسلوں میں سے بنائیں گے پس فرعون کے لوگوں نے اسے اٹھا لیا تا کہ وہ انکے لئے دشمن اور (موجب) غم ہو فرعون اور هامان اور ان کے لشکر بلا شبہ خطا کار تھے اور فرعون کی عورت نے کہا میرے لئے اور تیرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو ۔ شاید وہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ نہیں جانتے تھے اور موسیٰ کی مان کا دل خالی ہو گیا قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم اسکے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تا کہ

مومنوں میں سے ہو اور موسیٰ کی ماں نے اسکی بہن سے کہا
 اسکے پیچھے پیچھے جا۔ سو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی
 اور انہوں نے معلوم نہ کیا اور ہم نے اسے پہلے سے
 دودھ پینے سے روک دیا۔ سو اس نے کہا کیا میں تمہیں
 ایسے گھر والے بتاؤں جو اُسے تمہارے لئے پالیں اور اسکے
 خیر خواہ ہوں۔ سو ہم نے اُسے اسکی ماں کی طرف واپس کر دیا
 تاکہ اسکی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے۔

ان آیات میں یہ دکھانا منظور ہے کہ خدا ہے اور وہ
 ناتوانوں کو ظالموں کے ہاتھوں سے بچاتا ہے فرعون کی
 سلطنت میں ایک غریب بنی اسرائیل کی عورت کے ہان
 بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اُس وقت جبکہ ماں کا دل جذبہ
 محبت سے لبریز تھا اسکی زندگی معرض خطر میں نظر آتی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی اور کہا
 خوف کی وجہ سے بچے کی رضاعت میں فرق نہ آئے دو۔
 اور جب خطرہ سر پر آ کھڑا ہو تو اس بچے کو صندوق
 میں رکھکر دریا میں پھینکدو۔ قدرتی طور پر ماں کو
 یہ خطرہ لاحق ہو گا کہ دریا میں بچہ غرق ہو جائیگا۔ فرمایا
 ”لَا تَخَافِ“ اور جدائی کا حزن لاحق ہو گا فرمایا ”لَا تَحْزِنِ“

اسکے بعد یہ خوشخبری دی ”اَنَّا رَادُوهُ الْيَك“ کہ یہ
 بچہ واپس تمہارے پاس آ جائیگا اور مرسل ہو گا ۔ جب
 مان نے خدا کے حکم سے بچہ کو دریا کے سپرد کر دیا
 تو فطری طور پر خوف و حزن کے امواج میں غرق ہو گئی
 اور جب یہ سنا کہ جس مصیبت کو ٹالنے کیلئے بچہ کو
 دریا کے سپرد کیا تھا اسی مصیبت میں بچہ گرفتار ہو گیا ہے
 تو اسکا دل بے حد بے قرار ہو گیا ۔ ادھر خدا نے فرعون کی
 بی بی کے دل میں بے قراری پیدا کر دی اور وہ اسکے
 بچانے کیلئے سارے احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ
 ہو گئی اور اس نے اعلان کر دیا ”قُرْتُ عَيْنَ لَيِّ“ محل میں
 یہ بات مشہور ہو گئی ۔ کہ ملکہ اس بچے پر دل و جان سے
 قربان ہے اور اس نے فرعون کو مخاطب ہو کر کہا یہ بچہ
 جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے ضرور ہے کہ
 آپ کی آنکھ کیلئے بھی مسرت کا باعث ہو گا ۔ اور بڑی
 ہمت اور شان کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکام کو مخاطب
 کر کے کہا ”لَا تَقْتُلُوهُ“ ہم حکم دیتے ہیں کہ اس بچے کو
 قتل نہ کیا جائے ۔ ادھر مان کا دل سخت ہراساں و بے قرار ہے

وہ اپنی بیٹی کو کہتی ہے کہ ویر * کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دور سے نظر پا کر دیکھتی رہو کہ کیا صورت حال ہے وہ کیا دیکھتی ہے محل میں شور ہے کہ ملکہ کا پیارا بچہ مرا جا رہا ہے کیونکہ وہ دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ کی ماں کی جگہ خدا نے فرعون کی بی بی کو عجب مامتا عطا کر دی وہ فکر مند ہے اُسکی فکر دور کرنے کیلئے اور اسکی نگاہ میں وفادار ثابت ہونے کیلئے تمام اُمراء کی بیان جنکے ہاں دودھ پیتے بچے ہیں اپنا دودھ پیش کرتی ہیں تاکہ ملکہ کا محبوب بچہ بچ جائے۔ ”وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ“

یہ بچہ جب اپنا ہاتھ اور منہ کسی امیرزادی کی چھاتی کے پاس لے جاتا تو اس کو معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ میری امام نہیں ہے اسلئے وہ اپنا منہ اس سے ہٹا لیتا کئی ایک خواتین کے ساتھ جب یہ معاملہ ہوا تو ملکہ مصر مغموم و محزون ہو گئی۔ موسیٰ کی بہن بھی اندر جا پہنچی اس نے موقعہ تاڑ کر مشورہ دیا کہ میں ایسی دودھ پلانے والی

* حضرت موسیٰ کی والدہ کا کلام اس طرح نہیں ادا کیا گیا ”قَاتَ لَا بُنْتَهَا“ بلکہ یوں ادا کیا گیا قَاتَ لُؤْخَتِهِ جسمیں بہن کے اس جذبہ محبت کا ادا کرنا مقصود تھا جو بہن کے دل میں صیبیت زدہ ویر کے لئے ہوتا ہے۔

لا سکتی ہوں جو نہایت موزوں اور نہایت خیر خواہ ثابت ہوگی ایسے نازک موقعہ پر ہر مشورہ قابل قبول ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ کی مان کو بلاپا گیا لہو بھئے نے فوراً دودھ پینا قبول کر لیا ۔ محل میں خوشی کا سہاں پیدا ہو گیا موسیٰ کی مان کو با برکت سمجھا گیا اور اس کو انعام و اکرام کے علاوہ محل میں جگہ مل گئی ۔ ”فرَدَنَاهُ إِلَى أُمَّهٖ“ کی خوشخبری پوری ہوئی اور فرعون جو موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا تھا موسیٰ کا خادم بنا دیا گیا ۔ بنی اسرائیل کا ماحول غلامی کا تھا موسیٰ کو اس ماحول سے نکال کر فرعون کے محل میں رکھ دیا تاکہ شاہانہ ماحول میں پرورش ہو ۔

فرعون کی بی بی کا یہ کارنامہ اسکے بلند کردار اور اسکے اخلاق حمیدہ اور اسکی ہمت کا آئینہ دار ہے خدا فرماتا ہے کہ فرعون کی بی بی فرعون کے اعمال سے بیزار تھی اسلئے ہم جو حقیقت شناس اور حقیقت کے قدردان ہیں ہم نے فرعون کی بی بی کے درجات بلند کئے اور اسی طرح صریم جس پر یہودی ہزار اعتراض کرتے تھے اسکی نیکی کی قدو کی ۔ الغرض قرآن کریم حق پرستی کی روح پیدا کرنے میں کامیاب رہا یہ تعلیم دلوں کے اندر گھر کر لینے میں

کیوں کامیاب نہ ہو اور کیوں نہ یہ تعلیم تعصبات کو ختم کر دے عیسائی اس قرآن کے برخلاف پر اپا گندा کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اپنی کتب سے اس قسم کی تعلیم ہرگز ہرگز نہیں دکھا سکتا۔ جس میں عربوں کے مددوں اور عورتوں کی نیکی کی قدر و منزلت کا ذکر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ میں حقیقی Chivalry بڑے پیمانے پر موجود ہے۔

حق پرستی کی روح

قرآن کریم اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ حق و حکمت کی بات جہاں کہیں بھی ملتی ہو اسکا اعتراف کرنا از بھن ضروری ہے۔ اس اصول کی تعلیم ذیل کی آیات میں دی گئی ہے فرمایا

إِنَّا أَنزَلْنَا التُّورَةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ (المائدہ ۵۰ آیت ۲۳)

وَقَفَيْنَا عَلَىٰ أَثَارِهِمْ بِعِيسَىٰ أَبْنِ مُحَمَّدٍ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرَةِ وَأَتَيْنَاهُ الْأَنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَ نُورٌ (المائدہ ۵۱ آیت ۲۴)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

بِأَذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرة ۹۷ آیت ۹۷)

وَأَنْزَلْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ

(المائدہ ۵ آیت ۳۸) وَ مَهِيمِنًا عَلَيْهِ

یعنی توراۃ و انجیل دونوں میں صحیح راہنمائی کی تعلیمات
ہیں اور دونوں میں ایمان کی روشنی موجود ہے اور قرآن کریم
جو حق و حکمت کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ پر اتارا گیا
ہے ان کتب سماوی کے برق ہونے کی گواہی دیتا ہے اور
وہ ان تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے جو ان آسمانی کتابوں میں دی
گئی تھیں - یعنی ان کی درست باتوں کو درست کہتا ہے اور
جو حصے ان کے علماء نے ان کے اندر ملا دئے ہیں ان کو غلط
قرار دیتا ہے اور یہی مہیمن کے معنی ہیں کہ وہ ان کتابوں
کی حفاظت کرتا ہے -

اور فرمایا

لَيُسْوَافَاءُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْهُمْ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَلَوَّنُ

أَيْتَ اللَّهَ أَنَّاءَ الْيَلِ وَ هُمْ يَسْجُدُونَ ○ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ
 الْآخِرِ وَ يَا مُرْوَنَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُونَ
 فِي الْخَيْرَاتِ وَ أُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ وَ مَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
 فَلَنْ يُكَفِّرُوهُ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَقِينَ ○

(آل عمران ۳ آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴)

فرمایا ہر قوم میں خدا خوف اور نیک عمل لوگ موجود ہیں۔

یہ نظریات دل کی تنگیاں دور کرتے ہیں اور اس سے
 مذہبی تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔ ان نظریات کو دل میں جگہ
 دینی چاہئے اور غیر قوموں کے لئے احترام ملحوظ ہونا چاہئے۔
 تعصبات کو دل میں جگہ دیکر اپنے ایمان اور اخلاق کو برباد
 نہ کرنا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ آیۃ کریمہ بھی یاد
 رکھنی چاہئے فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِرِينَ مِنْ أَمْنٍ بِاللَّهِ
وَالسَّيْمَ الْآخِرِ وَعَمَلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرٌ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○
(البقرہ ۲ آیت ۶۶)

یعنی مسلمان ہوں یا یہودی ، نصاری ہوں یا صابی کسی کی
خدا خوف اور نیک عمل کی زندگی ضائع نہ ہوگی ۔

اسی طرح ایک اور آیت ہے جو قابل غور اور قابل قدر
ہے ۔ فرمایا

لَيْسَ بِأَمَانِيْكُمْ وَلَا أَمَانِيْ أَهْلِ الْكِتَبِ مِنْ يَعْمَلُ سُوءً يَجِزِّبُهُ . . .
وَمَنْ يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
(النساء ۱۲۳، آیت ۱۲۳)

یعنی نجات نہ تو مسلمان کی آرزو کے مطابق مل سکتی ہے اور نہ
ہی اهل کتاب کی خواہش کے مطابق ۔ اسکے لئے ایک عام قانون
ہے اور وہ تمام قوموں کیلئے ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص
کو اسکی برائی کی سزا ملیگی اور ہر شخص کو اسکے نیک عمل
کا اجر ملیگا ۔ ایک اور آیت میں فرمایا

وَ مِنْ قَوْمٍ مُّوسَىٰ أُمَّةٌ يَهُدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِهِ يَعْدُلُونَ

(الاعراف ۱۰۹ آیت)

یعنی موسیٰ کی قوم میں حق پرست اور حق کی تعلیم دینے والے اور عدل و انصاف سے کام لینے والے لوگ موجود ہیں۔ اسی مضمون کی ایک اور آیت ہے جو ایک ایک قوم کا ذکر کرنے کی بجائے یہ اعلان کرتی ہے کہ نہ صرف یہودیوں میں نیک کردار لوگ ہیں اور نہ صرف عیسائیوں میں نیک دل لوگ موجود ہیں بلکہ ساری انسانیت میں ہر جگہ اور ہر قوم کے اندر نیک کردار اور حق پرست اور منصف مزاج لوگ موجود ہیں چنانچہ فرمایا

وَ مِنْ خَلْقَنَا أُمَّةٌ يَهُدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِهِ يَعْدُلُونَ

(الاعراف ۱۸۱ آیت)

یعنی جنکو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک گروہ ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور اسکے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ یعنی تمام انسانیت میں حق پرست اور عدل پسند انسان موجود ہیں۔

یہ آیات بڑی وضاحت کے ساتھ اور بڑی تفصیل کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم عالم گیر تعلیمات کا حامل

ہے اور اس بات کا معترف ہے کہ تمام کی تمام انسانیت میں اہل حق اور اہل دل لوگ پائے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم نے یہ قیمتی اصول بیان کر کے انسانیت پر بڑا احسان کیا ہے اور یہ امر اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے ۔

حضرت نبی کریم ﷺ پر یہ آیات یہ بنات اتریں اور انہوں نے ہر موقعہ پر ان آیات پر ایمان رکھنے اور ان پر عمل کرنے کا ثبوت دیا ۔ حکیم بن حزام جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے جو نیکیاں اور خیرات اسلام قبول کرنے سے پہلے کیں کیا وہ ضائع ہو گئیں؟ اسپر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

اَسْلَمْتَ عَلَىٰ مَا اَسْلَفْتَ

تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق تمہاری نیکیوں کی وجہ سے نصیب ہوئی ۔ یعنی نیکیاں کسی شخص کی بھی ضائع نہیں ہوتیں اور فرمایا

خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهْلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ

یعنی وہ لوگ جو جاہلیت کے زمانہ میں برگزیدہ ہوں وہی اسلام میں بھی برگزیدہ ہونگے ۔ اسی طرح سے

جب ایک غیر مسلم وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی نسبت ایک عجیب اور اہم امر کا اظہار فرمایا ان کے نظریات کو ابنياء کے نظریات قرار دیا۔ حضرت رسول کریم ﷺ کا قلب مبارک کھال کا حق پرست واقع ہوا ہے۔ وہ تمام قسم کے تعصبات سے پاک ہے اس قلب میں خود خدا جو رب العالمین ہے اترًا ہوا نظر آتا ہے خدا کا یہ برگزیدہ رسول جس پر پورے طور پر الحمد لله رب العالمین کی معرفت وارد ہے اور جسکی وسعت قلبی لا انتہا ہے غیر مسلم وفد کی انتہائی تعریف میں رطب اللسان ہے اسی غیر مسلم وفد کا ذکر زرقانی میں اس طرح مندرج ہے۔

حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ وَفَدَتْ سَابِعَ سَبْعَةِ مِنْ قَوْمِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ فَلَمَّا دَخَلْنَا وَكَلَّمْنَا أَعْجَبَهُ مَارَأَيْ سَمْتَنَا (أَيْ سَكِينُهُمْ وَوَقَارُهُمْ) وَزَيْنَا فَقَالَ مَا وَصَفْكُمْ قُلْنَا

خَمْسَةٌ تَخْلَقُنَا بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

یعنی علقمه کہتے ہیں میرے والد نے میرے دادا سے روایت کی کہ جب میری قوم کا وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں وفد کے سات آدمیوں میں ساتواں تھا جب حضور کی خدمت میں ہم حاضر ہوئے اور حضور سے کلام کرنے کا موقعہ ملا تو حضور ہمارے وقار اور سکیت

اور ہیئت وغیرہ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا
ما وصفکم تم اپنا حال بیان کرو تو ہم نے اپنے حالات بیان
کئے اور کہا

خَمْسَةٌ تَخْلَقُنَا بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

تو حضور نے پوچھا

وَمَا الْخَمْسُ الَّتِي تَخْلَقُتُمْ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ

یعنی وہ اوصاف خمسہ کون سے ہیں جن سے تم نے اپنے
تین جاہلیت کے زمانے میں تخلق کر رکھا تھا - تو ہم
نے عرض کیا -

(۱) أَشْكُرُ عِنْدَ الرَّحَاءِ آسُودَى کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے
احسانات کا شکر بجا لانا

(۲) وَالصَّابِرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ مصیبتوں میں جزع فزع نہ کرنا بلکہ
صبر سے کام لینا -

(۳) وَالرَّاضِى بِمَا الْقَضَى، یعنی قضاء قدر کے مقضا سے جو حالات
پیدا ہوں ان پر رضا ظاہر کرنا یعنی ان کو خدا
کی طرف سے یقین کر کے سر تسلیم خم کرنا اور باطن
میں ان پر اطمینان محسوس کرنا -

(۴) وَالصَّدِيقُ عِنْدَ اللِّقَاءِ دوران جنگ میں دشمنی کے مقابلہ
پر ثبات قدم د کھانا

(۵) وَ تَرْكُ الشَّمَاتَةَ بِالْأَعْدَاءِ دشمن پر مصیبت آئے تو اس پو خوش نہ ہونا ۔

اس پر حضور نے فرمایا

وَ كَمَاءُ عُلَمَاءِ كَادُوا مِنْ فَقْهِهِمْ أَنْ يَكُونُوا أَنْبِيَاءً

یعنی یہ صفات جو تم نے بیان کی ہیں ۔ یہ تو انبیاء کی صفات میں سے ہیں

(زرقانی شرح مواهب المدنیہ جلد چہارم صفحہ ۲۷۶)

یہ ہے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی تصویر ۔ جس مجھے بھی حق پایا اسکا اعتراف کیا ۔ غور کیجئے کیسے خوبصورت تندار سے ان کی خوبی کا اعتراف فرمایا اس سے غیر مسلموں کو فریقتہ کر لیا ۔ جاہلیہ کے زمانہ میں ان لوگوں نے ان اخلاق حمیدہ سے اپنی سیرت کو مزین کر رکھا تھا ۔

إِنْهُمْ قَدْ تَخَلَّقُوا بِالْخُلُاقِ الْأَنْبِيَاءِ

ایک اور وفڈ آیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لئے سنا ہے

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا هُجْرَةَ لَهُ

یعنی جس نے ہجرت نہ کی ہو وہ ایماندار نہیں ہوتا تو فرمایا
اتَّقُوا اللَّهَ حِيثُماً كُنْتُمْ فلن یَلْتَکُم مِنْ أَعْمَالَكُمْ شَيْئًا

یعنی تم جس جگہ پر بھی ہو خوف خدا سے زندگی بسر کرو تو تمہارے اعمال کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں ہو سکتی - حضور کے نظریات کسقدر معقول اور کسقدر عالمگیر وسعت کے حامل ہیں اور فرمایا

اَنَّ اَوَّلَ النَّاسِ بِالْمُتَقُوْنَ مِنْ كَانُوا حِيْثُ كَانُوا

یعنی مجھ سے قریب ترین وہ لوگ ہیں جو خدا خوف ہوں وہ کسی قوم کے ہوں اور کسی وطن میں رہتے ہوں -

ایک اور وفد آیا وہ لوگ نماز جنازہ میں شامل نہ ہوئے بلکہ علیحدہ ہو کر کھڑے ہو گئے حضور جب نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا تم نماز میں کیوں شامل نہ ہوئے انہوں نے عرض کیا ابھی تک تو ہم نے حضور کے ہاتھ پر اسلام میں داخل ہونے کی بیعت نہیں کی ہماری نماز میں شمولیت کیسی فرمایا

أَيْنَمَا أَسْلَمْتُمْ فَإِنَّمَا مُسْلِمُونَ

یعنی جہاں اور جب تم نے اسلام کی حقیقت کو تسلیم کر لیا وہیں اور اسی وقت تم مسلمان ہو گئے - اسلام میں داخل ہونا کسی رسم و رسوم کے ادا کرنے کا محتاج نہیں ہے - ان امور کے مطالعہ سے جہاں حقیقت پرستی اور حق پرستی کا کمال نظر آتا ہے وہاں پر یہ بھی بقین ہو جاتا ہے کہ

لسلام ماؤرن ہے اور ضرور ہے کہ اہل علم اسکو قبول کریں
کیونکہ یہ دین ان کے اطمینان قلب کا موجب ہو گا۔
یہاں پر ایک واقعہ جو مجھے پیش آیا۔ اسکا ذکر
کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ایک دفعہ لنڈن کے ایک
گرجے سے میرے نام دعوت آئی کہ وہاں پر رات کے وقت
اسلام پر لیکچر دوں چنانچہ میں مقررہ شب کو وہاں پہنچا
اور اسلام کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا جس سے حاضرین
بہت متاثر ہوئے۔ اور ان کے پریزدیڈنٹ نے میرے لیکچر
کے اختتام پر اسلام کے محسن کے متعلق پُر جوش تقریر کی
اور کہا کہ ہمارے بے شمار ظنون آج غلط ثابت ہوئے
اسلام کی معقول اور روشن تعلیمات کے مقابل پر ہم جاہل نظر
آتے ہیں اور لیکچر سنتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تعلیمات
آج ہم پر آسان سے نازل ہو رہی تھی اور ہم پر وجود طاری تھا
پریزدیڈنٹ کی تقریر کے خاتمه پر قریباً تمام کے تمام حاضرین مجلس
نے آ کر نہایت تپاک سے میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ گرجے سے
رخصت ہو کر میں واٹرلو سٹیشن پر آیا اور گاڑی پر سوار ہو کر
واپس ووکنگ پہنچا۔ دوسرے دن کی ڈاک میں صبح کے وقت
اسی پریزدیڈنٹ کی جانب سے خط موصول ہوا جسمیں انہوں نے
لکھا تھا کہ میں رات مسلمان ہو چکا تھا اور بھیت ایک مسلمان کے

آپ کی تقریر پر تبصرہ کر رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اسی وقت آپ سے درخواست کروں کہ مجھے اسلام میں داخل کریں لیکن خائف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر معمولی اور غیر مانوس رسومات سے دو چار ہونا پڑے اور مجھ سے کہیں مضبوکہ خیز حرکات نہ سرزد ہو جائیں اس وجہ سے میں اسوقت اظہار اسلام سے رک گیا۔ اب بذریعہ خط استفسار کرتا ہوں کہ اسلام میں داخل ہونے کا طریق کیا ہے اور کب اور کہاں یہ رسم ادا ہوگی میں نے ان کو جواباً لکھا کہ اسلام میں قطعاً کوئی رسومات نہیں ہیں آپ اس وقت سے مسلمان ہیں جس وقت سے خدا نے آپ پر انکشاف کیا کہ اسلام بربحی ہے۔ اسلام میں پنڈت اور پروفہت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ هر انسان براہ راست اپنے خدا سے مخاطب ہو سکتا ہے اور دعا مانگ سکتا ہے آپ خدا کے نزدیک یقیناً مسلمان ہیں اور آپ کو کسی قسم کی رسم ادا کرنے کی حاجت نہیں ہے ہار مسلمان برادری سے تعارف کرانے کا کوئی طریق ضرور اختیار کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اتوار کے دن آپ مسجد ووکنگ میں آجائیں اور وہاں پر مسلمانوں کی جماعت کے سامنے اپنے ماف الضمیر کا اظہار کریں اور کلمہ شہادت پڑھیں تا کہ مسلمان برادری آپ کو مسلمان سمجھو سکے ورنہ خدا کے نزدیک آپ حتی طور پر مسلمان ہیں۔

چنانچہ وہ اتوار کے دن آئے اور اپنی سیکرٹری لیڈی کو بھی ساتھ لے آئے دونوں نے میرے لیکچر کے بعد جو حسب معمول اتوار کے دن مسجد میں دیا جاتا تھا اپنے اسلام قبول کرنے کی داستان سنائی اور کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ واقعہ حاضرین کیلئے موجب عرفان اور موجب مسرت ہوا۔

کچھ اور سنئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا

النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسْقُونَ ○

ثُمَّ قَفَيْنَا عَلَى أَشَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَيْنَا بِعِيسَى ابْنِ

مُرِيْمٍ وَاتَّيْنَاهُ الْأَنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

رَافَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً إِنَّا بَتَدْعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

الْأَبْتِغَاءِ رَضْوَانَ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاتَّيْنَا

الَّذِينَ اسْنَوْ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسْقُونَ ○

ان آیات میں اس بات کا اعتراف و اظہار ہے کہ حضرت نوح^۳
اور حضرت ابراہیم^۳ اور ان کی اولاد کو نبوت دی گئی تھی
اور ان کو کتاب یعنی احکام الٰہی بھی عطا کئے گئے تھے ان میں
سے وہ بھی ہوئے جو راہ راست پر چلنے والے نکلے لیکن اکثر ان کے
نافرمان ثابت ہوئے ان کے بعد پے درپے انبیاء بھی مبعوث کئے
گئے اور ان میں ایک حضرت عیسیٰ^۳ بھی تھے اور ان کو انجیل
عطا کی گئی اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ^۳ کی اتباع کی ان
کے دلوں میں رافہ و رحمة بھر دی گئی - رہا رہبانیہ کا معاملہ تو
انجیل یعنی خدا کی کتاب میں تو ایسا کوئی حکم نہ تھا - انہوں
نے خود رضاۓ الٰہی کے حصول کیلئے اس راستے کو نکلا تھا
لیکن بعد میں اس طریق کی وہ پوری پوری رعایت نہ کرسکے
یعنی افراط و تفریط کر کے حدود سے تجاوز کر گئے - ہم نے
ان لوگوں کو جو ایماندار تھے - اجر عطا کیا لیکن ان کے
اکثر نافرمان ثابت ہوئے -

یہ عیسائیوں کی بے حد تعریف ہے اور ان کی رہبانیت کے
متعلق دونوں باتیں بیان کر دی ہیں کہ تارک الدنیا ہونا خدا
کی جانب سے تعلیم نہیں ہاں انہوں نے رضاۓ الٰہی کے حصول کیلئے
خود ہی اس کو اختیار کیا تھا - لیکن وہ صحیح طریق پر اس کو
نہ چلا سکے ان میں ایماندار لوگ بھی تھے جنکا اجر ضائع نہ ہوا

لیکن ان کے اکثر تو نافرمان ثابت ہوئے۔ اسکو کہتے ہیں حق پرستی اور اسکو کہتے ہیں مخالف کی حق بات کی تعریف کرنا اور یہ ہے مخالف کو اس کی غلط بات پر مطلع کرنے کا طریق۔ کیا یہ طریق کمہیں توراۃ یا انجیل میں ملتا ہے؟

پیغمبروں پر بائبل کے اتهامات اور قرآن کریم کی طرف سے بریت اور حمایت

حضرت رسول کریم ﷺ نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ تمام قوموں کے انبیاء کو تسلیم کرنا جزو ایمان قرار دیا اور اس طرح سے مختلف قوموں کے اندر رابطہ و اتحاد قائم کیا بلکہ وہ دوسری قوموں کے ہر اس پیغمبر کی حمایت کے لئے کمربستہ کھڑے ہو جاتے ہیں جس پر اعتراضات ہوئے مثلاً انہوں نے حضرت عیسیٰ کی سب سے زیادہ حمایت کی ہے اور ان کے حق میں نہایت عمدہ تعریفی کلمات استعمال کئے ہیں یہ اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ مظلوم ہیں۔ اور اسی طرح حضرت مسیم صدیقہ کی حمایت کی ہے اور ان کو راستباز اور عفت مآب ثابت کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان پر بھی نہایت ناپاک اعتراضات کئے گئے عیسائی قوم کے لئے واجب تھا کہ وہ ایسے محسن پیغمبر کے مر ہون منت ہوتے لیکن انہوں نے احسان کا بدلہ ظلم سے دیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ پر نہایت ہی جھوٹے و بے

بنیاد اعتراضات کئے ہیں اب یورپ کے لوگ شرمندہ ہو رہے ہیں کہ وہ اہل علم کے سامنے کس طرح منہ دکھائیں جبکہ یہ اعتراضات تحقیقات کرنے پر بالکل بے بنیاد ثابت ہو رہے ہیں۔ اعتراضات صرف حضرت عیسیٰ اور حضرت مسیم پر ہی نہیں ہوئے بلکہ دوسرے پیغمبروں پر بھی اعتراضات کئے گئے ہیں قرآن کریم نے بعض پیغمبروں کے نام لے کر ان کی بریت کی ہے اور عام طور پر بیان کیا ہے کہ پیغمبر پاک طینت ہوتے ہیں ان کی سرشت میں گناہ کی آمیزش نہیں ہوتی اس لئے ان پر اعتراض کرنا نہایت نواجبو ہے۔ برخلاف اس کے بائیبل نے بعض پیغمبروں کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ بد کاری کے مرتكب ہوئے اور بعض نے توحید کا سبق دیتے دیتے خود بت پرستی اختیار کی اور خدا سے منحرف ہوئے اور بعض پیغمبروں نے مصیبت سے بچنے کے لئے جھوٹ سے کام لیا۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ تِلْكَ الْهَفْوَاتِ -

بائیبل نے اس قسم کے جو افعال شنیحہ پیغمبروں کی طرف منسوب کئے ہیں ان کا مختصر بیان یہاں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت سلیمان کی نسبت اسلامیین باب ۱۱ آیت ۳۴ میں یہ بات درج ہے۔

”جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اسکی جوروں نے اسکے دل کو

غیر معبودوں کی طرف مائل کیا اور اس کا دل خداوند اپنے
خدا کی طرف مائل نہ رہا۔“
دیکھئے بائیبل کس طرح خدا کے پاک بندے سلیمان کو بے ایمان
کہتی ہے

إِنَّا لِهُ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اسکے بال مقابل قرآن کریم فرماتا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ - یعنی
حضرت سلیمان سے کوئی کفر کی بات سرزد نہیں ہوئی اور فرمایا -
وَوَهَبْنَا لِدَاؤِدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ أَنَّهُ أَوَّابٌ
یعنی ہم نے داؤد کو سلیمان (بیٹا) عطا کیا جو نہایت
فرمانبردار بندہ تھا اور ہماری طرف جھکا رہتا تھا۔ بائیبل نے
تو نہایت ہی ناپاک الزام حضرت سلیمان کی طرف منسوب کیا
لیکن رسول کریم ﷺ نے ان کی بریت کی ہے کیا قرآن کریم اس
بائیبل سے پیغمبروں کے قصص مستعار لے سکتا ہے جو خدا کے
فرستادوں پر ناپاک اتهام لگاتی ہے۔

اسی طرح حضرت لوٹؑ کی نسبت پیدائش باب ۹، آیت ۱۳ تا ۲۴
میں نہایت ہی ناپاک بات لکھی ہے ”حضرت کی پلوٹھی بیٹی
نے چھوٹی سے کہا کہ ہمرا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد
نہیں جو تمام جہاں کے دستور کے موافق ہارے پاس آئے۔ آؤ ہم

اپنے باپ کو شراب پلائیں اور ایسا کریں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں - سو انہوں نے اس رات اپنے باپ کو شراب پلائی اور پلوٹھی اندر گئی اور دوسرے روز پلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ کل رات میں نے اپنے باپ سے آج رات بھی اس کو شراب پلائی اور تو بھی جاکے اس سے کہ اپنے باپ کی نسل باقی رکھیں سو اس رات کو بھی انہوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی اور چھوٹی بھی باپ کے پاس اندر گئی" -

اَنَّا لِهُ وَانَا لَهُ رَاجِعُونَ

یہ کس قدر ناپاک اتھم ہے جو ایک نبی پر باندھا گیا ہے کیا یہ ہے وہ کتاب جس کو خدا کا کلام کہا جاتا ہے - اس کتاب میں تو جھوٹے افسانے لکھے گئے ہیں اور خدا کے پاک پیغمبروں کے برخلاف بہتان تراشے گئے ہیں -

اسی طرح پیدائش باب ۷ میں لکھا ہے "اسحاق کے دو بیٹے تھے عیسوٰ جو پلوٹھا تھا اور یعقوب اس سے چھوڑا تھا اسحاق بوڑھے ہو گئے اور ان کی آنکھیں بند ہو گئیں انہوں نے عیسوٰ کو بلا یا کہ وہ شکار کر کے لائے تا اسے برکت بخسیں - ربقد یعقوب سے پیار کرتی تھی اس نے عیسوٰ کی جگہ یعقوب کو پیش کر دیا اور اسکی گردن اور ہاتھوں پر بھیڑ کی کھال باندھ دی تاکہ

عیسو کی طرح بال معلوم ہوں۔ اس طرح دھوکے سے یعقوب نے اپنے باپ سے برکت حاصل کر لی۔ عیسو اپنے باپ کی باتیں سنتے ہوئے شدت سے چلا چلا کر اور پھوٹ پھوٹ کر رویا لوز اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ مجھے ہاں مجھے بھی برکت دے وہ بولا تیرا بھائی دغا سے آیا اور تیری برکت لے گیا،“ - غور کیجئے اس جھوٹی کہانی میں کتنی قابل اعتراض باتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

پھر پیدائش باب ۹ آیت ۱۱ تا ۹ میں لکھا ہے ”یعقوب را خل پر عاشق تھا را خل ان کی ماموں زاد ہن تھی یعقوب نے را خل کو چوما اور اسکے باپ سے کہا کہ میں تیری چھوٹی بیٹی را خل کیلئے سات برس تک تیری خدمت کروں گا سات برس کے بعد لابن سے کہا میری جورو مجھے دیجئے لابن نے سارے لوگوں کی ضیافت کی اور شام کے وقت یوں ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی لیاہ کو اس کے پاس بھیج دیا۔ اور ایسا ہوا کہ جب صبح ہوئی تو یعقوب کیا دیکھتا ہے کہ لیاہ ہے تب اسنے لابن سے کہا کہ یہ کیا ہے جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ کیا میں نے را خل کیلئے تیری خدمت نہیں کی پر تو نے کس لئے مجھ سے دغا کھیلا۔ لابن نے کہا میرے ملک میں یہ دستور نہیں کہ چھوٹی کو پلوٹھی سے پہلے بیاہ دیں لابن نے کہا اسکے ساتھ

ایک هفتہ پورا کر پھر دوسری بھی بیاہ دینگے تب اس نے اپنی بیٹی کو اسی سے بیاہ دیا،“

یہ ہے بائیبل مقدس اور یہ ہیں اسکی تعلیمات جن پر انسان ہزار نفرین کئے بغیر نہیں رہ سکتا پھر عیسائی کس منہ سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس کتاب کی تعلیمات اور قصص کا سرچہ کر لیا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور بے ہودہ قصہ پیدائش باب ۰ ۳ آیت ۲ تا ۱۰ میں یعقوب اور اسکی بیوی اور اسکی بیوی کی لونڈیوں کے متعلق بھی مندرج ہے۔ حضرت ابراہیم^۳ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ انہوں نے شاہ مصر کے سامنے اپنے بیان میں جہوٹ سے کام لیا۔ لیکن قرآن کریم ان کو خدا کا برگزیدہ نبی قرار دیتا ہے اور زیر بحث جہوٹ بولنے کے قصہ کو ان الفاظ میں رد کرتا ہے

(سورہ مریم ۱۹ آیت ۲۱) اَنَّهُ كَانَ صَدِيقًا نَّبِيًّا

(سورہ النساء ۱۲۵ آیت ۱۲) وَاتَّخَذَ اللَّهَ أَبْرَاهِيمَ خَلِيلًا
اور پھر فرمایا

(سورہ الصُّفَّةٌ ۲۸ آیت ۲۷) وَتَرَكَنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ
یعنی بعد میں آنے والے لوگوں میں ہم نے ان کا ذکر خیر شائع کیا۔

پھر حضرت موسیٰ[ؑ] پر بھی ایک گھناؤنا الزام لگایا ہے :-
 باہل کتاب گنتی باب ۱۲، آیت ۱، میں لکھا ہے حضرت موسیٰ
 کی ہن نے ان پر کوشی بی بی کے متعلق الزام لگایا تھا۔ اللہ تعالیٰ
 اس کے متعلق فرماتا ہے -

يَا يَهُا الَّذِينَ أَمْنَوْا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذْوَأْ مُوسَىٰ فَبَرَاهُ اللَّهُ
 مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا (سورة الاحزاب ۳۹ آیت ۶۹)
 یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو
 جنہوں نے موسیٰ کو ایدا دی سو اللہ نے اسے اس سے بری کیا
 جو وہ کہتے تھے - اور وہ اللہ کے نزدیک مرتبیہ والا تھا -
 اس طرح سے قرآن کریم نے حضرت موسیٰ[ؑ] کی بھی بریت کا
 اعلان کیا ہے -

توراہ پیدائش باب ۳۸ میں یہودا کے متعلق لکھا ہے ”کہ
 یہودا کے بڑے بیٹے عسر کی شادی تم سے ہوئی شادی کے بعد
 عروفات پا گیا ، تب یہودا نے دوسرے بیٹے اونن سے کہا کہ
 تو اپنی بھاوج تم سے شادی کر لے شادی کے بعد اونن بھی
 انقال کر گیا - اس پر یہودا نے اپنی بیوہ بھو سے کہا تو اس
 گھر میں بیوہ ہو کر رہو - یہاں تک کہ میرا تیسرا بیٹا شله

جو انہوں جائے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہودا کو ایک سفر پر جانے کا اتفاق ہوا جب تمرنے سننا کہ میرا خسر اپنی بھیڑوں کے بال کترنے والوں کے پاس مقام تمنہ جاتا ہے تو اس نے اپنی بیوگی کا لباس اتارا اور مقتنه پہنکر عینیم کے پھاٹک پر جو تمنہ کے راستے میں ہے بیٹھ گئی کیونکہ اس نے دیکھا کہ شلہ تو جوان ہو گیا ہے مگر اب تک وہ اسکے حوالہ نہیں ہوئی یہودا نے جب اسے دیکھا تو سمجھا کہ کوئی رنڈی ہے کیونکہ وہ چہرہ چھپائے ہوئے تھی اور وہ راستے سے کٹ کر کھنے لگا کیا میں تیرے پاس رہ سکتا ہوں کیونکہ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ اس کی بھوئی ہے وہ بولی کیا دو گے وہ کھنے لگا لگہ سے تجھے ایک بکری کا بچہ بھیجنے دوں۔ وہ بولی اپنی انگوٹھی اپنے کپڑے اور اپنا عصا۔ یہودا یہ سب دیکھ اسکے ساتھ ۔ ۔ ۔ اس سے اسکی بھوئی تمر کے حمل رہ گیا۔ اور وہ اٹھی اور مقتنه اتار کر پھر بیوگی کا لباس پہن لیا۔ یہودا نے اپنے دوست کے ہاتھ بکری کا بچہ بھیجا کہ چیزیں چھڑا لائے لیکن عورت کا پتہ نہ چلا تب اس نے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ وہ قحبہ کیا ہوئی جو عینیم میں سرراہ بیٹھی تھی اور وہ کھنے لگئے یہاں قحبہ کھاں اور واپس آ کر اس نے یہودا سے کہا کہ قحبہ وہاں نہیں ہے۔ اور لوگوں کو بھی

معلوم نہیں ہے اور یہودا کہنے لگا۔ وہ لیکنی کہیں بدنامی نہ
ہو جائے..... جب تین مہینے گزرے تو یہودا کو اطلاع دی
گئی کہ تیری بھوت مر نے فحش اختیار کیا اور دیکھو وہ حرام کا پیٹ
لائی ہے۔ یہودہ بولا پکڑ لاؤ میں اسے آگ میں جلا دونگا۔ جب وہ
لائی گئی تب اس نے اپنے خسر سے کہا کہ جس شخص کی یہ
چیزیں ہیں اسیکا پیٹ ہے۔ ذرا پہچانئے یہ انگوٹھی یہ کپڑے
یہ عصا کس کے ہیں یہودا پہچان کر کہنے لگا یہ تو مجھ سے
زیادہ پارسانکلی کیوں نہ میں نے اپنے بیٹے شله کے ساتھ اسکی
شادی کی؟۔ یہ ہے توراۃ مقدس۔

اَنَّا لِهُ وَ اَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اسی طرح کا ایک ناپاک قصہ حضرت داؤد^۲ کے متعلق بھی
توراۃ میں درج ہے۔ کتاب دوم سموئل باب ۱، آیات ۲ تا ۱۳
میں لکھا ہے ”حضرت داؤد اپنے فوجی افسر اوریا کی بیوی کو
دیکھ کر اسپر لشو ہو گئے۔ اور انہوں نے اوریا کی غیر حاضری سے
فائده اٹھا کر اسکی بیوی کو اپنے محل میں بلا لیا اور اس کے ساتھ
بدکاری کی۔ وہ حاملہ ہو گئی تو اسکو واپس اسکے گھر بھیج کر اوریا
کو اس مقام سے گھر واپس آنے کا حکم دیا۔ جہاں وہ فرائض
منصبی ادا کر رہا تھا تاکہ فعل بدپر پردہ پڑ جائے۔ پھر کچھ
عرصہ کے بعد اوریا کو کسی سہم پر بھیجوا کر قتل کرا دیا۔

تب داؤد نے اس کی عورت سے شادی کر لی۔ ” یہ ہے توراۃ مقدس جو قتل عمد اور بدکاری اور فحش قصص سے بھری پڑی ہے۔ اور جو انبیاء کی عصمت پر بہتا ز باندھتی ہے اور اپنے متبعین کو ناپاک اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ اس طرح کہ اس کتاب کے متبعین یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جب انبیاء بھی اس قسم کی ناہنجار حرکات کے مرتکب ہوتے رہے ہیں تو ہمارے افعال شنیعہ کا ارتکاب کیونکر منوع ہے۔ یہ انتہا درجے کی شرمناک بات ہے کہ کتاب دوم سموئیل کی ابتدا حضرت داؤد کی طرف زنا منسوب کرتی ہے۔ اس شرمناک قصہ کی انتہا ایک ولد الحرام بیٹا ہے جسکی وفات پر حضرت داؤد گریہ و زاری کرتے ہیں اور اس کے بعد خدا کا عذاب ان پر اترتا ہے اور ان کا بیٹا اپنی سوتیلی بہن سے زنا کرتا ہے۔ اور دوسرا بیٹا بغاوت کر دیتا ہے۔ الغرض جتنی ان کتابوں کی ورق گردانی کی جائے اتنا ہی گند نکلتا ہے۔

اَنَّ اللَّهُ وَ اَنَا اَلَيْهِ رَاجِعُونَ

اسکے بر عکس قرآن کریم حضرت داؤد کی بریت کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے

وَ اَذْكُرْ عَبْدَ نَادَ اَوْدَ ذَا الْأَيْدِ اَنَّهُ اَوَّلَ

” (سورہ ص ۳۸ آیت ۷۱)

یعنی ہمارے فرمانبردار بندے داؤد کا حال بیان کر جو باوجود اقتدار کے جناب النبی کی طرف جھکا رہتا تھا

وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَابٌ (سورة ص ۳۸ آیت ۲۵)

یعنی ہماری جناب میں اسکو قرب حاصل تھا اور نہایت
عمرده ٹھکانا - پھر فرمایا

يَا دَاؤْدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْعَدْلِ
وَلَا تَتَبَيَّنِ الْهَوَى (سورة ص ۳۸ آیت ۲۶)

یعنی اے داؤد ہم نے تمہیں اس ملک میں بادشاہ بنایا ہے ،
لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے حکومت کرنا - نیز فرمایا
وَلَقَدْ أَتَيْنَا دَاؤَدَ مِنَا فَضْلًا (سورة سباء ۳۴ آیت ۱۰)

یعنی ہم نے اپنی جناب سے داؤد کو فضیلت و بزرگی عطا فرمائی۔
الغرض حضرت رسول کریم ﷺ نے پیغمبروں تک کی
خدمت کی ہے اور ان کو ہر قسم کے الزامات سے بری الذمه
ٹھہرا�ا ہے - اللہ تعالیٰ نے اس مضامون کو ذیل کی آیت میں
بیان فرمایا ہے -

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ
يُخْتَلِفُونَ وَإِنَّهُ لِهُدَىٰ وَرَحْمَةٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ (سورة النمل ۲ - آیت ۲۶)

یعنی یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں - اور یہ شک وہ مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے - اس سے حضرت نبی کریم کے اخلاق کی بلندی اور دل کی وسعت اور حق پرستی اور مظلوم کی دستگیری کی صفات حمیدہ نظر آتی ہیں -

ذیل کی آیة کریمہ میں تمام پیغمبروں کو خدا کا برگزیدہ قرار دیکر یہ تلقین کی ہے کہ پیغمبر خدا کے مقرب ہوتے ہیں اس لئے ان میں عیوب کا پایا جانا ناممکن امر ہے فرمایا

”أَنَّ اللَّهَ اصْطَفَى أَدْمَ وَ نُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عُمَرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ“
(سورۃ ال عمران ۳ - آیت ۲۴)

یعنی تمام پیغمبروں کے مورث اور جد امجد نہایت ہی بزرگ شخصیتیں تھیں اور خدا نے انکو اپنی مخلوق کی رہنمائی اور تربیت کے لئے منتخب فرمایا تھا - ان کے قول و فعل میں نیکی اور خیر تھی وہ لوگوں کے لئے بطور تمونہ کے تھے اس لئے ان کی عیوب جوئی نہایت ہی غیر واجب امر ہے -

سورۃ الانعام میں بھی انبیاء کی فہرست ہے جس میں ان کے حق میں نہایت اعلیٰ درجے کے تعریفی کلمات استعمال ہوئے ہیں - اس فہرست کو یہاں درج کیا جاتا ہے - فرمایا

وَتِلْكَ حِجْتُنَا اتَّيَّنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمَهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ
 نَشَاءُ أَنْ رَبُّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ وَوَهْبَنَا لَهُ اسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
 كُلًا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ ذَرِيَّتِهِ دَاؤُدَ وَسُلَيْمَانَ وَ
 آيُوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَرُونَ وَكَذَلِكَ تَجْزِي الْمُحَسِّنِينَ ○
 وَزَكَرِيَا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَالْيَاسَ كُلُّ مِنَ الصَّالِحِينَ ○ وَإِسَاعِيلَ
 وَالْيَسُعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًا فَضَلَّنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ○ وَمِنْ
 أَبَائِهِمْ وَذَرِيَّتِهِمْ وَأَخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ
 إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ (سورة الانعام ۷ آیت ۸۸ تا ۸۸)

ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے اسیں ان کو صالحین
 کہا گیا ہے اور ان کو محسنین کر کے یاد کیا گیا ہے۔ اور
 ان کو ہدایت کی پابندی کرنے والے اور صراط مستقیم پر قائم
 رہنے والے قرار دیا گیا ہے۔ بائیبل انبیاء پر اتهام لگانے میں
 چاک و بے باک ہے لیکن قرآن کریم ان کی بریت کرتا اور

ان کو صائمین اور محسینین اور برگزیدہ قرار دیتا ہے۔ جس طرح سے حضرت عیسیٰ اور حضرت مصیم کی بربت کی اسی طرح تمام انبیاء کی بھی بربت کی ہے۔

کیا اس قسم کے ذکر سے کوئی منصف مزاج انسان یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قرآن کریم نے انبیاء کے ان قصص کو جو بائیبل میں درج ہیں سرقہ کر کے اپنے صفحات میں درج کر لیا ہے۔ اس قسم کا اعتراض صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کی نظر سطحی ہو اور جس کو امانت و دیانت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ وہ شخص جو دیانت دار ہے وہ ان آیات کے مطالعہ سے ضرور یہی نتیجہ نکالیگا کہ قرآن کریم انبیاء کی حمایت کے لئے کمر بستہ کھڑا ہے اور اس حمایت اور امن دفاع کی ضرورت پیدا کرنے والی کتاب بائیبل ہے جو انبیاء پر نہایت ناپاک اتهامات لگاتی ہے اندریں حالات قرآن کریم کے متعلق یہ کہنا کہ اس کتاب نے انبیاء کے قصص سرقہ کر لئے ہیں پر لے درجے کی ناواقفیت اور پر لے درجے کی جسارت ہے۔

حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ پر اعتراضات اور ان کے جوابات

اب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم
کے متعلق الزامات اور انکے جوابات پیش کئے جاتے ہیں فرمایا

وَبُكْفُرُهُمْ وَقَوْلُهُمْ عَلَىٰ مَرِيمَ بَهْتَانًا عَظِيمًا

(سورۃ النساء ۲۷ - آیت ۱۵۶)

یعنی خدا تعالیٰ نے یہود کو اس وجہ سے سزا دی کہ انہوں نے
حضرت عیسیٰ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی اور ان کی
والدہ ماجدہ پر حضرت مسیح کی ولادت کے بارے میں تہمت
باندھی - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَرِيمٌ ابْنَتِ عُمَرَانَ احْصَنْتَ فَرَجَّهَا (سورۃ تحریم ۶۹ آیت ۱۲)

یعنی حضرت مریم محسنه عفیفہ تھیں اور ان پر اعتراض کرنے
والے دریدہ دھنی سے بہتان عظیم باندھنے کے مرتکب ہیں
اور مزید فرمایا

وَأَذْقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرِيمٌ أَنَّ اللَّهَ أَصْطَفَكَ وَطَهَرَكَ وَأَصْطَفَكَ

علیٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ (سورۃ آل عمران ۳ آیت ۱۱)

یعنی فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ نے تجویہ برگزیدہ

کیا ہے اور تجھے پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں سے تجھے چن لیا ہے - خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مریم کو منتخب کیا اور برگزیدہ قرار دیا تو یہ کوئی معمولی سا سرٹیفیکٹ نہیں اور اس پر مزید فرمایا وظہر ک خدا نے تم کو تمام اخلاق رذیلہ سے پاک بنایا ہے - اور تمہاری قوم میں کوئی عورت تمہارے مرتبہ کی نہیں ہے - ان الفاظ میں صرف بربادیت ہی نہیں جو متنقی کی ابتدائی حالت کا بیان ہوتا ہے بلکہ بیان کیا ہے کہ حضرت مریم ایک بزرگ اور بلند پایہ شخصیت کی مالکہ تھیں -

یہ آیات نہ صرف یہودیوں کے اعتراضات کو صاف کرتی ہیں بلکہ اس مقام سے بھی بڑھ کر ان کا رتبہ بیان کرتی ہیں - جو اناجیل میں حضرت مریم کے لئے تجویز ہوا ہے - ورنہ یوحنا باب ۲ آیت ۳۸ میں حضرت عیسیٰ اپنی والدہ کو جس طرح مخاطب کرتے ہیں اس سے وہ کسی بڑیے مرتبہ کی مالک نظر نہیں آتیں - س میں یہ الفاظ ہیں

”اے عورت بھے تجھے سے کیا کام“

اس سے تو عیان ہوتا ہے کہ حضرت مریم خود اپنے بیٹے کی نگاہ میں قابل احترام و قابل تعظیم نہیں ہیں - اسی طرح متی باب ۱۲ آیت ۳۸ تا ۵ کو پڑھیں جب حضرت مریم مامتا کی ماری ان کی تلاش میں اس مجمع میں پہنچیں جہاں

حضرت عیسیٰ کچھ تلقین فرمائے تھے تو کسی نے ان سے کہا
دیکھو تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے
باتیں کرنا چاہتے ہیں اس نے خبر دینے والے کو جواب
میں کہا کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی۔
اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا ”دیکھو میری ماں
اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی
مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے“۔ یہ الفاظ استعہال
کر کے حضرت مسیح نے اچھے اخلاق کا نمونہ نہیں پیش کیا۔

وہ تو اپنی ماں کا رتبہ اپنے شاگردوں کے برابر بھی قرار
نہیں دیتے۔ وہ تو ان کو آسمانی باپ کی مرضی پر چلنے والوں میں
شار نہیں کرتے ان کو تو چاہئے تھا کہ حضرت مسیم کی آواز
سن کر سراپا ادب ہو جاتے اور ان کے حق میں ایسے کلمات
استعہال کرتے جن سے ان کی بزرگی ظاہر ہوتی۔ انجیل تو یہ
ظاہر کرتی ہیں کہ وہ کوئی عظیم المرتبت خاتون نہ تھیں لیکن
رسول کریم ﷺ انجیل کے ان بیانات کی تردید کرتے ہیں اور
فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں پر فوقیت
دکھتی تھیں انجیل کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ
حضرت مسیم کی نگاہ میں حضرت عیسیٰ کوئی بہت بڑے پایہ کے
انسان نہ تھے بلکہ وہ انکو حواس باختہ سمجھتی تھیں اس کی

تصدیق کیلئے دیکھو انجیل مرقس باب ۳ آیت ۲،

”جب اسکے عزیزوں نے یہ سنا تو اسے پکڑنے کو نکلے
کیونکہ کہتے تھے وہ بے خود ہے،“ -

اب ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ ہوں جو حضرت عیسیٰ
پر کئے گئے تھے - حضرت عیسیٰ کے دعاویٰ کو یہودی تسلیم نہ
کرتے تھے بلکہ ان کو جھوٹا قرار دیتے تھے اور اس بناء پر ان
کی ہر طرح کی ایذا رسانی جائز خیال کرتے تھے آخرش ان
کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کوشش کی کہ
رومی سلطنت کے حکام کے ذریعہ سے ان کو صلیب پر چڑھا کر
مارا جائے اور ثابت کیا جائے کہ بروئے تعلیمات توراة وہ جھوٹ
ہیں کیونکہ توراة میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی دار پر کھینچا
جائے گا۔ اور اس امر کو پولوس نے برق تسلیم کر کے اپنے
مراسلہ بنام گلتیوں میں درج کیا ہے - توراة کی اصل عبارت یہ ہے

”کیونکہ وہ جو صلیب پر لٹکایا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے،“

(كتاب استثناء باب ۱ آیت ۲ نمبر ۲۳)

اور اسی عقیدہ کو پولوس نے گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳ میں
درست تسلیم کر کے نقل کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں

”ملعون ہے وہ شخص جو صلیب پر لٹکتا ہے،“ -

یہود نے حضرت عیسیٰ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اور ان کو
ملعون قرار دینے کے لئے ان پر مقدمہ چلا�ا اور پلاطوس کے

حکم سے ان کو صلیب پر لٹکایا۔ اس طرح سے تورات کی آیت کے مطابق ان کو جھوٹا اور ملعون قرار دیا۔ یہودی اور عیسائی دونوں تورات کو خدا کا کلام یقین کرتے تھے۔ اور اس کی بیان کردہ شریعت کے الفاظ کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ اور کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس کتاب میں درج شدہ شریعت کا انکار کرے۔ یہودی لوگوں کے مشاہدے میں یہ بات لے آئے کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ لعنتی ہو گئے ہیں یعنی خدا سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ خدا سے دور تھے۔ اس مظاہرے اور اس مشاہدے کے پیش نظر جب عیسائیوں سے اور کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے کہا ہاں بے شک حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے اور ملعون بھی ہوئے لیکن وہ ہمارے گناہوں کا بار اٹھانے کے لئے مصلوب اور ملعون ہوئے۔ اس طرح سے دونوں قوموں نے یعنی یہود و نصاریٰ نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہو کر ملعون یعنی راندہ درگاہ الہی ہوئے۔ یہود نے تو اپنی دشمنی کی بناء پر حضرت عیسیٰ کو ملعون قرار دیا اور عیسائیوں نے مصلوب ہونے اور ملعون ہونے کو اپنا عقیدہ بنا لیا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ لوگ غلطی پر ہیں اور جو کچھ یہ کہتے ہیں کفر ہے۔ حضرت عیسیٰ خدا کے مقربین میں

سے تھے۔ وہ نہ ہی صلیب پر مارے اور نہ ہی لعنتی ہوئے۔
 خدا نے ان کو صلیبی موت سے جو بروئے توراۃ لعنتی موت ہے
 بچا لیا اور انکو طبعی موت سے مارا۔ علاوہ ازین ان کو اپنا قرب
 عطا کیا۔ اور یہی رفعہ اللہ الیہ کا مفہوم ہے چنانچہ اس کا ذکر
 ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے فرمایا

وَقَوْلُهُمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا
 قَتَلُوهُ وَمَا صَلْبَوْهُ وَلَكِنْ شَبَهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي
 شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعُ الظَّنِّ وَمَا قَاتَلُوهُ
 يَقِيْنِيْنَا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○
 (سورة النساء ۷۴ - آیت ۱۵)

ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ
 بن مریم اللہ کے رسول کو قتل کر دیا۔ اور انہوں نے نہ
 اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب پر مارا مگر وہ ان کے لئے
 اس جیسا بنا دیا گیا۔ اور یہ شک وہ لوگ جنہوں نے
 اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارہ میں شک میں ہیں۔ ان کو

اس کا کچھ علم نہیں صرف گان کے پیچھے چلتے ہیں اور انہوں نے اسے یقینی طور پر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا فرمایا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اس واقعہ کو دوسری جگہ یوں بیان کیا ہے۔ فرمایا

وَمَكْرُوا وَمَسَكِرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ

(سورہ آل عمران ۳ - آیت ۵۳)

یعنی حضرت عیسیٰ کے دشمن یہودیوں نے ان کے برخلاف ان کو جھوٹا اور ملعون قرار دینے کا ایک منصوبہ سوچا تھا لیکن خدا نے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کی تدبیر کی اور خدا نہایت ہی خیر و برکت کی تدبیر کرنے والا ہے ایک اور مقام پر فرمایا۔

إذْ قَالَ اللَّهُ يَسْعِيْسَى إِنِّي مُسْتَوْفِيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَى وَمُطَهِّرُكَ
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَجَاءُكُلُّ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورہ آل عمران ۳ - آیت ۵۴)

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے

(ان کے الزام سے) پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں ان پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقيت دینے والا ہوں۔

اس آیت میں یہود کی ناپاک تدبیر اور منصوبے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تسلی دی کہ آپ کی موت طبیعی ہوگی اور آپ ملعون نہ ہونگے بلکہ آپ مقرب الی اللہ یعنی صرفوں الی اللہ ہونگے خدا تعالیٰ کے اس وعدے کو مد نظر رکھ کر سورۃ ۳ آیت ۱۵ کے الفاظ پر عمیق نظر ڈالنی چاہئیے جس میں یہودیوں کے اس دعوے کو بیان کیا ہے کہ ہم نے مسیح ابن مصیم کو جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا مصلوب کر کے جھوٹا اور ملعون ثابت کر دیا ہے

ان کے دعوے کے مقابل پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا قَتْلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شَبِّهُ لَهُمْ

کہ نہ تو وہ ان کو بذریعہ قتل مار سکے اور نہ ہی بذریعہ صلیب ان پر موت وارد کر سکے ہاں البتہ حضرت عیسیٰ ان کو مقتول و مصلوب کے مشابہ نظر آئے اور جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ آیا وہ مرے تھے یا نہیں۔

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعُ الظَّنِّ وَمَا قَتْلُوهُ يَقِينًا

ان لوگوں کو اسکے متعلق صحیح علم نہیں ہے وہ صرف ظن سے
کام لیتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ

مَا قَاتَلُوهُ يَقِينًا اے مَا قَاتَلُوهُ قَتْلًا يَقِينًا

یعنی انہوں نے حضرت عیسیٰ کو یقینی طور پر قتل نہیں کیا
یہ ان کا ظن ہے کہ ہم نے اس کو قتل کر ڈالا حالانکہ
حضرت عیسیٰ مقتول یا مصلوب کے مشابہ ہو گئے تھے ۔ اور
صلیب پر نہیں مرے تھے ۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ماقتلوا یقیناً
کہ یقینی طور پر دشمن اس کو قتل نہ کرسکے تو اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ ظنی طور پر وہ حضرت عیسیٰ کو مقتول و مصلوب
کر چکے تھے ۔ اسی لئے فرمایا

مَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ

کہ لوگ اصل حقیقت پر مطلع نہیں ہیں ہاں ان کو ظن ہے
جیسا کہ فرمایا

الَاّ اِتِّبَاعُ الظَّنِّ

یعنی ان کا ظن ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مر گئے ۔

واقعہ صلیب اور شَبَهَ لَهُمْ کا ترجمہ

بعض لوگوں نے شبہ لہم کا غلط ترجمہ کیا ہے ۔
کہتے ہیں کسی دوسرے شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبیہ

ڈال دی گئی تھی۔ اور اس کو صلیب پر کھینچ دیا گیا تھا۔
 اول تو قواعد نحو اس ترجمہ کی اجازت نہیں دیتے و ما قتلہ
 وما صلبیوہ میں ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے ولکن شبہ لهم
 میں بھی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے اور کسی
 دوسرے شخص کا ذکر ہی نہیں جس کی طرف یہ ضمیر راجع ہو
 اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا کہ حضرت عیسیٰ ان کو کسی
 شخص کے مشابہ نظر آنے لگے یعنی حضرت عیسیٰ کی شکل
 تبدیل ہو گئی اور وہ کسی دوسرے شخص کی طرح نظر آنے لگے۔
 اس سے ظاہر ہوا کہ ولکن شبہ لهم کا ترجمہ از روئے قواعد وہ
 نہیں بتتا جو لوگوں نے غلطی سے سمجھے لیا ہے۔ یہ غلط ترجمہ
 دوسرے اعتراضات کا مورد بھی بتتا ہے۔ اس پر بھی غور کرنا
 چاہئے۔ کسی دوسرے شخص کو حضرت عیسیٰ کی شبیہ عطا کر
 دینا غیر مناسب فعل ہے ایک پیغمبر کی پاک شبیہ کسی کافر
 دشمن خدا اور دشمن رسول کو عطا نہیں کی جاسکتی پھر دھوکے
 سے اس کو صلیب پر لٹکانا نہایت معیوب امر ہے جو خدا کو
 شایان نہیں کہ اسکا مر تکب ہو۔ اور اگر خدا تعالیٰ ایک کو دوسرے
 کی شبک عطا کر دے تو اس دنیا سے امن اٹھ جائے اس لئے اس قسم
 کا فعل خدا کی طرف منسوب کرنا گناہ ہے۔ اور ایک بے گناہ
 شخص کو سزا دینے کے لئے ماخوذ کر لینا سکھا شاہی ہے جو
 خدا کبھی نہیں کرتا وَإِنَّ اللَّهَ بِظَلَامٍ لَّلْعَبِيدُ

جس شخص کی شکل بدل گئی تھی اس کی آواز تو نہ بدل گئی تھی وہ دھائی دیتا کہ میں بے گناہ ہوں میں فلاں شخص ہوں - اس شخص کی آواز سے اس ملمع سازی کی ساری قلعی کھل جاتی اگر اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کی حفاظت کرنا چاہے تو اس کو اس دھوکہ بازی کے اختیار کرنے کے بغیر ہی قدرت ہے کہ اس کو بچا لے - وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں حضور نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا وعدہ ہے ان کو نہایت ہی مشکل مقامات میں بچا کر دکھایا - لیکن حضرت عیسیٰ کے بھاؤ کے لئے ایک ایسا فعل کیا جو نہایت ہی قبیح ہے ایسے خدا کے پوخاری تو اپنے آدمی کو بچانے کے لئے غیر کو پکڑوا دینا جائز سمجھا کریں گے اور اس کو سنتہ اللہ کھدیا کریں گے - انا اللہ و انا الیہ راجعون -

اگر کسی غیر کو عیسیٰ بنادیا گیا تھا - تو اس صورت میں یہود کے لئے شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی وہ جانتے ہیں کہ یہ عیسیٰ ہیں اور مدعماً علیہم یعنی عیسائی بھی جانتے ہیں کہ یہ عیسیٰ ہیں اور مسلمان گواہ جو قریباً چھ سو سال کے بعد پیدا ہوا وہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا اس کا بال بال عیسیٰ کا تھا تو تینوں قوموں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ مصلوب حضرت عیسیٰ تھے - مسلمان گواہ جو چھ سو سال کے بعد پیدا ہوا اور جو عینی شہادت دینے کا مدعی

ہے۔ اپنی بے سمجھی سے یہودیوں اور عیسائیوں کے حق میں شہادت دیتا ہے۔ جس بات کا ان کو دعویٰ ہے اسی بات کی یہ شخص تصدیق کرتا ہے افسوس ایسے گواہ کی عقل پر۔ کیا مسلمان اپنی گواہی سے یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ تاریخی واقعات کو قرآن کریم غلط قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم اگر تاریخی واقعات کی تغییط یا تکذیب کرے تو اس کتاب کی کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہتی۔ انجیل میں صلیب کے واقعہ کی تفصیلات درج ہیں مدعی اور مدععاً علیہ دونوں رومنی گورنمنٹ کے حاکم پلاطوس کے سامنے مقدمہ میں پیش ہوتے ہیں۔ پلاطوس اور اس کی بیوی دونوں حضرت عیسیٰ کو بے گناہ سمجھتے ہیں۔ پلاطوس یہودیوں سے ڈر کر مجبور تو ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکانے کا حکم دے لیکن اس قسم کا حکم صادر کرتے وقت خدا سے خائف ہے اور اس گناہ سے اپنے ہاتھ دھوتا ہے۔ آخر حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور یہودی و عیسائی دونوں اس المناک واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر یہودی اور نصرانی دونوں اپنی اپنی تاریخ میں اس کو درج کرتے ہیں۔ علاوہ ازین وہ کتابیں جو انجیل کھلااتی ہیں وہ بھی اس دردناک واقعہ کو درج کرتی ہیں۔ یہ مسلمان کیسا انسان ہے جو اس تاریخ کا انکار کرتا ہے اور

کہتا ہے صلیب پر جو شخص لٹکایا گیا تھا وہ اندر سے حضرت عیسیٰ نہ تھا۔ یہ شخص قرآن کریم کی طرف نہایت خطرناک الزام منسوب کرتا ہے کہ قرآن کریم قوموں کے تاریخی واقعات کا ابطال کرتا ہے۔ ایسی کتاب کو اس کا خوش فہم متبع تو بے شک مانتا رہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک اور بالخصوص عیسائیوں اور یہودیوں کے نزدیک ایسی کتاب ناقابل اعتبار ٹھہری ہے۔

وَمَا قَاتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَ لَسْكِنْ شُبَيْهَ لَهُمْ

کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ یہود نے نہ توان کو بذریعہ قتل مارا اور نہ ہی بذریعہ صلیب۔ اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوئے کیوں کہ جب ان کو چند گھنٹے کے بعد صلیب سے اتارا گیا تو وہ ادھِ مؤا سے تھے۔ اور ابھی ان پر موت وارد نہ ہوئی تھی۔ اسی حالت میں اُن کا ایک شاگرد یوسف آرمیتها جو حکومت کا بھی معزز و کن تھا ان کو اُنہا کر لے گیا۔ اور باغ کے اندر ایک کمرے میں جو ان کی خاطر ایک پھاڑی کے پہلو کو کھوڈ کر تیار کیا گیا تھا رکھ دیا۔ اس کمرے کو بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک پتھر اس کے سامنے رکھ دیا گیا تاکہ اُس کے اندر ہوا آتی جاتی رہے۔ انجیل میں یہ بھی لکھا

ہے کہ جس طرح پلاطوس کو حضرت عیسیٰ کی موت کے متعلق شک تھا اسی طرح یہودیوں کو بھی شک تھا۔ چنانچہ انہوں نے پلاطوس کی خدمت میں درخواست دیکر آن کے اس کمرے پر جس میں عیسیٰ کو رکھا گیا تھا پھر لگوا دیا اور پھرے داروں نے گواہی دی کہ جب ہم سورہ تھئے تو یہ سوچ کے شاگرد آکر اس کو کمرے سے نکال کر لیے گئے۔ اور انجیل میں لکھا ہے کہ یہ سوچ نے کمرے سے نکل کر با غبان کے کپڑے پہن لئے تاکہ اُن کو شناخت نہ کیا جاسکے۔ اُن کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر مجھے شناخت کر لیا گیا تو مجھے دوبارہ صلیب پر لٹکایا جائے گا۔ بہلا اگر وہ خدا ہوتے تو اُن کو صلیب پر لٹکائے جانے کا کیا ڈر ہو سکتا تھا۔ وہ تو بیانگ دھل کھترے دیکھو میں زندہ ہو گیا ہوں اور اگر تم یہس دفعہ بھی مجھے مصلوب کرو گے تو میں زندہ ہو جاؤں گا۔ الغرض ان انجیل جہاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا نے لعنتی موت سے بچا لیا وہاں اُن کو ایک کمزور پسر کے طور پر بھی پیش کرتی ہیں جن میں خدائی کی قطعاً کوئی شان نہ تھی۔ هاں خدا کا فضل اُن کے شامل حال تھا جس نے اُن کو لعنتی موت سے بچا لیا۔ اور قرآن کریم کا یہ بیان درست نکلا کہ حضرت عیسیٰ لعنتی موت سے نہیں مرے بلکہ وہ مقرب الی اللہ

اور مرفوع الى اللہ ہیں اور یہی بَلْ رَفِعَهُ اللَّهُ الْيَہِ کے معنی
ہیں -

جب یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر نہیں
مرے تو عیسائیت کی جان نکل جاتی ہے کیوں کہ آن کے کفارہ
کا انحصار اس بات پر ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مر کر
آن کی خاطر ملعون ہوئے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس
طرح اُن پر موت واقع نہیں ہوئی تو آن کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے۔
یہ قوم بھی عجیب ہے جس کی نجات کا دار و مدار حضرت عیسیٰ
کی تعلیمات پر نہیں بلکہ صرف اُن کی موت کے واقعہ پر ہے اگر
یہ واقعہ غلط ثابت ہو جائے تو آن کے مذہب کی عمارت دھڑام
سے گر پڑتی ہے۔ خدا کی شان خود اناجیل گواہی دیتی ہیں۔
کہ حضرت عیسیٰ کی موت صلیب پر واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ
خدا تعالیٰ نے جو عزیز و حکیم ہے ان کو اس لعنتی موت سے
بچا لیا اور وہ خدا سے دور نہیں جا پڑے بلکہ خدا کے مقرب

ٹھہرے جیسے فرمایا

وَ مِنَ الْمُقْرَبِينَ

واقعہ صلیب انجیل سے

اب ذیل میں انجیل سے وہ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

جن میں حضرت مسیح کے واقعہ صلیب کا بیان ہے۔ لکھا ہے

”پھر ان کی ساری جماعت آٹھ کراں پلاطوس کے پاس
لے گئی اور انہوں نے اس پر الزام لگانا شروع کیا کہ اسے ہم
نے اپنی قوم کو بھکتے اور قیصر کو خراج دینے سے منع کرتے
اور اپنے آپ کو مسیخ کہتے پایا پلاطوس نے سردار
کاہنوں اور عام لوگوں سے کہا میں اس شخص میں کوئی
قصور نہیں پاتا پر پلاطوس نے کہا دیکھو
میں نے تمہارے سامنے ہی اس کی تحقیقات کی مگر جن باتوں
کا الزام تم اس پر لگاتے ہو ان کی نسبت نہ میں نے اس میں
قصور پایا نہ ہیرودیس نے کیوں کہ اس نے اس کو ہمارے
پاس بھیجا ہے اور دیکھو اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں
ہوا جس سے وہ قتل کے لائق ٹھہرتا پلاطوس نے
یسوع کو چھوڑنے کے ارادہ سے پھر ان سے کہا لیکن وہ چلا کر
کہنے لگے اس کو صلیب دے۔ صلیب ذے۔ اس نے تیسرا
بار ان سے کہا کیوں؟ اس نے کیا برائی کی ہے؟ میں نے اس

میں قتل کی کوئی وجہ نہیں پائی آخرش اُن کے شور
 مچانے پر پلاطوس نے حکم دیا کہ آن کی درخواست کے موافق
 ہو یسوع کو ان کی مرضی کے موافق سپاہیوں
 کے حوالہ کر دیا جب وہ اس جگہ پہنچے جسے
 کہو پڑی کہتے ہیں تو وہاں اس کو مصلوب کیا اور
 دیکھو یوسف نام ایک شخص کونسلر تھا اس نے
 پلاطوس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی پھر
 ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھدائی تھا رکھ دیا اور اُن
 عورتوں نے پیچھے پیچھے آکر قبر کو دیکھا اور لوٹ
 کر خوشبودار چیزیں اور عطر تیار کیا - پھر ان خوشبو دار چیزوں
 کو جو تیار کی تھیں لے کر قبر پر آئیں اور پتھر کو قبر پر سے
 لٹھکا ہوا پایا وہاں دو شخص تھے انہوں نے عورتوں
 سے کہا کہ زندہ کو مردؤں میں کیوں ڈھونڈتی ہو وہ یہاں
 نہیں بلکہ جی آٹھا یسوع نے کہا میرے ہاتھ اور
 پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں مجھے چھو کر دیکھو کیوں کہ
 روح میں گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھے میں دیکھتے ہو ”۔
 (لوقا باب ۲۳)

”اور جب پلاطوس تخت عدالت پر بیٹھا ہوا تھا تو اس کی
 بیوی نے اسے کھلا بھیجنا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ

رکھ کیوں کہ میں نے آج خواب میں اس کے سبب سے بہت دکھ
 آٹھا یا ہے جب پلاطوس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا
 بلکہ الٹا بلوا ہونے کو ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روپرو اپنے
 ہاتھ دھوئے اور کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں
 پھر اس کو صلیب دینے کے لئے لے گئے ... آن کے
 ساتھ دو ڈاکو بھی صلیب پر چڑھائے گئے - جب شام ہوئی تو
 یوسف نام آرمیتیا ایک دولت مند شخص آیا وہ خود بھی یسوع کا
 شاگرد تھا اس نے پلاطوس کے پاس جا کر لاش مانگ - اسے
 نئی قبر میں رکھ دیا - جو اس نے چنان میں کھدوائی تھی اور
 ایک بڑا پتھر قبر کے منه پر لڑھکا کے چلا گیا - اور مریم مگدالینی
 اور دوسری مریم وہاں قبر کے سامنے بیٹھی تھیں - اور سردار
 کاہنوں اور فریسیوں نے پلاطوس کے پاس جمع ہو کر کہا
 خداوند تمہیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا
 کہ میں تین دن کے بعد جی آنھوں گا پس حکم دے کہ تیسرا ہے
 دن تک قبر کی حفاظت کی جائے - کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے
 شاگرد آکر اُسے چھڑا لے جائیں اور لوگوں سے کھدیں وہ مردؤں
 سے جی آنھا تو یہ پچھلا دھوکا پہلے سے بڑا ہو گا یسوع قبر
 سے نکل گئے تو پھرے والوں نے شہر میں آکر تمام ماجرا
 سردار کاہنوں سے بیان کیا - اور انہوں نے بزرگوں کے ساتھ

جمع ہو کر صلاح کی اور سپاہیوں کو بہت روپے دئے اور بولے
یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سوتے تھے - تو اس کے شاگرد
آکر آسے چرا لے گئے پس انہوں نے روپے لے کر جیسا
سکھائے گئے تھے ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں
میں مشہور ہے "۔ (متی - باب ۲)

"جب آرمینیا کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر
اور خود بھی خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا جرأت سے پلاطوس
کے پاس گیا اور یسوع کی لاش مانگی اور پلاطوس نے تعجب
کیا کہ وہ ایسا جاذب گیا"۔

(مرقس باب ۱۶ - آیت ۳۳ - ۳۴)

"پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پلاطوس
سے درخواست کی کہ آن کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں
آتا رہیں تاکہ سبتوں کے دن صلیب پر نہ رہیں - کیوں کہ
وہ سبتوں ایک خاص دن تھا پس سپاہیوں نے آکر پہلے دوسرے
شہرخوں کی ٹانگیں توڑیں جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے -
لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھوا کہ وہ مرچکا ہے
تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں مگر آن میں سے ایک سپاہی نے
بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور
(یوحنا ۹ - آیت ۱) پانی نکلا"۔

پھر لکھا ہے کہ یسوع نے قبر سے نکل کر باغبان کا بھیس بدل لیا تھا۔ چنانچہ یسوع نے جب مریم کو قبر کے قریب کھڑے دیکھا تو اسے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے اور کس کو ڈھونڈتی ہے۔ اس پر ”اس نے باغبان سمجھ کر آس سے کہا میاں اگر تو نے اس کو یہاں سے اٹھایا ہو تو مجھے بتادے کہ آسے کہاں رکھا ہے تاکہ میں اسے لے جاؤ“۔
(یوحنا باب ۰ ۲ - آیت ۱۵)

نزول مسیح اور وفات مسیح

آیة کریمہ

إذْ قَالَ اللَّهُ يَعِيسَى إِنِّي مُسْتَوْفِيهِكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطْهِرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورة آل عمران ۳ - آیت ۵۰)

پر ایک اور نگاہ ڈالنے کا ارادہ ہے اس میں لکھا ہے اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت سے ماروں گا۔ یہ تو دشمنوں کے ناپاک عزائم کے پیش نظر حضرت عیسیٰ کو تسلی دی گئی ہے۔ اور ان کی جان بچانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس وعدے کو پورا کرنے کا ذکر ذیل کی آیت میں ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعِيسَى ابْنَ مَرِيمَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَ

اُمِيَ الْهَمَّيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يُكُونُ لِيْ اَنْ اَقُولَ
 مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍ اَنْ كُنْتُ قَلْتُهُ فَقَدْ عَالَمْتَهُ تَعْلُمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا
 اَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ اَنْكَ اَنْتَ عَلَامُ الْغَيْوَبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اَلَا مَا
 اَمْرَتَنِيْ بِهِ اَنْ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا
 دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلَىٰ

(سورة المائدہ ۵ - آیت ۱۱۶)

کُلِّ شَيْئٍ شَهِيدٌ

یعنی میں نے ان کو صرف وہی تعلیم دی تھی جس کا مجھے تو نے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے میں نے صرف اس تعلیم کی تلقین ہی نہیں کی تھی بلکہ میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں تھا ۔ لیکن جب تو نے وفات دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز کو دیکھتا ہے ۔ یعنی جب تک ان کے درمیان رہا تو ان کو دیکھتا رہا کہ وہ تیری ہی عبادت کرتے ہیں چنانچہ وہ اس تعلیم پر قائم رہے لیکن جب تو نے مجھے وفات دی تو میری

وفات کے بعد ان کی حفاظت کی ذمہ داری میرے پر نہ رہی
اسلئے میں نہیں جانتا کہ میرے بعد ان کی حالت کیا ہو گئی
اسکو تو ہی جانتا ہے ۔

اس بیان میں حضرت عیسیٰ نے اس حقیقت کو پیش
کیا ہے کہ میری وفات کے بعد ان کی حالت بگڑی تھی جس کے
متعلق اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں پرسش کی تھی ۔

يَعِيسَى عَانِتْ قُلْتَ لِلنَّاسَ اتَّخِذُونِي وَ أُمِّي الْهَيْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
یعنی اے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کو
چھوڑ کر میری اور میری ماں کی پرستش کیا کرو ؟
حضرت عیسیٰ جواباً عرض کرتے ہیں کہ میں نے اس قسم کی
تعلیم نہ دی تھی ۔ اور نہ ہی میری قوم کی حالت میری
موجودگی میں بگڑی تھی بلکہ یہ حالت اس وقت پیدا ہوئی جب
تو نے مجھے وفات دی ۔ اگر حضرت عیسیٰ زمانہ حال میں آجائیں
اور ان کی والدہ ماجدہ مريم کی بھی پرستش ہو رہی ہے ۔ اس
مشاهدے کے بعد وہ اس قسم کی گواہی نہیں دے سکتے کہ میری
وفات کے بعد ان کی حالت بگڑی تھی پس معلوم ہوا کہ
حضرت عیسیٰ دوبارہ نہیں آئیں گے اور نہ ہی وہ اپنی امت کی
موجودہ کفر کی حالت کا مشاہدہ کوئی گے بلکہ حقیقت یہ ہے

کہ وہ وفات پاچکے ہوئے ہیں جیسا کہ آیت فلما توفیتني سے ظاہر ہے۔

اس آیہ کریمہ کو حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی استعمال کیا ہے اور وہ اس طرح کہ حضور نے فرمایا۔ جب قیامت کے دن میری امت کے بعض لوگوں کو پکڑ کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرمائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا

فَأُقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ

یعنی میں اس کے جواب میں وہی بات کہوں گا جو عبد صالح عیسیٰ نے کہی تھی کہ میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا حضرت عیسیٰ نے اور حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک ہی الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے معدۃت پیش کی ہے خدا کے ان دو بزرگ پیغمبروں میں سے ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ میری امت میری موجودگی میں نہیں بگڑی تھی بلکہ ان کی یہ ناگفته بہ حالت میری وفات کے بعد ہوئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ وفات پاچکے ہوئے ہیں کیونکہ ان کی امت تو بگڑ چکی ہوئی ہے اگر وہ بالفرض محال

اس وقت آجائیں اور وہ امت کے بگاڑ کی افسوسناک حالت کا مشاہدہ کر لیں اور پھر خدا کے حضور بلائے جائیں تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اپنی امت کو بگڑا ہوا نہیں پایا تھا اس صورت میں تو ان کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ جب میں دوبارہ ان میں آیا تو میں نے ان کو بگڑا ہوا پایا لیکن ان کے جواب میں اس قسم کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا - اور رسول کریم ﷺ کا ان الفاظ کو اپنے اوپر چسپان کرنا بھی بتاتا ہے کہ دونوں پیغمبروں کی امتیں دونوں کی وفات کے بعد بگڑیں - حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیہ کریمہ کو یوں اپنے اوپر چسپان کر کے غیر مبہم الفاظ میں تفسیر کر دی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کی وفات بالبداهت ثابت ہے - اور وہ دوبارہ نہیں آئیں گے اور اگر وہ دوبارہ آجائیں تو ان کا وہ جواب جو اس آیہ کریمہ کے الفاظ میں موجود ہے صحیح نہیں ٹھہرتا -

اول تو اس آیت کا مفہوم اس قدر واضح ہے کہ اس کو یہ احتیاج ہی نہیں کہ کسی اور طریق سے اس کی تائید کی جائے تاہم اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے قرآن کریم کے اور مقامات بھی بیان کئے جاتے ہیں - مثلاً حضرت عیسیٰ کے احاطہ عمل کی تعیین کرنے کے لئے یہ الفاظ فرمائے ہیں

وَرَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ (آل عمران ۳ - آیت ۲۸)

یعنی وہ صرف بنی اسرائیل ہی کی طرف رسول بنا کر بھیج رکھئے تھے۔ یہ آیت بھی ان کو وفات یا فتہ قرار دیتی ہے کیونکہ ان کا دائیرہ عمل صرف بنی اسرائیل کی قوم تک محدود ہے جیسا کہ وہ خود انجلیل شریف میں فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ اب خدا تعالیٰ جس پیغمبر کا جور سُد کشن بنی اسرائیل کی قوم مقرر کردے وہ پیغمبر کسی صورت میں مسلمانوں کا پیغمبر بن کر نہیں آسکتا۔ ایسا کرنا تو قران کریم کے الفاظ کی صریح خلاف ورزی ہو گی ایسی خلاف ورزی کرنا کسی پیغمبر کی شان کے شایان نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس قسم کی توقع رکھنا کسی مسلمان کی شان کے شایان ہے کیونکہ یہ عقیدہ قرآن کی نص صریح کے بالکل خلاف ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت عیسیٰ کم از کم عیسائیوں کی اصلاح کے لئے تو آسکتے ہیں تو ایسا کہنا بھی درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ رسول کریم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے خاتم النبین قرار دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اس کی تفسیر لا نبی بعدی کے واضح الفاظ سے کر دی ہے۔ اور فرمایا ہے

إِنَّ النَّبِيَّةَ وَالرِّسَالَةَ قَدْ أَنْقَطَتَا فَلَا نَبِيٌّ بَعْدِيٍّ وَلَا رَسُولٌ

یعنی یہ کہ اب نبوت اور رسالت منقطع ہو چکی ہے اس لئے میرے بعد کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں آسکتا۔ ان نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے روا نہیں کہ وہ ایسا عقیدہ رکھیں حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

كَانَ النَّبِيُّ يُبَعْثُ إِلَى قَوْمٍ خَاصَّةً وَبُعْثِتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

یعنی مجھ سے پہلے نبی اپنی اپنی مخصوص قوم کے لئے آیا کرتے تھے لیکن میں تمام انسانیت کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں اب جب تمام نسل انسانی کے لئے ایک پیغمبر آچکا ہے تو اس کے بعد حضرت عیسیٰ جو ایک محدود و مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے کس طرح آ سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ حضرت عیسیٰ مجدد ہو کر آئیں گے تو وہ اس مشکل کا حل بھی کرے کہ حضرت عیسیٰ کو دو هزار سال تک بچا رکھنے کے بعد ان کو کس گناہ کی وجہ سے نبوت سے معزول کر کے مجددیت کے عہدے پر مقرر کیا جائیگا اور پھر اگر ان کو شریعت محمدیہ کے ماتحت ہی چلنا ہے اور اسی کی تلقین کرنا ہے تو امت محمدیہ کے کسی مجدد سے یہ کام کیوں نہیں لیا جا سکتا۔

حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے میں یہ بات بھی حائل ہے
کہ انہوں نے کہا

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي أَسْمَهُ أَحْمَدُ
وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي أَسْمَهُ أَحْمَدُ

(سورۃ الصف ۶۱ - آیت ۶)

یعنی میں ایک عظیم الشان صاحب رسالت شخص کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہو گا۔ الجیل یوختنا میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ”میرا جانا تمہارے لئے مفید ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئیگا..... مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے لیکن وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا“،
(یوختنا ۱۶ - آیت ۷ تا ۱۲)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ کا ظہور ہوا اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے انا بشارةُ أخْرِي عِيسَى یعنی میں اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ اب اگر بالفرض محال حضرت عیسیٰ دوبارہ تشریف لے آئیں تو اس آیت کے الفاظ یاتی من بعدی متلاطفی ہونگے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد پھر حضور تشریف لائیں لیکن امت مسلمہ کا تو یہ عقیدہ نہیں ہے کہ

حضور دوبارہ تشریف لائیں گے اس لئے یہ الفاظ بھی
حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے مانع ہیں۔

ایک اور آیت اس موقعہ پر سامنے رکھنی چاہئے اور وہ
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مِنْ نُعْمَرَهْ نُنْكَسَهْ فِي الْخَلْقِ (سورة یسین ۳۶ - آیت ۲۸)

یعنی جس کو ہم بڑھاپے کی عمر دیتے ہیں اس کے قویے کو
الٹا کر دیتے ہیں یعنی وہ ابتدائی زندگی کی سی کمزور حالت کی
طرف عود کرتا ہے - اسی (۸۰) اور سو (۱۰۰) کے درمیان کے
انسان کی آنکھوں میں کان میں اور معده اور دل میں اور قامت
میں اور جوارح میں نمایاں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے - یہ خدا کا
بیان کردہ قانون ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبَدِيلًا

اور خدا کے قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی اس کے قانون اٹل ہیں
اور سب پر حاوی ہیں حتیٰ کہ پیغمبر بھی اس قانون کے اثر
سے نہیں بچ سکتے - اگر بالفرض حضرت عیسیٰ کو اسوقت زندہ
مان بھی لیا جائے تو اب دو ہزار سال گزر جانے کے بعد اس
پیر فرتوں کے قوی میں سے کیا کوئی قوت باق رہ گئی ہوگی
جس سے وہ کام لے سکیں؟

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ایک اور قانون ذیل کی آیت
میں بیان فرمایا ہے

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَا يَأْكُونُ الطَّعامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ

(سورۃ الانبیاء ۲۱ - آیت ۸)

یعنی ہم نے پیغمبروں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ کھانا
نہ کھائیں اور پھر زندہ رہ سکیں اور ان کا جسم ایسا بھی
نہیں ہے جسمیں صور زمانہ سے تغیر رونما نہ ہو۔ ان کے جسم
اسی طرح سے غذا کے محتاج ہیں جیسے دوسرے انسان زندگی کے
قائم رکھنے کے لئے کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ علاوہ ازین

وَ مَا كَانُوا خَالِدِينَ

کے الفاظ بتاتے ہیں کہ کسی نبی کا جسم ایسا نہیں ہوتا کہ
اس میں تغیر واقع نہ ہو۔ عمر کے بڑھنے سے تغیر کا رونما ہونا
لازمی امر ہے جس طرح کھانے کے بغیر زندہ رہنا محال ہے
اسی طرح لمبی عمر پانے ہر قوی کا مضمضہ نہ ہونا
امر محال ہے ان دونوں آیتوں کو اگر اکٹھا سامنے
رکھا جائے تو حضرت عیسیٰ کا اتنی مدت تک زندہ رہنا
محالات میں سے نظر آئے گا۔

ان نصوص قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہوئے ہم حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کے قائل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی آن کے دو بارہ دنیا میں آنے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اہل ایمان اور اہل تقویٰؑ کے لئے فکر کرنے کا مقام ہے۔ قرآن کریم کی کسی نص صریح کا انکار کرنا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ ان کو زندہ سمجھنا یا ان کو زندہ رکھنے کی کوشش کرنا اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ اور اگر اُن کو غلطی سے زندہ سمجھا جائے اور غلطی سے ان کا دوبارہ آنا تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اسلام کو بہت نقصان ہے اور اگر اُن کی وفات تسلیم کر لی جائے تو عیسیٰؑ کی موت عیسائیت کی موت ہے۔ ان کو زندہ تسلیم کرنا اور آن کی آمد ثانی کو مان لینا اس لئے اسلام کے لئے نقصان دہ ہے کہ ان کے دوبارہ آنے پر منصف مزاج لوگ ان کو خاتم النبیین یقین کریں گے کیوں کہ جس نبی کا ظہور آخر میں ہوگا وہی آخری نبی ہوگا۔ جب دنیا پر مسیح کی آمد ثانی سے ان کا خاتم النبیین ہونا مشاہدہ میں آجائے گا تو مختلف قوموں کے لوگ کس طرح سے رسول کریم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا تسلیم کریں گے۔ اور وہ کس طرح اپنے مشاہدے کو غلط قرار دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ وقت مسلمانوں کے لئے رونے اور ماتم کرنے کا

دن ہو گا۔ آج دنیا میں عیسائی قوموں کی شاندار بادشاہت ہے ان کی دولت اور اُن کے اقتدار کے سامنے مسلمان اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہے۔ اس زمانہ میں اگر حضرت عیسیٰ دوبارہ تشریف لے آئیں تو ان کی آمد ثانی عیاں کر دیگی کہ مسلمانوں کا مذہب بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں کمزور ہے اندرین حالات مسلمانوں کے لئے اپنے مذہب پر قائم رہنا مشکل ہو جائیگا اس لئے اس قسم کے عقیدہ کا قائل ہونا بہت بڑی معصیت ہے۔ مسلمان کے لئے اس قسم کا عقیدہ رکھنا عیسائی پادری کو جرأت دلاتا ہے لیکن جس شخص کے متعلق عیسائی پادری کو یقین ہو جائے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا قائل ہے اس سے وہ مذہبی گفتگو کرنے سے گریز کرتا ہے کیوں کہ اس کو یقین ہے کہ ایسے شخص کے مقابل پر مناظرے کے میدان میں اتنا اپنی شکست کا اشتہار دینا ہے۔ اور اسلام کی فوقیت کا اعتراف کرنا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظَهِّرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ -

(الصف ۶۱ - آیت ۹)

قرآن کریم نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ انسان

کے لئے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے۔ اور فرشته یا کوئی دوسری ہستی انسان کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتی۔ انسان ہاتھی کو دیکھ کر اپنے جسم کی تربیت کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن ایک قوی ہیکل پہلوان کو دیکھ کر ضرور خیال کرتا ہے کہ دوسرا ہے انسان بھی اس طرح تنومند ہو سکتے ہیں۔ موثر یا گھوڑے کی تیز رفتار کسی انسان کے اندر تیزی سے دوڑنے کی امنگ پیدا نہیں کرسکتی یہ اس لئے ہے کہ جنس جنس کے لئے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔ اور غیر جنس نمونہ کا کام نہیں دے سکتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اخلاقی تعلیم و تربیت کے لئے انسانوں کو پیغمبر اور رسول کر کے مبیعوٹ کیا اور اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا تو یہ فعل عبث اور غیر معقول ہوتا۔ کیوں کہ انسان ہر موقعہ پر فرشته کے افعال کو انسانی استعدادوں سے بہت بڑھکر پاتا اور اس کی پیروی کرنا امر محال یقین کرتا۔ مثلاً جنگ حنین میں حضرت نبی کریم ﷺ اس وقت بھی میدان کارزار سے نہیں بھاگتے جب کہ ان کا لشکر جرار جو بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا بھاگ نکلا یہ شجاع مرد خچر پر سوار ہے اس کے ران کے نیچے جنگی شاہ زور اسپ تازی نہیں ہے جو خطرہ

کے وقت سوار کو لئے نکلے۔ حضور کا خیچر پر سوار ہونا بھی ان کے دل کی مضبوطی اور اطمینان کا پتہ دیتا ہے۔ وہ ہمت و استقلال اور صبر و ثبات کا نمونہ جو حضور نے اس وقت دکھایا جب کہ موت ان کے سامنے کھڑی تھی جب کہ دل قابو میں نہیں رہتا اور انسان بے قرار ہو کر اور بے اختیار ہو کر بچاؤ کے لئے دشمن کے مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ حضور باواز بلند اعلان فرماتے ہیں

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبٌ

میں نبی ہوں اور نبی صادق ہوتا ہے اور صدق اس کے دل میں اور پاؤں میں ثبات پیدا کرتا ہے اس لئے یہ میرا عمل ظاہر کرتا ہے کہ میں سچا نبی ہوں۔ اس نمونہ نے شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا اس وقت حضرت کی رکاب ابوسفیان کے ہاتھ میں اور راس حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں تھی اس نمونہ نے ان کے دلوں میں قوت ایمان و ایقان بھر دی اور حضور کے حکم سے انہوں نے تتر بتر فوج کو ان الفاظ میں مخاطب کیا اے بیعت رضوان کرنے والو اے مرنے مارنے کے لئے عہد باندھنے والو اے جام شہادت بینے کی آرزو و تطلب رکھنے والو کھاں جارہے ہو آؤ اور سردار دو عالم کی طرح شجاعت کے

جوہر دکھاؤ۔ فوج واپس آگئی اور اس بے جگری سے گھمسان کارن پڑا کہ دشمن کی افواج کے چھکے چھوٹ گئے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی جگہ کوئی فرشته میدان جنگ میں کھڑا رہ کر اپنی فوج کو جام شہادت پینے کی دعوت دیتا تو وہ جانیں قربان کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہ ہوتے وہ کہتے یہ فرشته ہے اس کو موت کا ڈر نہیں اس کا میدان میں کھڑا رہنا شجاعت نہیں شجاعت تو اس کی ہوتی ہے جس کو مرنے کا ڈر لاحق ہو اس سے عیاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ فرشته انسانوں کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتا۔

جب رسول کریم بادشاہ ہو گئے اور بادشاہ ہو کر انہوں نے اپنے لئے کسی قسم کا تخت و تاج نہ بنوایا اور اپنی ازواج مطہرات کے لئے پرانے چودہ چودہ فٹ کے حجروں کے بجاۓ نئے محلات تعمیر نہ کرائے اور ان کی سیر و تفریج کے لئے باغات نہ تیار کرائے اور ان کے لئے خاص کھانے اور خاص ظروف اور خاص لباس نہ بنوائے بلکہ شاہی خزانے کو حقیقی پبلک ٹریری پین کر کے غربا کے وظائف مقرر کئے تو اس طرح انہوں نے اپنا دعویٰ اپنے عمل سے سچا کر دکھایا جو ان الفاظ میں قوم کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ کہ

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ

ایک موقعہ پر اپنی لخت جگر فاطمہ کو کہا کہ میں غرباً کی
بھوک کے پیش نظر غنیمت کے اموال میں سے تم کو کچھ دینا
پسندیدہ فعل نہیں سمجھتا

أَعْطِيهِكُمْ أَمْوَالًا مِّنَ الْغَنَائِمِ وَ تَطْوِي بُطُونٌ

الْغُرَبَاءِ جَوَاعَ -

یہ نمونے ایک بشر دکھائے تو انسان سو جان سے اس پر فدا
ہو جاتے ہیں اور قوم کی قوم کے اندر حقیقی اخوت کے جذبات
پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر فرشته اس قسم کا نمونہ پیش
کرے تو اس کی کیا قدر و قیمت ہوگی فرشته پہلے ہی سے حواجع
بشری سے پاک اور بلند تر ہے اس لئے اس کا فعل اس کے لئے
کسی ضبط نفس یا ایثار و قربانی کی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا۔
الغرض فرشته نمونہ نہیں بن سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنَّينَ

لَنَزَّلَنَا عَلَيْهِمْ مِّنِ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۱ - آیت ۹۵)

ان لوگوں کو اطلاع دیں کہ اگر فرشتے اس زمین پر رہتے سہتے اور کاروبار کی خاطر چلتے ہہرتے تو نہایت ہی ضروری تھا کہ ہم آسمان سے ان کے لئے ایک فرشته بطور پیغمبر کے بھیجتے لیکن زمین پر آبادی تو انسانوں کی ہے اس لئے انسانوں کے لئے انسان کو ہی رسول بناؤ کر بھیجننا معقول ہے اور مفید ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر فرشته رسول بن کر انسانوں کی بستی میں آجائے تو اعجوبہ تو بے شک ہو گا لیکن اس سے استفادہ کوئی بھی نہ کرسکے گا۔ خدا اس قسم کے عبث فعل کو کبھی پسند نہیں کرسکتا۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ جب کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے فرشته کا بطور رسول کے آنا خالی از حکمت اور تھی از منفعت ہے تو ابن اللہ کا یا خود خدا کا انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے آنا کس حد تک پر حکمت اور پر منفعت ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے جس طرح فرشته انسانوں کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا اسی طرح خدا یا خدا کا بیٹا بھی انسانی اخلاق کی تربیت کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتا۔ یورپ کے دانشمند اور ماہرین علم النفس اس مسئلہ پر غور کر کے ہم کو بتائیں کہ ان کے نزدیک ابن اللہ کا انسانیت کی تعلیم و تربیت کیلئے آنا کس طرح معقول اور مفید قرار

دیا جا سکتا ہے وہ غور کرینگے تو ہمارے ساتھ اس فتویٰ کے صادر کرنے میں اتفاق کرینگے کہ ایسا کرنا نہایت ہی غیر معقول اور غیر مفید فعل ہے اس لئے کبھی بھی یہ بات خداۓ علیم و حکیم کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی کہ اس نے ابن اللہ کو انسانوں کے درمیان بطور اُستاد کے بھیجا ہو جس طرح خدا نے ظاہری حواس کی مدد کیلئے اور اُسکی راہنمای کیلئے سورج و قمر اور نجوم کی روشنی پیدا کر رکھی ہے اسی طرح اسکے باطنی حواس اور اسکے قلب کو منور رکھنے کے لئے اس کو عقل عطا کر رکھی ہے ۔ اور غلط اقدام سے روکنے کیلئے نفس لواحہ عطا کر رکھا ہے اور اس طرح سے انسان کو نہایت خوبی سے آراستہ پیراستہ کیا ہے تا کہ بجا طور پر وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہو ۔ اور اگر وہ ایک طرف خدا سے لو لگانے کا جذبہ رکھتا ہو تو دوسری طرف خدا کی مخلوق کی خدمت کرنا اپنا فریضہ یقین کرتا ہو ۔ تمام رسول اور تمام انبیاء اور تمام اقطاب و ابدال اور اولیاء کا وجود اسی بات کا ثبوت ہے کہ انسان خدا کی صنعت کا سرتاج ہے ۔ اور تمام کائنات اُسکی خدمت گزار ہے ۔ اور اگر انبیاء اور اولیاء کے اندر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے وہ استعدادیں نہ

رکھتا تو ان میں سے کوئی بھی خدا کا برگزیدہ اور انسانیت کیلئے فرستادہ ہونے کا فخر نہ حاصل کر سکتا تھا۔ خدا نے انسان کو آنکھ دی ہے لیکن یہ باہر کی روشنی کی محتاج ہے اور سورج وغیرہ کی روشنی کے بغیر اسکی قیمتی آنکھ بے کار ہے۔ اسی طرح سے کان میں شناوائی کی طاقت ہے لیکن اس کی تربیت کیلئے ہوا اور ہوا میں تموج کا ہونا از بس ضروری ہے اسی طرح سے خدا تعالیٰ نے انسانی قلب کو تمام اعلیٰ درجے کی استعدادیں عطا کر رکھی ہیں لیکن اسکی استعدادوں کو ترقی دینے کے لئے وحی الٰہی کی سخت ضرورت ہے۔ یہ وحی الٰہی برابر انبیاء پر اُترقی رہی اور دنیا کی قوموں کی راہبری کرتی رہی اور یہ وحی بدرجہ اتم و اکمل حضرت نبی کریم پر اُتری اور اسکے کمال کے نمونے اُن نظریات میں اور اُن اخلاق میں نظر آتے ہیں جو اس کتاب کے صفحات میں دکھائے جا چکے ہیں۔ ان نظریات سے آگے نظر نہیں جا سکتی اور فکر ان نظریات سے پرے اُڑ کر جانے کی ہمت تھیں رکھتی ان حقائق کے پیش نظر ابن اللہ کا اس زمین پر آنے کا تصور نہایت ہی بے بنیاد ہے۔

حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کا مسئلہ

یہ تعلیم کہ خدا کا بیٹا ہوتا ہے تورات و انجیل اور انبیاء کے صحیفوں میں قطعاً نہیں پائی جاتی اور نہ ہی پائی جانی چاہئے۔ یہ اس لئے کہ تمام انبیاء ایک ہی سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے۔ چنانچہ آن تمام انبیاء کی تعلیمات میں خدائے واحد کی پرستش اور انبیاء کی اطاعت کا ذکر پایا جاتا ہے قرآن شریف نے بھی متعدد بار یہ بیان کیا ہے کہ ہر نبی کو توحید ہی کی تعلیم دی گئی تھی فرمایا

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِنِي
إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

(الانبیاء، ۲ - آیت ۲۵)

حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم کو جس تعلیم کی تلقین کی اسکا خاص طور پر ذکر ان الفاظ میں کیا ہے

أَنَّ اللَّهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ

یعنی یہ کہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے۔ یہی تعلیم تورات میں بھی ہے اور اناجیل میں بھی اس تعلیم کا ذکر موجود ہے۔ جیسا کہ یوحنا باب ۲ آیت ۷ میں لکھا ہے ”کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں“، نیز یوحنا باب ۱ آیت ۳

میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ خدائے واحد و بربحق کی توحید سکھاتے تھے۔ اور یہ تعلیم دیتے تھے کہ وہ خود رسول ہیں جنکو خدا نے بھیجا ہے انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد و بربحق کو مانیں اور پھر مسیح کو اُسکا رسول مانیں“

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان حقائق کے پیش نظر یہ کس طرح اور کیونکر ہوا کہ عیسائیت نے شرک کی تعلیم کو اپنے اندر جذب کر لیا اور پھر توحید کو بالکل ترک کر کے شرک کو ہی اصل مذہب قرار دے دیا۔ اسکی وجہ کو مفصل طور پر ایک مستقل باب میں پیش کیا جائیگا لیکن سردست اشارتاً چند ایک امور کا بیان کر دینا کاف ہو گا۔ انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے ان کو کاذب ثابت کرنے اور لعنتی بنانے کیلئے ہر ممکن کوشش کی نیز وہ حضرت عیسیٰ اور آن کی تعلیم کو مردود یقین کرتے تھے۔ اور آن کی بات پر اعتراض کرتے تھے کہ آنکی فلاں حرکت اور آنکا فلاں فعل حضرت موسیٰ کی شریعت کے خلاف

ہے چنانچہ انجیل میں لکھا ہے ۔

”اس آدمی نے جا کر یہودیوں کو خبر دی کہ جس نے مجھے تندیرست کیا، وہ یسوع ہے اس لئے یہودی یسوع کو ستانے لگے کیونکہ وہ ایسے کام سبت کے دن کرتا تھا“
(یوحنا ۵ - آیت ۱۵، ۱۶)

”حضرت مسیح نے اس بیہار کو چنگا کیا اور آسے کہا چار پائی آٹھا لے جائے اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا اور کہنے لگے آج سبت کا دن ہے تجھے چار پائی آٹھا نا روا ہے“
(یوحنا ۵ - آیت ۸، ۹)

”حضرت مسیح نے سامری عورت سے پانی مانگا اس سامری عورت نے اُس سے کہا تو یہودی ہو کر مجھ سامری عورت سے کیوں پانی مانگتا ہے کیونکہ یہودی سامروں سے کسی طرح کا برtaوہ نہیں رکھتے“
(یوحنا ۷ - آیت ۷)

اس پر یہودیوں نے حضرت مسیح پر موسوی شریعت کے خلاف عمل کرنے کا الزام لگایا ۔ اسی طرح سے یوحنا باب ۹ آیت ۱۶ میں ہے ۔

”کہ یہ آدمی خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ یہ سبت کے دن کو نہیں مانتا اس نے سبت کے دن کیوں بیہار کی آنکھوں کا علاج کیا“ ۔

قصہ کوتاہ یہ کہ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ اور آن کے دین کے متعلق نہایت درجے کی نفرت پھیلائی گئی تھی اور آن کے

شاگردوں کیلئے ہر طرح کی اذیت روا رکھی گئی تھی
اندرین حالات پولوس نے یہ فیصلہ کیا کہ عیسیویت کو
دیگر اقوام میں پھیلایا جائے اور آسے آنھیں اقوام کے
عقائد کے رنگ میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ یہی وہ بنیادی
وجہ ہے جس سے شرک کی تعلیم عیسائیت پر غالب آ گئی۔
آن دنوں مصر اور یونان اور روما میں بت پرستی عروج
پر تھی اور یونانی مائی تھاالوجی اور مصری مائی تھاالوجی
میں یہ عقیدہ تھا کہ کنواری بیٹا جنے گی اور اُسکی شیطان
کے ساتھ جنگ ہوگی پھر وہ دنیا کو گناہ سے نجات دینے
کے لئے طرح طرح کی اذیت برداشت کریگا وغیرہ وغیرہ چنانچہ
ان امور کو پولوس نے عیسائیت میں داخل کر لیا۔
قرآن کریم نے اس حقیقت کو بھی بیان کرتے ہوئے فرمایا
ہے کہ عیسائیوں نے بت پرستوں کی تقلید میں نیا مذہب
کھڑا کر دیا ہے تا کہ لوگ عیسائیت کو اپنے دین کا
ہمنگ سمجھ کر اسکی طرف توجہ دیں۔ قرآن کریم نے
اُنھیں یہ بھی تلقین کی ہے کہ بت پرستوں کے نظریات
کی نقل کرنا چھوڑ دیں اور خدا کی توحید پر قائم ہو جائیں
فرمایا

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُبُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرًا إِنَّهُ
وَلَا تَتَبَعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلِ
وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ

(الہائیہ ۵ - آیت ۹)

یعنی اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق کا غلو
نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو
جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے۔ اور انہوں نے اکثر لوگوں
کو گمراہ کیا اور خود سیدھی را سے بھٹک گئے۔ اس پر
مفصل بحث ان شاء اللہ تعالیٰ اسکے مناسب موقعہ و محل پر
درج کی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ دونوں قوموں کے غلط
نظرے بیان کر کے ان کی اصلاح کی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ
کی حمایت کی ہے اور اس طرح سے دشمنوں کے ہاتھوں جو
آن کی توهین ہوئی اسکا دفاع کیا اور آن کی عزت کو
برقرار کیا اور دوستوں نے یعنی عیسائیوں نے جس واقعہ کو
غلط طور پر مدار نجات سمجھ رکھا تھا اسی واقعہ کی

قلعی کھولکر رکھ دی اور طرفہ یہ کہ انجیل کے بیانات سے بھی وہی بات آشکارا ہوئی جو قرآن کریم نے درست قرار دی۔

البیت مسیح

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کے عقیدہ پر بڑی بحث کی ہے۔ اور کئی پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈال کر واضح کیا ہے کہ ایک انسان کو خدا کا بیٹا قرار دینا غیر معقول اور غیر مناسب بات ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

أَنِّي يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ

(الانعام ۶ - آیت ۱۰۲)

یعنی اگر خدا اس کا باپ تھا تو اس کی جورو کون تھی۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ خدا کی کوئی جورو نہ تھی اگر یہ حق ہے کہ خدا کی جورو کوئی نہ تھی تو یہ بات بھی بالکل غلط ہے کہ خدا کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہو۔ مان باپ تو ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں لیکن خدا کی ذات بے مثل ہے اور اس کی

مثُل کی کوئی جور و نہیں ہے۔ جیسے فرمایا

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

(الشوریٰ ۳۲ - آیت ۱۱)

اس لئے خدا کی طرف بیٹا منسوب کرنا بالبداعت باطل ہے۔ علاوہ ازین بیٹے کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو مرنے والا ہو لیکن خدا چونکہ مرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے اس کو بیٹے کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ دنیا میں جس قدر چیزوں مرجانے والی ہیں صرف انہی کے لئے اولاد کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے۔ تمام پرند و چرند اور مچھلیاں مرجانے والی ہیں ان کی نسل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ پس جس کے ہاں اولاد پیدا ہوتی ہو ضروری ہے کہ وہ موت کا شکار ہو۔ جیسے فرمایا

كُلُّ مَنَ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْأَكْرَامِ

(الرحمن ۵۵ - آیت ۷)

ہر وہ ہستی جس کی نسل ہے فانی ہے لیکن خدا تعالیٰ کو فنا نہیں ہے وہ قائم بالذات ہے اور تمام کائنات کے قیام کا باعث ہے۔ اس لئے اس کو بیٹے کی حاجت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ تمام

قوتوں کا سرچشمہ اور تمام قدرتوں کا منبع ہے اس کو کسی مدد گار کی ضرورت نہیں ہے چونکہ اُس کو فنا نہیں ہے اس لئے وارث کی بھی حاجت نہیں ہے انسان کو بیٹھے کی حاجت اس لئے لاحق ہے کہ تا اس کی نسل قائم رہے اور اس کا کوئی وارث ہو اور اس کا مددگار اور مونس اور غمگسار ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی حاجت لاحق نہیں ہے ۔

إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ

یعنی وہ کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ وہ رب العالمین اور حقیقی محسن اور حقیقی ربویت کرنے والا ہے ۔ اور تمام کی تمام کائنات اس کی محتاج ہے ۔

أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيَ رَبًا وَ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَئٍ

(الانعام ۶ - آیت ۱۶۵)

یعنی تمام کائنات مخلوق ہے اور مربوب ہے اور خدا تعالیٰ کائنات کی تمام چیزوں کا خالق ہے اور ربویت کرنے والا ہے ۔ اس خالق و رب السموات و الارض کو ترک کر کے مخلوقات میں سے کسی مخلوق اور مربوب کو خالق اور رب کا رتبہ دینا دانش مندی سے بعید ہے ۔

خدا تعالیٰ بدیع السموات و الارض ہے وہ بغیر اسباب کے اور بغیر نقشہ کے آسانوں کے اجرام اور زمین کے مختلف طبقات اور زمین کی نباتات و حیوانات کو پیدا کرنے والا ہے لیکن بیٹھے کی پیدائش تو مرد اور عورت کے درمیان موافقت کے تعلق کی مقتضی ہے اس لئے خدا کے لئے بیٹھا تجویز کرنا اسکی ذات و صفات کے اندر کمزوری تسلیم کرنے کے متراffد ہے

سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى عَمَّا يَشَرِّكُونَ

یعنی اسکی ذات تمام کمزوریوں اور عیوب و نقصائص سے پاک ہے۔ ایک مقام پر فرمایا ہے

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ إِنَّمَا يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَ لَمْ تَكُنْ
لَهُ صَاحِبَةٌ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
شَيْءٌ فَاعْبُدُوهُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَ كَبِيلٌ

اس آیہ کریمہ نے خدا تعالیٰ کی خصوصی صفات کا ذکر کیا ہے جو مخلوقات کے کسی فرد میں نہیں پائی جاتیں حضرت عیسیٰ میں بدیع السموات والارض کا قطعاً کوئی رنگ نہیں ہے اگر وہ خدا کا بیٹا ہوتا تو ضرور تھا کہ باپ کی خصوصی اور امتیازی صفات اس میں پائی جاتیں لیکن ناتوان عیسیٰ میں اس قسم کی خالقیت اور ربوبیت کی صفات قطعاً نہیں ہیں وہ مخلوق تھے اور ہر وقت کھانے کے محتاج رہتے تھے - نیز خدا تعالیٰ خالق و موجد ہونے کے باعث مخلوقات کی ہر چیز کی جزئیات کا علم رکھتا ہے - جو حضرت عیسیٰ کو میسر نہ تھا کیونکہ وہ خالق نہ تھے جیسے فرمایا -

أَرُونِيٌّ مَاذَا خلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ ۝

(فاطر ۳۵ آیت ۳۰)

وہ ایک بار بھوک سے تنگ آ کر سردی کے موسم میں ایک انجیر کے درخت کی طرف دوڑے ہوئے گئے تھے لیکن اس پر کھانے کے لئے پہل نہ پا کر خفا ہو گئے اور اس پر لعنت کرنے لگے جیسا کہ ادنے درجے کے اخلاق کے

انسان کرتے ہیں - ان کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ
انجیں سردی کے موسم میں پہل نہیں دینا ظاہر ہے
وہ صفات جو آپر بیان ہوئی ہیں آن صفات کا خالق و
مالک خدا جو کائنات کی پرورش کرنے والا ہے اس
جیسا کوئی معبد نہیں ہے - اسی نے سب اشیا کو پیدا
کیا اس لئے وہی مستحق ہے کہ اُسکی عبادت کی جائے
جیسے فرمایا

و و و و و و و و و و و و
خالق کل شیء فاعبد وہ

چونکہ وہ هر چیز کا خالق ہے اس لئے اسکی عبادت کرنا
واجب ہے -

و و و و و و و و و و و و
وعلیٰ کل شیء قدیر

اور وہ تمام کے تمام کاموں کے سرانجام دینے
کی قدرت رکھتا ہے اور اس خالق و مالک
اور قادر و علیم خدا کے ہوتے ہوئے عیسیٰ کو
خدا کا بیٹا تجویز کرنا اور اس کی پرستش کرنا نہایت
ہی غیر معقول بات ہے - حضرت عیسیٰ مخلوق تھے
هر انسان کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے - ان کی
والدہ ماجدہ اور وہ خود بشر تھے اور لوازمات بشری

آن کے ساتھ لگے ہوئے تھے - اس لئے دونوں اس قابل نہیں کہ آن کی پرستش کی جائے فرمایا -

وَأَمْهَ صَدِيقَهُ كَانَا يَا كُلَّا نَالَطَّعَامَ

(المائدہ ۵۷ آیت ۵)

یعنی ان کی والدہ صدیقہ تھیں لیکن آن میں کسی قسم کی خدائی نہ تھی وہ ماں بیٹا دونوں کھانے کے محتاج تھے اور کھانے کے بغیر زندہ نہ رہ سکتے تھے -

وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَداً لَا يَكُلُونَ النَّطَعَامَ

(الانبیاء ۲۱ آیت ۸)

یعنی ہم نے پیغمبروں کا جسم ایسا نہیں بنایا کہ وہ بغیر کھانے کے زندہ رہ سکیں - ہر کام جو انسان کرتا ہے اس سے اس کی قوت زائل ہوتی ہے - اور قوت زائل ہونے کے معنے یہ ہوتے ہیں - کہ اس کے بدن کے کچھ ذرات ضائع ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان ہر آن موت کا شکار ہے - یہی حال حضرت عیسیٰ اور آن کی والدہ کا تھا وہ ہر آن موت کا شکار تھے وہ پیدا ہوئے وہ زندگی کے قیام کے لئے خوراک کے محتاج

رہے اور آخرش آن کی زندگی ختم ہو گئی یہ تمام علامات اور عوارضات حضرت عیسیٰ اور آن کی والدہ کو انسان ثابت کرتے ہیں - پھر آن کی عبادت کیسی؟ کیا حضرت عیسیٰ خدا کی عبادت کرتے تھے یا نہیں؟ اگر وہ آس کی عبادت کرتے اور اس سے دعائیں مانگتے تھے جیسا کہ انجلیل میں مرقوم ہے تو وہ خدا نہ ہوئے بلکہ وہ خدائے قادر مطلق کی دستگیری کے محتاج تھے - کیا آنہوں نے صلیب پر لٹکایا جانے کے موقعہ پر نہایت تضرع اور نہایت عجز و زاری سے دعائیں نہیں کیں کہ آن پر سے موت کا پیالہ ٹل جائے؟ کیا آنہوں نے اس المناک موقعہ پر اپنی کمزوری کا اعتراف ان الفاظ میں نہیں کیا -

”روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے“

(مرقس باب ۱۶ آیت ۳۸)

آنہوں نے صلیب کے موقعہ پر شاگردوں سے کہا

”یہاں بیٹھی رہو جب تک میں دعا مانگوں اور پطرس اور یعقوب اور یوحنا کو اپنے ساتھ لے کر نہایت حیران اور بے قرار ہونے لگا اور آن سے کہا - میری جان نہایت غمگین ہے - یہاں تک کہ مرنے کو نوبت پہنچ گئی تھی تم یہاں نہ ہرو اور جاگتے رہو - اور وہ تھوڑا آگے

بڑھا اور زمین پر گر کر دعا مانگنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ سے ٹل جائے اور کھا اے ابا - اے باب - تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے اس پیالے کو میرے پاس سے ہٹا لے تاہم جو میں چاہتا ہوں وہ نہیں بلکہ جو تو چاہتا ہے وہی ہو۔ پھر وہ آیا اور آئھیں سوتا پایا - آن کو سوتا پا کر پطرس سے کھا اے شمعون تو سوتا ہے کیا تو ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکا - جاگو اور دعا مانگو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو ”

(مرقس باب ۱۳ آیت ۳۹ تا ۴۰)

انجیل کا یہ بیان حضرت عیسیٰ کے پرلے درجے کے عجز و مسکنت کا نقشہ ہے - اور عجز و بے قراری ہی انسان کو دعا کرنے پر آمادہ کرتی ہے - ایک طرف عجز و بے قراری ہو اسکے مقابل پر قادر مطلق خدا کی دستگیری پر ایمان ہو تو دل سے تصرع بھری دعا نکلتی ہے یہ دونوں امور حضرت عیسیٰ کی اس حالت سے عیاں ہیں جو آن پر اس وقت طاری ہوئی جب موت آن کے سامنے آ کھڑی ہوئی - ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خدا نہ تھے بلکہ وہ خدا کے ایک عاجز و مسکین بندہ تھے - قرآن کریم کی ذیل کی آیہ ”کریمہ انہی حقائق کی طرف

توجہ دلاتی ہے فرمایا

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مُرْيَمٍ

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَسُنْتِي أَسْرَائِيلَ أَعْبُدُ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ

(الائدہ ۵ آیت ۲)

یقیناً وہ کفر کی بات کہتے ہیں جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہے حالانکہ مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو - جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے -

النجیل شریف میں بھی سب سے بڑا حکم یہی ہے - ”اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھا - بڑا اور پہلا حکم یہی ہے - اور دوسرا آسکی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسری سے اپنے برابر محبت رکھ انہی دو حکموں پر تمام تورات اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے “

(متی باب ۲۶ آیت ۳۰ تا ۳۶)

”یسوع نے آس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر“ (متی باب ۱۰ آیت ۱۰)

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت - یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا - تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے“

(متی باب ۶ آیت ۲۳)

یعنی خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا ناممجبھی ہے -

”اور لوگوں کو رخصت کر کے علیحدہ عبادت کرنے کے لئے پھاڑ پر چڑھ گیا“ (متی باب ۱۸ آیت ۲۳)
 ”اسوقت یسوع نے کہا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں“ (متی باب ۱۱ آیت ۲۵)
 ”جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے“ (متی باب ۱۲ آیت ۵)

اس آیت میں آسمانی باپ کی مرضی پر چلنے کی تاکید ہے - اور خدا کا یہاں ہونے کے معنے کی تصریح اور تشریح کر دی ہے -
 ”تو مجھے نیک نہ کہ کیونکہ نیک تو ایک ہے (یعنی خدا)“
 (متی باب ۱۹ آیت ۱۷)

خداتعلیٰ قرآن کریم میں حضرت مسیح کی طرف الوہیت منسوب کرنے والوں کو یوں تلقین فرماتا ہے -

لَنْ يَسْتَنِكُفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدَ اللَّهِ

(النساء ۲۲ آیت ۱۷۲)

یعنی حضرت عیسیٰ کو اس امر سے عار نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کا فرمانبردار عبد ہو - قرآن کریم اور اناجیل دونوں اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت مسیح خدا کے بندے تھے اور یہ کہ وہ معبدود نہ تھے - ان کا اصل منصب خدا کا رسول ہونے کا تھا - قرآن کریم میں لکھا ہے -

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرِيمٍ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
رَسُولٌ وَّ امْهٔ صَدِيقٍ كَانَا يَسْأَلُانَ الطَّعَامَ اَنْظُرْ كَيْفَ
نُبَيِّنْ لَهُمْ الْآيَاتِ ثُمَّ اَنْظُرْ اَنِي يَؤْفِكُونَهُ

(المائدہ ۵ آیت ۱۷۵)

یعنی مسیح ابن مریم سوا اس کے اور کچھ نہ تھے کہ وہ رسول تھے اور اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکرے ہیں اُن کی مان بھی تھی جو راستباز تھیں اور مان بیٹا ذونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھئے کس وضاحت سے ہم ان

لوگوں کے لئے آیات بیان کرتے ہیں - تعجب ہے یہ لوگ پھر بھی بھکرے جاتے ہیں - انجیل کی شہادت بھی یہی ہے کہ وہ نبی تھے چنانچہ لکھا ہے -

”اور جب وہ یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں هل چل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے بھیڑ کے لوگوں نے کہا کہ یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے“ (متی باب ۲۱ آیت ۱۰-۱۱)

نیز لکھا ہے

”وہ اس کے پکڑنے کی کوشش میں تھے لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اسے نبی جانتے تھے“ (متی باب ۲۱ آیت ۲۶)

”اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اللہ کھڑے ہوں گے“

(متی باب ۲۳ آیت ۲۳-۲۴)

اس جگہ جھوٹے مسیح کے الفاظ قابل غور ہیں - جس طرح سے نبی کا لفظ عمومیت ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے اسی طرح لفظ مسیح بھی عمومیت

کو بیان کرتا ہے۔ یعنی مسیح کا لفظ بھی مرسل من الله پر بولا گیا ہے۔ یعنی خدا یا خدا کے پیشے کے معنے میں مسیح کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ متى باب ۱۳ کی آخری چار آیات تو نہایت وضاحت کے ساتھ حضرت مسیح کو بطور انسان اور بطور نبی پیش کرتی ہیں۔

”کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں اور آسکی ماں کا نام مریم اور آس کے بھائی کا نام یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہودہ نہیں۔ اور کیا آس کی سب بھینیں ہارے ہاں نہیں۔ پھر یہ ماری باتیں آس کو کہاں سے آگئیں۔ اور انہوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی۔ مگر یسوع نے آن سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ اور آس نے آن کی بے اعتقادی کے سبب وہاں بہت سے معجزے نہ دکھائے“

یہی الفاظ مرقس باب ۶ آیت ۴ میں بھی ہیں۔

”پھر یسوع نے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یوحنا پیتسعہ دینے والا اور بعض ایلیاہ اور بعض نبیوں میں سے کوئی“

(مرقس باب ۸ آیت ۲۸)

یہی مضمون متى باب ۱۶ آیت ۱۳-۱۴ میں دھرا یا گیا ہے۔

اب رہا لفظ ابن اللہ کا استعمال ۔ یہ لفظ توراۃ و انجیل دونوں میں نیک انسان پر بولا گیا ہے ۔ یہودی اور عیسائی سب اس لفظ کو راست باز نیکبخت انسان کیلئے استعمال کرتے تھے چنانچہ ذیل کے مقامات اس کی تو ضیع کرتے ہیں ۔

”مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کھلانئنگے“
(متی باب ۹ آیت ۹)

اس سے معلوم ہوا نیکی کرنے کے نتیجہ میں انسان کو ابن اللہ کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ جب یسوع نے یوحننا سے بیتسمہ لیا ۔ ۔ ۔ تو آسان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے ۔ تجھ سے میں خوش ہوں ۔“

جب حضرت مسیح صلیب پر لٹکے ہوئے تھے تو صوبیدار نے کہا

”یہ آدمی بے شک خدا کا بیٹا تھا ۔“

(مرقس باب ۱ آیت ۱۱)

یوحننا باب ۱۰ آیت ۳۶ تا ۳۹ میں حضرت عیسیٰ نے خود ابن اللہ کی تفسیر کر دی ہے ۔ جب ان کے دشمنوں

نے آن کو صلیب پر چڑھا نے کیلئے آن پر یہ سنگین جرم لگا یا اور کہا ہم تمہیں پتھراؤ کریں گے اس لئے کہ تو کفر بکتا اور اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اس پر حضرت مسیح نے ان الفاظ کی یوں توضیح کی

”اور کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے کہا تم خدا ہو جبکہ آس نے آن کو خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مخصوص کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اس لئے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں ،“

تصنیف را مصنف نکو کند بیان

توراۃ میں بھی ابن اللہ اسی معنے میں استعمال ہوا ہے دیکھئے خروج باب ۴ آیت ۲۲

”اسرائیل خدا کا بیٹا بلکہ پلوٹھا کھلا یا“

الغرض توراة و انجیل دونوں میں لفظ ابن اللہ کو نیک انسان کے معنے میں استعمال کیا ہے - اور بدکردار کو ابلیس کا فرزند کہا ہے - دیکھئے یوحنا باب ۸ آیت ۳۳ -

متی اور لوقا نے حضرت عیسیٰ کا شجرہ نسب دیا ہے شجرہ نسب انسان کا ہوتا ہے نہ خدا کا - اس شجرہ

نسب میں بتایا گیا ہے کہ نسل بعد نسل وہ انسان کے فرزند تھے۔ متی نے ابتدا اس طرح کی ہے:-

یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم کا نسب نامہ - اور آخری جملہ یہ ہے اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا ہے۔ لوقا نے بھی ایک نسب نامہ لکھا ہے اور جیسا کہ مؤلفین ان انجیل کا امتیازی نشان ہے کہ وہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں لوقا اور متی کے نسب ناموں میں اختلافات ہیں جسکا عیسائی مصنفوں نے خود اپنی تفسیروں میں اعتراف کیا ہے۔ متی کا نسب نامہ ابراہیم پر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن لوقا اپنے نسب نامہ کو آدم تک پہنچاتا ہے اور اسکھتا ہے آدم جو خدا کا بیٹا تھا۔ آدم کو خدا کا بیٹا قرار دینے کے معنے یہی ہیں کہ وہ راست باز اور نیک عمل تھا اسی معنے میں مسیح کو ابن اللہ کہا گیا۔

کفارؒ مسیح

حضرت عیسیٰ کبھی تو اپنے آپ کو ابن اللہ کہتے ہیں اور کبھی ابن آدم اور کبھی ابن داؤد۔ لیکن قرآن کریم ہر دفعہ ان کو ابن مریم کر کے یاد کرتا ہے اسکا

مطلوب یہ ہے کہ وہ عورت زاد تھے اور تورات کی رو سے عورت زاد نیک نہیں ٹھہرتا - دیکھو ایوب باب ۵ آیت ۳ -

” وہ جو عورت سے پیدا ہوا کس طرح پاک ٹھہرا ”
 ابن مریم کے الفاظ کو استعمال کر کے قرآن کریم نے عیسائیوں پر حجت قائم کی ہے کہ جسکو تم نے خدا بنا رکھا ہے یا جسکو تم این اللہ کہتے ہو وہ تمہارے مسلمات اور عقائد مذہبی کی رو سے پاک بھی نہیں ٹھہرتا چہ جائیکہ آس کو خدا قرار دیا جائے ۔ امن طرح سے ایک اور لفظ استعمال کر کے قرآن کریم نے لطیف کنایہ سے ظاہر کیا ہے کہ تمہارے عقائد اور مسلمات کے پیش نظر مریم ایک گنہگار عورت تھیں ۔ پیدائش باب ۳ آیت ۱۷ تا ۱ میں سانپ کا حوا کو پھسلانے اور حوا کا اپنے شوہر کو منوع پہل کھلانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سانپ پر خدا کی لعنت ہوئی کہ وہ پیٹ کے بل رینگتا رہیگا اور عمر بھر مٹی و خاک کھایا کریگا اور عورت زاد کو ایڑی پر کاٹا کریگا اور وہ اُسکا سر کچلا کریگا اور عورت کو یہ سزا ملی کہ وہ درد زہ سے بچہ جنیگی اور مرد کو یہ سزا ملی کہ وہ اپنی پیشانی کے پسینے

کی روٹی کھائیگا۔ عورت کی اس سزا کو مد نظر رکھکر قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مریم درد زہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کی طرف دوڑی اور تکلیف کی زیادتی کے باعث چلا آئی اور کہا کاش میں اس وقت سے پہلے ہی مرگشی هرقی اور میرا نام و نشان باقی نہ رہا ہوتا۔

فَاجْمَاعُهَا الْمَخَاضُ إِلَيْهِ جِذْعُ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي

مَتَ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيَّاً مَنْسِيَّاً

(مریم ۱۹ آیت ۲۳)

قرآن کریم نے اس خاتون کو صدیقه اور عفیفہ کہا اور اسکے حق میں کہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُس کو اس زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت بخشی تھی اور اسکو برگزیدہ کیا تھا۔ لیکن بائیبل کی تعلیمات اُس کو گنہگار ٹھہراتی ہیں اس لئے حضرت مریم کی زچگی کا ذکر کر کے ظاہر کیا کہ مریم بھی سزا کے نیچے تھی۔ تمہارا مسیح اُسکا بیٹا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ سے اتنا بھی نہ ہوا کہ اپنی والدہ ماجدہ کو اس سزا سے نجات دلاتے جس سزا کو وہ دور کرنے آئے تھے کفارہ سے اگر گناہ

دور ہو جاتے ہیں تو جو سزا انسان کیلئے خدا نے توراۃ میں تجویز کی تھی اُسکا نام و نشان باقی نہ رہنا چاہئی تھا - لیکن ہم دیکھتے ہیں سانپ بھی برابر پیٹ کے بل رینگتا ہے اور مٹی کھاتا اور انسان کو کاٹتا ہے اور انسان بھی اسکا سر کچلتا رہتا ہے عورت بھی برابر درد زہ سے بچے جتنی ہے حتیٰ کہ خود عیسیٰ کی والدہ ماجدہ کو بھی اس مصیبت سے دوچار ہونا پڑا اور مرد بھی برابر پیشانی کے پسینے سے روٹی کھا رہا ہے - یا تو یہ سزا ہی مضحكہ خیز ہے اور یا حضرت عیسیٰ کا کفارہ بے سود رہا - یا دونوں امر ہی غیر معقول اور مضحكہ خیز ہیں - بھلا سانپ کی فطرت بھی تبدیل ہو سکتی ہے اور کیا عورت زچگی کے وقت ایک قدرتی تکلیف سے بچ سکتی ہے - مرد کیا بغیر کوشش اور محنت اور بغیر پسینے کے اپنی روٹی کما سکتا ہے کسی شخص کے مر جانے سے دوسرے انسانوں کی فطرت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے انسان کو نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی سمجھے عطا کی گئی ہے - اسکو عقل و فہم کے علاوہ نفس لوامہ عطا ہوا ہے جسکو ضمیر یا کا نشنس کہتے ہیں ان دونوں سے اس کو مسلح کر کے اس کو قوت ارادی بھی عطا کر دیگشی ہے اب چاہے تو نیکی کے راستے پر چل کر

فرشتہ بن جائے اور چاہے تو بدی کے راستے پر چل کر
ابليس بن جائے۔

إِنَّاهُدَ يَنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاءَ كَرَأَ وَإِمَّا كَفُورَاً

(الدھر ۶ آیت ۳)

فَمِنْ شَاءَ فَلِيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلِيُكَفِرْ

(الکھف ۱۸ آیت ۲۹)

انسان کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

فَطَرَ اللَّهُ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ

ذَالِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

اس فطرت کو کفارہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ کفارہ میں نہ تو گناہ مٹانے کی طاقت ہے اور نہ ہی انسان کی فطری استعدادوں کو تبدیل کر دینے کی تاثیر ہے تمام کی تمام انسانیت اسی طرح چلتی رہیگی جس طرح قرآن کریم نے اسکی فطرت کا نقشہ کھینچا ہے اس لئے تمام کی تمام انسانیت میں نیک لوگ بھی پائے جائیں گے اور بد بھی۔ مذہب نے انسان کو ضبط نفس کی تعلیم دی ہے جتنا جتنا کسی

شخص نے اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں کر لیا اتنا ہی
آس نے اپنے تئیں اور اپنے ابناۓ جنس کو آرام پہنچایا ۔

بَلِّيْ مَنْ اسْلَمَ وَجْهُهُ لِلَّهِ

یعنی جس شخص نے اپنی تمام قوتوں اور استعدادوں اور سامانوں کو خدا کے سپرد کر دیا اور آسکی فرمانبرداری کا جوا اپنی گردن پر رکھ لیا اتنا ہی آس نے راحت کا سامان اپنے لئے اور اپنے عزیز و اقارب اور اپنی قوم کیلئے پیدا کر دیا ۔ اسکو قرآن کریم دین قیم کہتا ہے کیونکہ اسکو دوام اور ثبات حاصل ہے ۔

سورہ اخلاص اور ابنیت مسیح

اس مضمون کی تکمیل کیلئے سورہ اخلاص پر غور کرنا نہایت مفید اور موجب ازدیاد ایمان ثابت ہو گا ۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ
يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كَفُواً أَحَدٌ

اس سورہ کا نام سورہ اخلاص ہے اس لئے کہ اسمیں خالص طور پر تو حید کا بیان ہے جو باوجود مختصر ہونے کے جامع ہے ۔ اسکا دوسرا نام اساس ہے وہ اس لئے

کہ تمام دین کی بنیاد اور اساس تو حید باری تعالیٰ پر
 ہے کسی آسمانی یا الہیات کی کتاب کا اشرف ترین مقصد
 یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات
 و صفات کی معرفت نصیب ہو - یہ مختصر سی صورت اس
 مقصد کو پورا کرتی ہے اور ان صفات کا بھی ذکر
 کرتی ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات کے شایان شان نہیں ہیں -
 کیونکہ معبد حقیقی کی ان صفات کا بیان کرنا بھی ضروری
 ہے جو انسان کو اسکے خالق و مالک کی طرف راغب کرتی
 ہوں اور ان صفات کا علم دینا بھی ضروری ہے جو
 معبد حقیقی میں بالکل نہ پائی جانی چاہئیں اور جس وجود
 میں اس قسم کی صفات ناقصہ پائی جاتی ہوں انسان
 اس کو معبد تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہو گا دوسرے
 لفظوں میں یہ سورت معرفت اللہی اور اسکے جلال سے
 دل کو منور کر دیتی ہے اور اسکو یہ آگاہی بھی عطا
 کرتی ہے کہ کون کون سی صفات ناقصہ ہیں جو معبد
 حقیقی کی طرف منسوب نہ کرنی چاہئیں - اور جس ہستی
 میں وہ صفات موجود ہونگی اس ہستی کو معبد ہو نے
 کا استحقاق حاصل نہ ہو گا - اس جگہ اس سورہ کا انتخاب
 اس لئے بھی کیا ہے کہ اسمیں جہاں خدا کی توحید کا

ذکر ہے وہاں حضرت عیسیٰ کی ابنتی کا ابطال بھی مذکور ہے۔

اس سورت کا ترجمہ و تفسیر یوں ہے کہ وہ عظیم الشان
ہستی جسکا نام اللہ ہے وہ ایک ہے اور یگانہ ہے یا وہ
ہستی جسکی تلاش میں انسانیت ہے ہو اللہ احد۔ وہ اللہ
ہے جو واحد و یگانہ ہے اس کائنات کا نظام و انتظام دونوں
نہایت ہی با برکت ہیں۔ بے انداز اختلافات کے ہوتے
ہوئے لاجواب وحدت و تعاون موجود ہے۔ اور زمین
و آسمان کے تمام طبقات اور تمام قومیں ہم آهنگ ہیں۔
اور دنیا اس مطابقت اور معاونت و ہم آهنگ کے فوائد
و برکات سے مala مال ہے یہ مشائیدہ اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ اس کائنات کا بادشاہ ضرور ایک ہے اور اگر
اس کائنات کی تدبیر اور حکومت زیادہ ہاتھوں میں ہوتی
تو تعاون نظر نہ آتا بلکہ برکات سہاوی و ارضی کی جگہ
فساد و بگاؤ رونما ہو جاتا اور یہ کائنات ختم ہو جاتی خود
قرآن کریم نے بھی اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے
فرمایا

وَلَسْوَكَانَ فِيهِمَا إِلَهٌ أَوْ إِلَهٌ لَفَسَدَ تَা

(انبیاء ۲۱ آیت ۲۲)

یعنی اگر زمین و آسمان کے اندر مختلف خدا ہوتے تو یہ کارخانہ بگڑ گیا ہوتا اور مختلف خداوں کے علیحدہ علیحدہ علاقہ جات مقرر ہوتے اور وہ اپنے علاقہ جات کی حدود سے تجاوز کر کے فساد عظیم کا موجب بنتے جس طرح یورپ میں مختلف اہل سلطنت حدود سے تجاوز کر کے امن عامہ کو تباہ کر دیتے ہیں اور اموال کے برباد ہو جانے کے باعث ہزاروں انسان مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس کائنات کی حکومت مختلف حکمرانوں کے ہاتھ میں ہوتی تو اس میں فساد کا رونما ہونا لازمی امر ہوتا۔ اس ضمن میں فرمایا

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ الْهُدَى
لَذَّهُبَ كُلُّ الَّهُ بِمَا خَلَقَ لَعْلَى بَعْضٍ هُمْ عَلَى بَعْضٍ

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصْفُونَ (سورة المؤمنون ۲۳ آیت ۹۱)

یعنی اگر خدا کا بیٹا ہوتا یا اس کائنات کا کوئی اور خدا بھی ہوتا تو یہ اپنی اپنی مخلوق کو علیحدہ علیحدہ کر لیتے اور اسکے مالک بن بیٹھتے اور ایک دوسرے ہر زیادتی کرتے پھر کیا تھا طرح طرح کے فسادات یہا پا ہو جاتے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصْفُونَ

خدا کے شریک ٹھہراتے ہو اس طرح خدا کو کمزور اور ناقص اور عیب دار بیان کرتے ہو خدا ایسے عیوب اور نقائص سے پاک ہے ۔ ایشیا اور یورپ کے ایسے بادشاہوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے جن کے ولیعهد کی وجہ سے سلطنت میں سخت فساد برپا ہوا اور کبھی باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا اور کبھی بیٹے نے باپ کو اور اسی طرح سے جب ایک ہی سلطنت میں دومدعاں بادشاہت پیدا ہو گئے تو سلطنت کا کاروبار درہم بڑھ ہو گیا اور لازماً ان دو میں سے ایک کو یا قتل کر دیا گیا ۔ یا ملک بدر کر دیا گیا کیونکہ ایک بادشاہت میں یہ وقت دو حکمرانوں کا وجود کبھی با برکت ثابت نہیں ہوتا ۔ لہذا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس وسیع کائنات کے تمام محکمہ جات کا باہم تعاون و آنکی ہم آہنگ اور زمین و آسمان کی تمام قوتوں اور تمام قوانین کی یک رنگ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک ایک ہی خدا ہے ۔

وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدِ

اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ خدا دو ہیں یا وہ

ہوگ جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا تین ہیں بالبداعت
غلطی پر ہیں اور ان کے پاس سوائے توهہ پرستی کے
ان کمزور اور غیر مفید اعتقادات کیلئے کوئی دلیل نہیں
۔

هَاتُوا بِرْهَا نَكْمَةً كَنْتُمْ صَادِقِينَ

ایران میں کسی وقت یہ اعتقاد پیدا ہوا کہ ایک خدا
نور کا ہے اور دوسرا تاریکی کا یعنی یزدان اور اهرمن
یا ایک خدا خیر کا ہے اور دوسرا شر کا لیکن از روئے
قرآن کریم اللہ تعالیٰ تمام خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے
وہ خالق شر نہیں ہاں البتہ بعض چیزوں کے غلط استعمال سے
شر پیدا ہوتا ہے ۔ مثلاً آگ ایسی نعمت عظمی ہے کہ
اسکے بغیر دنیا کے کاروبار اور انسانوں اور حیوانوں کی
زندگی محال ہے لیکن غلطی سے اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ
جلائے یا کوتاہی سے گھر کو آگ لگا دے یا کارخانے
کو خاک میں مladے تو کیا ہم اس کا ذمہ دار خدا کو
سمجھیں گے جس نے کہ آگ پیدا کی؟ اسی طرح اگر ایک ذہین
انسان سلطنت کو برباد کر دے تو کیا اُسکی ذمہ داری
خدا پر عائد ہوگی؟ اس قسم کے عقائد باطل ہیں اور
نقصان دہ ہیں اس لئے قرآن جو رب العالمین کی طرف سے ہے

اس قسم کے عقائد کا ذکر کرتا ہے اور اس قسم کے عقائد سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے - فرمایا

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَخِذُوا الْهَيْنَ اثْنَيْنَ إِنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ
فَإِيَّاهُ فَارْهَبُونَ (سورة النحل ۱۶ آیت ۵۱)

یعنی دو خدا مت اختیار کرو معبود سوائے ایک خدا کے اور کوئی نہیں پس صرف میرا ڈر رکھو -

اسی طرح سے عیسیٰ اور آن کی والدہ ماجدہ کے دو معبود ہونے کا ذکر ہے - عیسیٰ کی پرستش تو تمام عیسائی کرتے دین لیکن مسیم کو صرف ان مالک میں جہاں رومن کیتھلک مذہب رائج ہے خدائی کا مرتبہ دیا جاتا ہے - انگلستان اور جرمن کا مذہب پرانی ٹسٹنٹ ہے باقی یورپ کے تمام کے تمام لوگ رومن کیتھلک ہیں اور وہ مسیم کے بت کے سامنے تعظیم بجا لاتے اور اسکو خدا کی مان کر کے مخاطب کرتے ہیں اور اس سے دعائیں مانگتے ہیں حضرت عیسیٰ کی حین حیات میں حضرت مسیم کی کوئی بھی حیثیت نہ تھی - انجلیل کے مختلف مقامات پر جہاں اسکا ذکر آتا ہے وہاں کہیں بھی ان کا احترام نظر نہیں آتا - پولوس کے زمانہ سے اس کو خدا کی مان کا خطاب ملا پولوس نے یونانی و

مصری مائی تھالوجی کی تقلید میں مریم کا رتبہ بڑھانا شروع کیا۔ جسکا ترقی یافتہ رنگ وہ ہے جسکا ابھی ذکر ہوا اس کے متعلق قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ سے جو پرسش ہوئی اس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عَيْسَى أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسَ أَتَخْدُونِي
وَأَذْقَالُ اللَّهُ يَا عَيْسَى أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسَ أَتَخْدُونِي

وَأَمِي الْمَهِينِ

یعنی اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا تسلیم کرو اس پر حضرت عیسیٰ معدودت پیش کرتے ہیں۔ الغرض خدا دو نہیں ہیں۔

اسی طرح خدا تین بھی نہیں ہیں فرمایا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ
صَرِيمٍ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنُ إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّ
وَرَبِّكُمْ أَنَّهُ مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَا وَالِهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ

لَقَدْ كَسَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا
 مِنَ الْهُنَّ إِلَّا هُنَّ وَاحِدٌ

(سورہ المسائدہ ۶ آیت ۷۲ ، ۷۳)

ان آیات میں عیسائیوں کے متضاد اعتقادات کا ذکر کیا ہے - کہ وہ ایک طرف تو عیسیٰ ہی کو خدا قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف تثلیث کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ خدائی کے تین اقوام ہیں خدا باپ - خدا بیٹا اور خدا روح القدس یہ اعتقادات صحیح نہیں ہیں بلکہ صریح کفر ہیں اور ان کی بنیاد کسی علم پر نہیں بلکہ ان کی بنیاد بے علمی اور تو ہم پرستی پر ہے - اور کبھی بھی کسی پادری نے ان اعتقادات کے متعلق کوئی علمی دایل پیش نہیں کی بلکہ کہتے ہیں کہ یہ بھیہد ہے جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے اور بغیر سمجھنے کے اس پر ایمان رکھتے ہیں - ان کے اس اعتراف کا ذکر بھی قرآن کریم نے کیا ہے -

وَيَسْذَرُ الَّذِينَ قَالُوا اتَخْذَ اللَّهَ وَلِدًا مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ
 عِلْمٍ وَلَا لِأَبَاءِنَهُمْ كَبَرُتْ كِلْمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ

اَنْ يَقُولُونَ اَلَاَ كَذِبَأَ

(الکھف ۱۸ آیت ۵-۷)

یعنی اس عقیدہ کے لئے عیسائیوں کے ہاتھ میں قطعاً کوئی علمی دلائل نہیں ہیں اور اسی طرح ان کے آباء و اجداد بھی اس معاملہ میں بالکل تہید مت ہیں ۔ پادری صاحبان تو اپنے عقیدے کے حق میں دلائل پیش کرنے سے اپنے عجز اور اپنی بے علمی کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح سے اُن کے وہ بزرگ جنہوں نے یہ عقیدہ تراشا تھا وہ بھی علم کی روشنی سے بے ہم تھے ۔ اس عقیدہ کے تجویز کرنے والوں میں ٹرٹولین ۔ جسٹن مارٹر۔ سینٹ جروم کے نام پیش پیش ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس عمارت کی اساس رکھنے والے بھی جاہل مطلق ہیں چنانچہ جسٹن مارٹر سینٹ جروم اور ٹرٹولین بھی اندھی تقلید کی تلقین کرتے ہیں ۔ اور اپنی بے نوری کا اعتراف کرتے ہیں ۔ قرآن کریم کی یہ آیات مسلمان کے ایمان کے ازدیاد کا باعث ہیں کہ وہ غلط عقائد کے قلعہ کو کس طرح مسہار کر کے رکھ دیتی ہیں اور کتنے بڑے علم کا اظہار کرتی ہیں یہ محیط و باریک علم سوانح خدائی علیم و حکیم کے کسی دوسرے کو میسر نہیں آ سکتا تھا ۔ اس نے یہ علم اپنے حبیب پاک کو قرآن کریم کے ذریعہ سے عطا کیا اور اُس نے دنیا کو

اس سے آجاگر کر دیا اور اس کی برتری اور عظمت کو
دلوں میں بٹھا دیا ۔ کیا ایسی کتاب کو علوم دینیہ
مستعار لینے کی احتیاج ہے اور پھر ان کتابوں سے جن
میں اس قسم کے بے بنیاد و باطل عقائد درج ہیں ۔
یہ کتاب تو اللہ آن کو ملامت کرتے ہوئے ذیل کے
الفاظ میں راہنہائی کرتی ہے ۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابَ لَا تَغْلُبُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا
عَلَى اللَّهِ إِلَالْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ
مَرِيمٍ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلْمَتُهُ الْقَاتِلَى مَرِيمٍ وَرُوحٍ
مِنْهُ فَمَا مَنَوا بِاللَّهِ وَرَسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ
إِنْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ
أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
وَكَفَى بِاللَّهِ وَكَيْلًا لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ
عَبْدَ اللَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقْرِيونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفُ

عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرُ فَسِيْحَشْرَهْمَ الْيَهُ جَمِيعاً

(النساءہ آیت ۱۷۱-۱۷۲)

یعنی اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو اور اللہ کی نسبت سوائے حق کے کچھ نہ کہو مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کا رسول اور اُس کی پیش گوئی ہے جو اُس نے مریم کی طرف القا کی اور اُس کی طرف سے روح ہے سو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاو اور مت کہو تین ہیں باز آ جاؤ تمہارے لئے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی معبد ہے ۔ وہ امر سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا ہو۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔ مسیح ہرگز برا نہیں مناتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو کوئی اس کی بندگی کو برا منائے اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا ۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بزرگ پیغمبروں میں سے تھے اور انہوں نے کبھی بھی خدا کی توحید سے انحراف نہیں کیا ۔ اور نہ ہی اس کی عبادت سے متہ موڑا ۔ ان ایات میں حضرت مسیح کا

اعلان یوں درج ہے -

اَنَّ اللَّهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ

اور انحصار میں بھی آن کی اس تعلیم کا ذکر موجود ہے
دیکھو متی باب ۴ آیت ۱۰

” تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اس اکیلے کی
بندگی کر ”

اس بیان سے معلوم ہوا کہ قل ہوا اللہ احمد میں جو
نظریہ پیش کیا گیا ہے وہی درست ہے اور وہی معقول و
مفید اور با برکت ہے - اس کے بعد فرمایا

اللَّهُ الصَّمَدُ

خدا جو اس کائنات کا خالق و موجود ہے وہی اس کے قیام
کا بھی باعث ہے - اور وہی کائنات کے قیام کے لئے رسدرسانی
کے سامان مہیا کرتا ہے اور اسکے خزانوں میں کبھی کمی
واقع نہیں ہوتی -

وَ اَنَّ مِنْ شَيْءٍ اَلَا عَنَّدَنَا خَزَائِنُهُ

جس طرح خالق و موجود ہونا ایک لا محدود طاقت اور

لا محدود علم کا مقتضی ہے اسی طرح اس وسیع کائنات کی
ساری مخلوقات کی پرورش و نشو و نما اور ربویت کے سامان
وسیع پیمانے پر کرنا بھی بڑی حکمت اور بڑے علم اور بڑی
قدرت اور رحمانیت و رحمیت کے صفات حسنہ کے پائے
جانے کا مقتفي ہے ۔

الصمد امام رازی اس پر لکھتے ہیں

اَنَّهُ فَعَلَ بِمَعْنَى مَفْعُولٍ مِّنْ صَمْدٍ اِلَيْهِ اِذَا قُصِدَهُ هُوَ

السَّيِّدُ الصَّمْمُودُ اِلَيْهِ فِي السُّحُوا ثُبِّجٌ

اور امام راغب کہتے ہیں

الصَّمْدُ السَّيِّدُ الَّذِي يَصْمَدُ اِلَيْهِ فِي الْأَمْرِ

یعنی صمد وہ ہے جس کی طرف ہم تمام قسم کے حوابیع
اور ضروریات کے پورا کرنے کے لئے رجوع کریں ۔
یعنی جس کی طرف اس کی مخلوقات اپنی تمام حاجات کے
پورا کرنے کے لئے متوجہ ہو ۔ ماحصل یہ کہ وہ خالق
بھی ہے اور تمام حاجات کے لئے مستکفل بھی ۔ یہ وہی
مضمون ہے جس سے قرآن کریم کی ابتداء کی گئی ہے یعنی
الحمد لله رب العالمين ۔ قرآن کریم جس مضمون سے شروع

ہوا اسی پر ختم ہوا اور صرف اہل ذوق ہی اس کمال کا لطف آٹھا سکتے ہیں ۔ توحید ہی مذہب اسلام کی ابتدا ہے اور توحید ہی اس کی انتہا ہے ۔ توحید ہی اس کی اساس ہے اور توحید ہی اس کی عمارت ہے ۔ سورہ الحمد کو رسول کریم ﷺ نے آم القرآن فرمایا ۔ اور سورہ اخلاص کو الاساس فرمایا سورہ الحمد کے بطن میں وہ تمام علوم موجود ہیں جو قرآن کے متن میں تفصیل کئے ساتھ بیان کئے گئے ہیں ۔

حضرت عیسیٰ نہ تو خالق السموات والارض ہیں اور نہ ہی آسکرے قیام کے وہ ذمہ دار ہیں انکو خدائی کا رتبہ دینا انتہا درجے کی کم فہمی ہے ۔ معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور جو اپنی مخلوق کی ربویت کیلئے تمام ضروری سامان مہبیا کرتا ہو ۔ اور جو ہستی ان صفات سے عاری ہو اسکو خدا سمجھنا مضبوکہ خیز حرکت ہے بالخصوص وہ ہستی جو سرتاپا محتاج ہو اور عجز و مسکت کا مجسمہ ہو اسکو خدا مان لینا بوعجبی ہے ۔ خدا تعالیٰ اس بات پر زور دینے کیلئے لفظ اللہ کو دھراتا ہے اللہ وہ ہے جسکی شان احادیث ہو اور اللہ وہ ہے جسکی شان صمدیت ہو اور یہ دونوں شانیں معبود ان باطلہ میں

کبھی نہ پائی جائیں گے ۔

لِمْ يَلِدْ وَ لِمْ يُوْلَدْ خَدَا جَنَّتَا نَهْيَنِ هے کیونکہ جو وجود جنتا
ہے وہ مرنے والا ہوتا ہے اور جو جنایا جاتا ہے ۔
وہ کسی وقت عدم کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پھر
فنا کے پیٹ کے اندر چلا جاتا ہے ۔ لِمْ يَلِدْ کو
پہلے رکھا ہے کیونکہ عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ
خدا کا بیٹا تھا

اَلَا اَنْهُمْ مِنْ اَفْكَاهِمْ لَسِقْوَلُونَ وَلَدُ اللَّهِ

اسکی تکذیب کیلئے لِمْ يَلِدْ پہلے رکھا ہے اسکو سورہ
اسرائیل میں یوں ادا کیا ہے

وَلَمْ يَسْتَخْذِ وَلَدًا

خدا کا اگر کوئی بیٹا ہو تو اسکے اندر خدا کی صفات کا
ظاہرہ ہونا چاہئے ورنہ بغیر باپ کی صفات کے اُس کو
کس طرح باپ کی طرف منسوب کر سکتے ہیں ہم کیوں
بچھڑے کو یا بکری کے بچے کو گھوڑے کا بچہ تسلیم نہیں
کرتے ۔ کیونکہ ان میں گھوڑے کی صفات و عادات مفقود
ہوتی ہیں اگر عیسیٰ خدا کا بیٹا تھا تو وہ خالق ہوتا اور

عالم الغیب ہونا اسکی صفات میں سے ہوتا اور آس کو دوسری مخلوق کی طرح احتیاج لاحق نہ ہوتی لیکن وہ تو دوسری مخلوقات کی صفات میں شریک نظر آتا ہے ۔ اور وہ خدائی طاقت اور خدائی علم کو اپنے اندر رکھنے کا انکار کرتا ہے پس خداتعلیٰ کا یہ فرمانا درست ہؤا کہ لم یلد یعنی خدا نے کچھ نہیں جنا اسلئے وہ مر نے والا نہیں ہے جتنے کے لئے باپ کے علاوہ ماں کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور ماں کا اسی جنس سے ہونا ضروری ہوتا ہے جس جنس کا باپ ہو جنس کو جنس سے الفت و پیار ہوتا ہے کوئے اور فاختہ مل کر اکٹھے نہیں بیٹھتے ۔ انسان صرف انسان سے موافقت کرتا ہے ۔ مرد اور عورت ایک ہی جنس سے ہیں

وَجْعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا

یعنی خدا نے تمہارے ہی جنس کی ازواج تمہارے لئے پیدا کی ہیں ۔

وَجْعَلَ بَيْنَكُم مُّوْدَةً وَرَحْمَةً

اسی لئے تمہارے درمیان مسودۃ و رحمۃ کے جذبات ہیں ۔ اس قانون کے پیش نظر خدا کیلئے بھی خدا کی جنس سے زوج کا ہونا ضروری ہے

وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

لیکن اس کی مثل دنیا میں قطعاً کوئی نہیں ہے ۔ نیز فرمایا

أَنِّي يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ

بھلا آسکے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو جبکہ آسکی جورو ہی
نہیں ۔

لِمْ يَلِدْ - جس کسی ہستی میں جتنا پایا گیا وہ معبد
نہیں ہو سکتی ۔ مریم نے بیٹا جنا اسلئے وہ معبد نہیں ہو سکتی
اور جس ہستی میں جنسر کی صفت پائی گئی وہ موت کا شکار
ہے ۔ اور جو مرتا ہے وہ معبد نہیں ہو سکتا ۔ لِمْ يَلِدْ جس
نے جنا وہ ضرور ہے کہ خود بھی پیدا ہوا ہو ۔ اور جو عدم
سے وجود میں آتا ہے ۔ وہ معبد نہیں ہو سکتا مریم بھی عدم
سے وجود میں آئی تھی وہ معبد کیسے ہو سکتی ہے ۔ فرمایا

وَلَمْ يَتَخَذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ

(الفرقان ۲۵ آیت ۲)

خدا نے نہ کسی کو جنا کہ اسکا حقیقی بیٹا کھلانے اور
نہ ہی کسی کو بیٹا بنا لیا کہ وہ آسکی حکومت میں ہاتھ

بٹائے یا اُسکے گزر جانے کے بعد اسکی سلطنت کا وارث ہو ۔

ولم یولد ۔ معبد وہ نہیں ہوتا جو کبھی معدوم ہو اور عدم سے وجود میں آئے اور پھر عالم عدم میں چلا جائے اس قسم کی صفات والے وجود کو خدا تسلیم کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو خدا داد عقل سے کام لینا ترک کر دیں ۔ وہ جو ازل میں معدوم تھا پھر وجود میں آیا اور پھر ابد میں معدوم ہو گیا کیسے خدا ہو سکتا ہے ۔

اس حصہ تعلیم کا ذکر بھی خدا تعالیٰ نے سورہ الحمد میں کر دیا ہے اور اس قسم کا اعتقاد رکھنے والوں کو جادہ صواب سے منحرف بیان کیا ہے ۔ جیسا کہ لفظ ضالین کا مفہوم ہے ۔ سورہ فاتحہ جس سے قرآن کریم کی ابتداء ہوتی ہے الضالین یعنی نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر کرتی ہے ۔ اور سورہ اخلاص جو کلام النبی کی انتہا ہے نصاریٰ کے اعتقاد کا ذکر

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

میں کرتی ہے قرآن کریم نے ایسا کرنے سے اس اعتقاد کو بہت اہمیت دی ہے ۔ اور اپنے متبوعین کو ایسے اعتقاد کے رکھنے والوں سے چوکس رہنے اور آن کے اتباع سے اجتناب کرنے کا

سبق دیا ہے کتاب کے شروع میں بھی ایسا اعتقاد رکھنے والی قوم کا ذکر ہے اور آخر میں جب صفات الہی پر بحث کی تو پھر ان لوگوں کے اعتقاد کا ذکر کیا ۔ معلوم ہوتا ہے عیسائیت کا فتنہ نہایت ہی خطروناک ثابت ہونے والا تھا جس سے بچنے کیلئے آسکو اتنی اہمیت دی گئی اور جس کی تفصیلات پر اتنی بحث کرنی پڑی ۔ عیسائی ممالک نے مل کر اسلام پر اور بانی اسلام پر صدیوں سے یورش کر رکھی ہے ۔ جب سے مسلمانوں نے یورپ کے مشرق و مغرب کو فتح کیا اسوقت سے لیکر اسوقت تک یورپ کے عیسائیوں نے کئی تدابیر سے اور کئی رنگوں میں اسلام کو بدنام کرنا شروع کر رکھا ہے ۔ ان کی سلطنت کے مددگارین اور ان کے ماہرین سیاست اور آن کے پادری اور آن کے عالم اور آن کے مصنفین غرضکہ سب قسم کے لوگوں نے اسلام پر گولہ باری کی ہے ۔ آئے دن اسلام کے خلاف نئی کتابیں اور رسالے شائع کئے جاتے ہیں ۔ اور تمام اسلامی ممالک میں پادری مرد یا پادری عورتیں مسلمانوں کو اسلام سے برگٹھے کرنے میں مشغول ہیں یورپ اور امریکہ کا ہر ایک ملک اپنے مبلغین کی فوجوں کی فوجیں ممالک اسلامی میں بھیجتا

ہے اور وہاں پر ہسپتال اور سکول اور کالج قائم کرتا ہے جن میں مسلمانوں کے لٹکے اور بڑکیاں ان کے زیر اثر تعلیم پاتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان عیسائی ہو گئے اور جو گمراہ نہیں ہوئے ان پر ان لوگوں کا اثر ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ اس فتنہ سے بچنے کیلئے قرآن کریم نے اس اعتقاد کو اتنی اہمیت بخشی کہ ہر مسلمان بچے کو یہ دونوں سورتیں سکھائی جاتی ہیں جو آن کو نماز میں پڑھتا ہے۔ اسمین ایک تو توحید خالص اور توحید کامل کا سکھا دینا مطلوب تھا اور دوسری غرض یہ بھی تھی کہ مسلمان اس فتنہ سے خافل نہ ہوں بلکہ اس فتنہ کا دفعیہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ ظاہر ہے کہ جس وسعت اور جس مقدار اور جس مضبوطی کا فتنہ ہو اسی پیمانے پر اسکا دفاع بھی ہونا چاہیئے۔ کچھ عرصہ سے مسلمانوں کی طرف سے بعض ممالک غربیہ میں دفاع کا کام شروع ہو چکا ہے۔ وہ دفاع وسعت میں اگرچہ کم ہے لیکن مضبوطی میں ایسا ہے کہ دشمن بھی اس سے خائف ہے۔ یہ دفاع معقولیت میں ایسا دلکش ہے کہ روشن خیال یورپیں اس کی وجہ سے حلقوں بگوش اسلام ہو رے ہیں مبارک

ہیں وہ جنکو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کی توفیق دی تھام مسلمانوں کو ان سے تعاون کرنا چاہئے تاکہ یہ ضروری فریضہ وسیع پیمانہ پر سرا نجات دیا جاسکے ۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ ۔ خدا کی شان کا اور خدا کے پائے کا یا اس کا ہم پلہ کبھی کوئی نہیں ہوا جہاں خدا تعالیٰ کی صفات خالقیت اور آسکے محیط علم اور آسکی وحدانیت اور آسکی صمدیت کے کرم و فیض عامہ کا ذکر کر کے آسکے جلال اور آسکی عظمت اور آسکی کبریائی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا وہاں پر آن صفات سلبیہ کا بھی ذکر کیا جو آسکی ذات میں موجود نہیں ہیں اور جس ذات میں یہ صفات پائی جائیں وہ معبدود ہوئے کا استحقاق نہیں رکھ سکتا تو آخر میں ایک جامع افظ استعمال کیا کہ آن صفات محمودہ کا خالق و مالک و محسن خدا بے مثل اور بے عدیل ہے اور آسکی ذات کے سوا اور کہیں بھی اس عظمت و جلال اور اس رحمت اور کرم کا سر چشمہ دیکھنے میں نہ آئیگا ۔

اگر عیسائی علماء و فضلا قرآن کریم کی ان تعلیمات پر غور کریں تو آن کو نظر آجائیگا کہ اصل المہیات کی کتاب قرآن کریم ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات

پر ایسی بحث کرتی ہے جس سے دل میں تسکین پیدا ہوتی اور جس سے انسان خدا سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اور آسکی عبادت کرنے اور اسکے احکام کی تعمیل کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے موضوع اور اس قسم کی ابحاث تورات اور اناجیل میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جس سطح تک آس زمانہ کے لوگوں کی قابلیت پہنچی تھی اسی سطح اور اسی معیار پر توراة اور اناجیل کے نظریات ہیں اور ان نظریات میں اور قرآن کے معارف عالیہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

قرآن میں محدثات اور متشابہات کی اصول

عیسائیت پر مفصل بحث کر کے قرآن کریم نے دکھایا ہے کہ اس مذہب کی بیان کردہ تعلیمات دربارہ تثلیث و کفارہ عقل کے خلاف ہیں اور فطرت انسانی کے بھی خلاف ہیں اور نہایت ضرر رسان ہیں اس قسم کی تو ضیحات و تشریحات کے بعد قرآن کریم عیسائیوں کو گمراہی سے نکالنے کیلئے ایک اصول بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے:-

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مَصْدِقًا لِّمَا بَيْنَ أَيْدِيهِ وَأَنْزَلَ التُّورَةَ وَالْإِنجِيلَ مِنْ قَبْلِ هَذِهِ لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ هُوَ الرَّزِّيُّ أَنْزَلَ عَلَيْكَ

الكتاب منه آيات محكمات هن آم الكتاب و آخر
 متشابهات فاما الذين في قلوبهم زيف فيتبعون
 ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله
 وما يعلم تاویله الا الله والراسخون في العلم
 يقولون أمنا به كل من عند ربنا وما يذكر الا
 أو لو الالباب ۰ (آل عمران باب ۳ آیت ۳ تا ۶)

یعنی ہم نے لوگوں کی رہنمائی کیلئے انجیل و تورہ نازل
 کی اور قرآن کریم کو بطور فرقان کے نازل کیا - قرآن
 کریم میں ہم نے اصول دین بھی بیان کئے جن کو محکمات
 کہتے ہیں اور وہ واضحہ" المعنی ہوتے ہیں ان
 کے علاوہ کلام متشابہ بھی ہوتا ہے جسمیں مجاز
 اور استعارہ ہوتا ہے - ہر وہ کلام جسمیں استعارہ اور
 مجاز ہو اسکو محکمات کی روشنی میں حل کرنا چاہئے -
 استعارہ اور مجاز ہمارے اعتقادات کی اساس نہیں ہو سکتے
 جو شخص محکمات کو چھوڑ کر مجاز و استعارہ پر اپنے
 اعتقادات کی بنیاد رکھتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے - اور
 دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتا ہے ماہرین کلام علم
 ادب جانتے ہیں کہ مجاز و استعارہ کتاب کا زیورو ہوتا

ہے۔ مجاز و استعارہ سے کلام نہایت مؤثر ہو جاتا ہے کتاب آسمانی ہو یا زمینی آسکرے لئے مجاز و استعارہ کا استعمال آسکی فصاحت و بلاغت کو چار چاند لگا دیتا ہے اس لئے یہ کہہ دینا جائز نہ ہو گا کہ خدا نے آسمانی کتابوں میں مجاز و استعارہ کیونکر جائز رکھا اس قسم کے اعتراض کرنے والا شخص علم ادب کے متعلق اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ہے۔

وآیه "لهم الأرض الميتة"

یعنی مردہ زمین پر غور کریں تو اسمیں آن کیلئے ایک سبق ہے

اذا انزلنا علیها السماء

یعنی جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں

انبیت وربت واهتزت

تو اس زمین میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ نباتات آگ آتی ہے پھر وہ بڑھتی ہے اور سرشار ہو کر جھومتی ہے۔ اسی طرح سے آسمانی وحی سے دلوں کی مردہ زمینوں میں زندگی پیدا ہو جائیگی یہ کلام استعارہ و مجاز کے باعث زیادہ مؤثر ہو گیا۔ قرآن کریم میں لکھا ہے ظالموں پر تباہی آئی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَلَا الْأَرْضُ

تو آن ہر نہ آسان رویا اور نہ زمین - اس کلام میں استعارہ استعمال ہوا جس سے کلام نہایت پر شوکت اور نہایت مؤثر ہو گیا لیکن اگر کوئی شخص اس کلام میں یہ سمجھنے لگے کہ آسان کی بھی آنکھیں ہوں گی جن میں سے آنسو بہترے ہوں گے تو یہ اُسکی غلطی ہو گی اس طرح انجیل میں بھی استعارہ استعمال ہوا ہے - چنانچہ ایک دفعہ چھرت عیسیٰ نے یوں فرمایا

”یسوع نے جواب میں نیکڈیمس سے کہا میں تجوہ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا نیکڈیمس نے اس سے پوچھا آدمی جب بوڑھا ہو گیا تو کیونکر پھر پیدا ہو سکتا ہے کیا وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ میں داخل ہو کر پیدا ہو سکتا ہے - حضرت یسوع نے اپنے کلام میں استعارہ استعمال کیا تھا لیکن سننے والا آن کے کلام کو نہ سمجھا اگرچہ وہ یہودیوں کا ایک سردار تھا،

(یوحنا باب ۳ آیت ۵-۳)

نیکڈیمس نے مشابہ کلام کا مفہوم غلط سمجھا اس لئے اس نے کہا حضور بوڑھے آدمی کا دوبارہ ماں کے پیٹ میں

داخل ہو کر پھر پیدا ہونا ناممکن ہے ۔

اسی طرح انجیل میں ایک اور کلام مندرج ہے ۔ اس دفعہ ایک پانی بھرنے والی عورت مخاطب ہے ۔ یہ عورت بھی حضرت عیسیٰ کا کلام نہ سمجھ سکی وہ کلام یہ ہے ۔ ”سامریہ کی ایک عورت پانی بھرنے آئی یسوع نے اسے کہا مجھے پانی پلا ۔ کیونکہ اُس کے شاگرد شہر میں کھانا مول لینے کو گئے تھے اس سامری عورت نے اس سے کہا کہ تو یہودی ہو کر مجھے سامری عورت سے پانی کیوں مانگتا ہے ۔ کیونکہ یہودی سامریوں سے کسی طرح کا بر تاؤ نہیں رکھتے یسوع نے جواب میں کہا اگر تو خدا کی بخشش کو جانتی اور یہ بھی جانتی کہ وہ کون ہے جو تجھ سے کہتا ہے مجھے پانی پلاو تو تو اس سے مانگتی اور وہ تجھے زندگی کا پانی دیتا آسنے کہا اے خداوند تیرے پاس پانی بھرنے کو تو کچھ نہیں اور کنوں گمراہے پھر وہ زندگی کا پانی تیرے پاس کھاں سے آیا ۔ ۔ ۔ مجھ کو دے تا کہ میں نہ پیاسی ہوں اور نہ پانی بھرنے کو یہاں تک آؤں ۔“

(یوحنا باب ۱۱ آیت ۷ تا ۱۵)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح نے ایک شخص کو

دیکھا کہ اُس نے پانی میں چال ڈال رکھا تھا تاکہ
مچھلیاں پکڑئے تو اُس کو کہا

”میرے پیچھے ہو لے میں تم کو مچھلیوں کی بجائے آدمی
پکڑنے والا بنا دوں گا“

اس طرح کشی ایک جگہ کھانا کھانے پیٹھے تو کہا
”میں زندگی کی روٹی ہوں“ - دوسری جگہ کہا کہ
”انگور کا درخت ہوں“

اب اس سے ذرا اوپر کی سطح کے استعارات ملاحظہ
ہوں -

یہودیوں کو اپنے باپ ابراہیم کی اولاد ہونے کا فخر تھا۔
ان کو کہا تم ابراہام کی اولاد نہیں ہو۔ بلکہ تم ابليس کی اولاد
ہو۔ کیونکہ تمہارے اعمال ابراہام کی طرح نہیں بلکہ
ابليس کی طرح ہیں۔ (یوحنا باب ۸ آیت ۳۹ - ۴۰)

اسی طرح سے پطرس سے کہا ”اے شیطان میرے مامنے سے
دور ہو جا“ (متی باب ۲۶ آیت ۲۳)

حضرت عیسیٰ کو بھی احساس ہے کہ ان کا کلام تمثیلوں
سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا

”میں نے یہ باتیں تم سے تمثیلوں میں کہیں“

اور سننے والوں کا مکرر اعتراف ہے کہ ہم نے آپ کے کلام کا مفہوم نہیں سمجھا۔ اس قسم کی بہت سی تمثیلات ہیں جن میں اشارے و کنایات اور استعارات ہیں۔ لیکن ذیل میں اس قسم کے دو کلام دیکر اس باب کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے فرمایا

(۱) ”تمہاری کمریں بندھیں رہیں اور تمہارے چراغ
جلتے رہیں“۔
(لوتا باب ۱۲، آیت ۳۵)

اس حکم کی حقیقت کو نہیں سمجھا گیا اور آن الفاظ کے ظاہری معنوں کو دین کا نہایت ضروری حصہ قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ رومان کیتھلک پادری مرد اور عورتیں اپنی کمریں باندھے رکھتے ہیں اور دن کے وقت گرجا میں بتیان جائے رکھتے ہیں۔

(۲) ”زندگی کی روٹی میں ہوں تمہارے باپ دادا نے بیابان میں من کھایا اور مر گئے۔ یہ وہ روٹی ہے جو آسمان سے آتی۔ اگر کوئی اس روٹی میں سے کھائے تو اب تک زندہ رہے گا۔ بلکہ جو روٹی میں جہان کی زندگی کے لئے دونگا وہ میرا گوشت ہے۔ یہ سن کر لوگ آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ شخص اپنا گوشت ہمیں کیونکر کھانے

کو دے سکتا ہے۔ یسوع نے آن سے کہا میں تم سے سچ سچ
کہتا ہوں کہ جب تک ابن آدم کا گوشت نہ کھاؤ اور اسکا
خون نہ پیو تم میں زندگی نہیں۔ جو میرا گوشت کھاتا اور
میرا خون پیتا ہے ہمیشہ کی زندگی آس کی ہے اور میں
آسے آخری دن پھر زندہ کروں گا کیونکہ میرا گوشت
فی الحقيقة کھانے کی چیز ہے اور میرا خون فی الحقيقة
پینے کی چیز ہے جو میرا گوشت کھاتا اور میرا خون پیتا
ہے وہ مجھے میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں۔ جس طرح زندہ
باپ نے مجھے بھیجا ہے اور میں باپ کے سبب سے زندہ
ہوں اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھائیگا میرے سبب سے زندہ
رہے گا جو روٹی آسان سے آتری یہی ہے تمہارے باپ دادا
کی طرح نہیں کہ کھایا اور مر گئے جو یہ روٹی کھائیگا۔
وہ ابد تک زندہ رہے گا یہ باتیں آس نے کفرنحوم کے ایک
عبادت خانہ میں تعلیم دیتے وقت کہیں اس لئے اس کے
شاگردوں میں سے بہتوں نے سن کر کہا کہ کلام ناگوار
ہے اسے کون سن سکتا ہے” (یوحنا باب آیات ۷۲ تا ۶۱)
انسان کا گوشت کھانا تو افریقہ کی وحشی اقوام میں پایا
جاتا ہے۔ مہذب دنیا کے لئے یہ نہایت ہی ناگوار ہے۔ مسیح
کے شاگردوں نے بھی اس کلام کو ناگوار کہا لیکن مہذب

یورپ کے عیسائی اتوار کی صبح کی عبادت میں صدیوں سے برابر اس رسم کو ادا کرتے چلے آ رہے ہیں - ہر ایک شخص کو جو اس عبادت میں شریک ہوتا ہے روٹی کا ایک ٹکڑا اور تھوڑی سی شراب دی جاتی ہے - وہ روٹی کو حضرت مسیح کا گوشت سمجھ کر کھاتا اور شراب کو حضرت مسیح کا خون یقین کر کے پیتا ہے - مشرق و مغرب کے گرجے اور ہند و پاکستان کے اکثر گرجے اتوار کے دن صبح کی عبادت کے وقت اس رسم کو ادا کرتے ہیں - اس رسم کا نام ہولی کمیونین (اعشاء ربانی) ہے - چھوٹے درجے کے گرجوں کو یہ عبادت نصیب نہیں ہے - یہ صرف اونچے پائے کے کیتھیڈرلوں میں ادا کی جاتی ہے -

الغرض استعارہ اور مجاز کا استعمال جو انناجیل میں بکثرت پایا جاتا ہے - اس بات کا باعث ہوا کہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیا گیا - اور الفاظ کی ظاہری پابندی کا نام مذہب اور عبادت الہی قرار دیا گیا - قرآن کریم نے مذہب کی بہت بڑی خدمت کی ہے جو اس اصول کو بیان کیا کہ آسمانی کتابوں میں محکمات اور متشابہات دونوں قسم کا کلام ہوتا ہے - محکمات اصول ہوتے ہیں جن پر دین و مذہب کی بنیاد ہوتی ہے -

اور وہ حصہ جو متشابهات کھلاتا ہے۔ اس کو دین کی اساس نہ بنانا چاہئے۔ بلکہ جہاں متشابہ کلام ہو اس کو محکم کلام کی روشنی میں حل کر لینا چاہئے۔ اس سے مشکلات دور ہو جاتی ہیں اور انسان ٹھوکر کھانے سے بچ جاتا ہے ورنہ صحیح راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس اصول کو بیان کر کے مذہبی دنیا کی دستگیری کی ہے اور یہ روشنی پیدا کر دی ہے کہ مذہب وہ ہے جو بصیرت پر قائم ہو۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

علیٰ بصیرة انا ومن اتبعوني

میں اور میرے تابعین روشنی اور دلائل پر قائم ہیں اور ہمارے دین کے ہر حصہ کیلئے دلائل ہیں جو اسکے متبوعین کے دلوں میں ایقان و ایمان کی روشنی پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے وہ نہایت استقلال واستقامت کے ساتھ مذہب اسلام پر قائم ہو جاتے ہیں۔

•
مشلًا اللہ تعالیٰ کا فرمانا

خلق السموات والارض بالحق وصور کسم فاحسن.
صور کسم و اليه المصير يعلم مافي السموات والارض

و يعلم ما تسررون وما تعلمنون والله عليهم بذات
 الصدور (التجابن ۶۳ آية ۳ ، ۴)

یعنی خدا نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ۔
 اور اس نے تم کو ایک خوبصورت خلقت عطا کی ۔ خدا
 تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق ہونے کی وجہ سے کائنات
 کی ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے اور انسان کا
 خالق و موجد ہونے کے باعث انسان کے تمام آن اعمال کو
 جانتا ہے اور آن خیالات سے واقف ہے جو وہ چھپا کر
 کرتا ہے ۔ اوز جو وہ ظاہر طور پر کرتا ہے ۔ کیونکہ
 خدا دل کے ارادوں اور نیات پر نگاہ رکھتا ہے جو تمام
 اعمال کا منبع ہے

یہ کلام اور یہ طرز کسقدر معقول ہے اور
 کسقدر دل نشین ہے اور کسقدر مؤثر ہے اور کیسے
 صحیح طور پر دلوں کے اندر طہارت و پاکیزگی پیدا
 کرنے کا ذریعہ ہے ۔ فرماتا ہے

خلق کل شئٰ و هو بكل شئٰ علیم

(الانعام ۹ آیت ۱۰۲)

چونکہ وہ تمام کی تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اس لئے

اس کا علم محیط ہے اور فرمایا

خالق کل شئیٰ فاعبده و هو علیٰ کل شئیٰ وکیل
(الانعام ۶ آیت ۱۰۳)

یعنی اس نے کائنات کی تمام اشیاء کو پیدا کیا اور وہی تمام اشیاء کی حفاظت و نشوونما کا ذمہ دار ہے - نیز فرمایا

یا ایمَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبِّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة ۲ آیت ۲۱)

یعنی اسے دنیا بھر کے انسانو خدا نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری ربویت کے سامان پیدا کئے - تم اسکے کھل کو دیکھو اور اسکے احسانات کا مطالعہ کرو - اس کے کمالات اور احسانات کے مطالعہ سے ضرور ہے کہ تمہارے اندر فرمانبرداری اور عبادت کی روح پیدا ہو اور عبادت کی غرض یہ ہے کہ تم نافرمانی کرنے سے بچ جاؤ گے - اور تمہارے محسن خدا کی ربویت کے سامانو میں یہ ہے -

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فَرَائِسًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَأَنْزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاخْرَجَ بِهِ مِنَ الشَّمَرَاتِ رِزْقًا
لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَإِنْتُمْ تَعْلَمُونَ

(البقرہ ۲ آیت ۲۲)

یعنی تمہیں پیدا کرنے سے پیشتر ایک مکان تمہارے رہنے کیلئے تیار کر رکھا تھا۔ یہ زمین اس مکان کا فرش ہے اور آسہن کا گنبد اسکی چھت ہے اور ۰۳ میں خوراک کا سامان بذریعہ آسہنی بارش کے کر رکھا ہے۔ مختلف قسم کے غله جات و میوه جات تمہارے لئے پیدا کئے جاتے ہیں۔ ایسے خالق اور ایسے محسن کی عبادت اور فرمانبرداری کرنا سزاوار ہے۔ اور ان صفات کے خدا کے سوا کسی اور کو خدا کے برابر نہ قرار دو۔ اور تم جانتے بھی ہو کہ خدا کے سوا دوسری ہستی نہ خالق ہے اور نہ ہی ربوبیت کرنے والی ہے۔ یہ ہے منطق اور دلیل کی ایک مثال جو یہاں درج کی گئی ہے۔ سارے کا سارا قرآن فلسفہ ہے منطق ہے۔ جس سے دل کے اندر روشنی اور ایمان پیدا ہوتا ہے جس سے دل تسلی پکڑتا ہے اور انسان خدا کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے جس سے خدا کی عبادت اور فرمانبرداری موجب اطمینان قلب اور موجب ہزار راحت ہوتی ہے۔ ان آیات نے یہ نظر یہ بھی پیش کر دیا ہے کہ ساری کائنات کا خالق ایک۔ اور دنیا بھر کی انسانیت ایک۔ اور ساری انسانیت کا مکان ایک۔ اور ساری دنیا کی نعمتیں ایک ہیں۔ یہ بہت ہی قیمتی

سبق ہے جو ان آیات میں دیا گیا ہے ۔

حضرت عبیسے کا دعویٰ نبوت اور توحید کی تعلیم
اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ آیا اناجیل
میں بھی مکہات اور مشابہات ہیں اور اناجیل کی مکہات
سے تمیک کر کے انسان ان غلطیوں سے بچ سکتا ہے جو
مشابہات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں ۔ انجیل کی تعلیمات
یہ ہیں ۔

”هم سب کا باپ ایک ہے جو اُسمان پر ہے ۔ میں اپنے
باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے
پاس جاتا ہوں ۔ خدا وند اپنے خدا سے اپنے سارے دل
اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھے ۔
کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا“

(متی باب ۶ آیت ۲۸)

”مجھے نیک مت کہو کیونکہ کوئی نیک نہیں سوانح
ایک کے یعنی خدا کے ۔ ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ
وہ تجھے خدائے واحد و بربحق کو جانیں اور مسیح کو رسول
جان لیں ۔ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف
اسی کی عبادت کر“
(متی باب ۱۱ آیت ۱۰)

ان اقتباسات سے عیاں طور پر نظر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے توحید کا سبق دیا۔ اور صرف خدا ہی کی عبادت اور اسی سے محبت کرنے کو سب سے بڑا اور پہلا حکم یقین کیا۔ اُسکو اگر اپنا باپ کہا تو اُسکو اپنے متبوعین کا باپ بھی کہا اور مجازی استعمال کے معنی اور تفسیر بھی کر دی اور اپنے تئیں خطاکار بشر بیان کیا اور خدا کو تمام کمزوریوں اور عیوب سے پاک بیان کیا اور اس ایک ہی خدا کو مستحق عبادت قرار دیا۔ یہ ہے توحید جسکی تعلیم نہایت ہی واضح الفاظ میں اناجیل کے صفحات میں ملتی ہے۔ اور شرک کی تعلیم کو اس ایک جملہ سے مٹا دیا ہے

”کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا“

اسکے بعد حضرت عیسیٰ کو اور ان کی ماں کو اللہ تعالیٰ کا شریک تجویز کرنا اناجیل کی تعلیم کی خلاف ورزی ہے۔ معلوم ہوا اناجیل میں بھی مکہمات ہیں اور ان مکہمات کی روشنی میں نہ حضرت عیسیٰ خدا ٹھہر تے ہیں۔ اور نہ ہی ان کی والدہ ماجدہ* ان مکہمات کی رو سے تسلیت کے مسئلہ کے ذمہ دار حضرت عیسیٰ نہیں ٹھہر تے بلکہ اسکے ذمہ

حاشیہ—*عیسائیوں نے خدائی کے تین اقوام تجویز کر رکھے

دار بعد کے آنے والے نفس پرست عیسائی علماء ہیں۔

خدا کی توحید ثابت ہو چکنے کے بعد حضرت عیسیٰ کے منصب کی طرف توجہ دینی چاہیے - جس طرح سے ان انجیل کے صفحات کے مطالعہ سے خدا تعالیٰ کی توحید نہایت کھلی طور پر نظر آتی ہے اسی طرح سے ان صفحات کا مطالعہ حضرت عیسیٰ کو بشر اور خدا کا رسول ثابت کرتا ہے - چانچہ متی کی انجیل کی ابتدا یہ خبر دیتی ہے - ”یسوع مسیح ابن داؤد و ابن ابراہیم کا نسب نامہ“ یہ نسب نامہ تو اسکو داؤد اور ابراہیم کا بیٹا ثابت کرتا ہے - نسب نامہ انسانوں کا ہی ہوتا

ہیں یعنی خدا باب خدا بیٹا اور خدا روح القدس اس کو تثلیث کہتے ہیں اس تثلیث کے اقنوں میں سے دو کی عبادت کی جاتی ہے یعنی خدا باب اور خدا بیٹے کی - لیکن تیسراے اقنوں روح القدس کی کوئی عیسائی عبادت نہیں کرتا - قرآن کریم نے اس تثلیث کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا -

لَقَدْ كَفَرُوا إِذْ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ

ایک اور مقام پر فرمایا ولا تقولوا وائلشہ“ عیسائی دنیا کے رومن کیتھولک حصے میں حضرت مریم کی پرستش بھی

ہے نہ کہ خدا کا۔ انجیل لکھتے وقت متی کے سامنے یہودی قوم ہے۔ اس نے حضرت مسیح کو دو بزرگ ترین انسانوں کا فرزند قرار دیا ہے یعنی داؤد کا اور ابراہیم کا۔ اسکے برعکس لوقا نے ان کا نسب نامہ آدم تک پہنچایا ہے دونوں نسب نامے ان کو ابن آدم ہی ظاہر کرتے ہیں اور وہ خود بھی بار بار اپنے تین ابن آدم ابن آدم کہتے ہیں رہا ان کا منصب سو اناجیل میں آن کو نبی کہا گیا ہے۔

یوحننا باب ۷ ایت ۳ میں یوں لکھا ہے ”اور ہمیشہ کی

پائی جاتی ہے ایک طرف تو ان لوگوں نے خدائی کے تین اقتونم معین کر رکھے ہیں پھر اس حد بندی سے نکلکر چوتھی ہستی کو بھی خدا بنارکھا ہے۔ یعنی حضرت مسیح جس کے متعلق قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ سے پوچش کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اذ وَالله يُعِيسَى أَأَنْتَ قَلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَآمِنُوا اللَّهُ يُعِيسَى مَنْ دُونَ اللَّهِ۔ دوسرے مذاہب کی اصلاح کے پیش نظر قرآن کریم کس باریک یہی سے ان کو آن کی غلطیوں پر متنبه کرتا ہے۔ قرآن کریم مبدأ نور نظر آتا ہے جس سے دل منور کئے جاتے ہیں۔ اور ظلمات دور کی جاتی ہیں

زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدا واحد اور بربحق کو مانیں اور
یسوع مسیح کو آسکا بھیجا ہوا (یعنی رسول) مانیں ”

حضرت عیسیٰ نے اس آیت میں خدائے واحد و بربحق کی
توحید اور اپنی رسالت کی تلقین کی ہے ۔ اسلامی کلمہ
طیبہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مشتمل ہے ۔ اسی کے ہم
معنی حضرت عیسیٰ نے یہ تعلیم دی ہے ۔ کلمہ طیبہ میں خدا کی
توحید کو کامل طور پر بیان کرنے کیلئے آنحضرت کو خدا
کا رسول کہا گیا ہے ۔ تاکہ توحید باری تعالیٰ کے متعلق
کسی قسم کا مشرکانہ خیال نہ پیدا ہو سکے اسی طرح سے
یوحننا کی عبادت نے اللہ کی توحید بیان کرنے کے
بعد حضرت عیسیٰ کی رسالت کا ذکر کر دیا ہے تا کہ
آن کی نسبت کسی قسم کے مشرکانہ خیالات پیدا نہ
ہوں ۔ جب اسکو ابن داؤد کہا تو بھی اسکو نبی قرار دیا
اور یہ ظاہر کیا کہ داؤد کے گھرانے کا شخص داؤد کی
بادشاہت کا وارث ہو کر آیا ہے ۔ حضرت عیسیٰ نے خود
بھی اپنے واسطے نبی کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ وہ اپنی بے
کسی اور اپنی تکذیب کے پیش نظر فرماتے ہیں
”کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے

وطن میں عزت نہیں پاتا ” (یوحننا باب ۹ آیت ۳۳)

اس بیان میں آنہوں نے تسلیم کیا ہے کہ وہ نبی ہیں اور نبیوں کی طرح ان کی تحقیق و تذلیل و تکذیب ہوئی ہے اور اس کلام سے آنہوں نے اپنے تئیں اور اپنے متبوعین کو تسلی دی ہے کہ سنت اللہ یہی ہے کہ ہر نبی کو جھٹلایا گیا ۔ قرآن کریم میں بھی اسکا ذکر ہے فرمایا

فِقدَ كَذَّتْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ (آل عمران ۳ آیت ۱۸۳) یعنی اے رسول اللہ تجھ سے پہلے رسول بھی جٹھلائے جا چکے ہیں ۔ تکذیب کرنے والوں کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو ان کے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ان کو کہنے لگے کہ وہ نبی ہے

”پس جو معجزہ اس نے دکھایا اسے دیکھکر کہنے لگے جو نبی آنے والا تھا وہ فی الحقيقة یہی ہے ،“ (یوحننا باب ۶ آیت ۱۴)

فلپس نے اس سے کہا جس کا ذکر موسیٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کو مل گیا ہے وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے ” (یوحننا باب ۱ آیت ۳۵) ایک عورت کو آسکرے خانگی حالات کا جب پتہ دیا ہ تو

”عورت نے آس سے کہا اے خداوند مجھے معلوم ہوتا

ہے کہ تو نبی ہے ”

(یوحنا باب ۲۹ آیت ۱۹)

”کیا کتاب مقدس میں نہیں آیا مسیح داؤد کی نسل اور بیت لحم کے گاؤں سے آئیگا جہاں کا داؤد تھا“

(یوحنا باب ۸ آیت ۳۲)

اور ”گلیل میں سے نبی برپا نہیں ہوگا“

(یوحنا باب ۸ آیت ۵۲)

حضرت عیسیٰ بھی رسالت کے متعلق خود اعتراف کرتے ہیں کہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی چنانچہ لکھا ہے

”مجھے تم سے اور بھی بہت باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے - لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا - اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا - جو کچھ سنیگا وہی کہیگا۔“ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷-۱۳)

قرآن کریم میں اس پیشکوئی کے پورا ہونے کا یوں ذکر آیا ہے -

الیوم اکملت لكم دینکم

(المائدہ ۵ آیت ۳)

یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے ۔ پھر

آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا

وما ينطق عن الھھوی ان هوا لوحی یوسھی

(النجم ۵۳ آیت ۳ تا ۸)

یعنی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا یہ صرف وحی ہے
جو اس کی طرف جاتی ہے ۔

انجیل میں مزید لکھا ہے ۔

”انہوں نے اس سے کہا یسوع ناصری کا ماجرا جو خدا
اور ساری آمت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا
نبی تھا ۔ (لوقا“
باب ۲۳ آیت ۱۹)

انجیل کی یہ آیات صاف ظور پر حضرت عیسیٰ
کو نبی قرار دیتی ہیں ۔ کیا حضرت کی مان پر اور آن
کے بھن بھائیوں پر اور آن کے شاگردوں پر آن کے خدا
ہونے کے متعلق کوئی اثر تھا ؟ انجیل شریف حضرت
عیسیٰ کو انسان ہی ظاہر کرتی ہے ۔ اور ایسا انسان
جو پاک سیرت تو ہے لیکن مشکلات و مصائب کے
وقت گھبرا تا ہے اور غمگین و بے قرار ہو جاتا ہے
دشمنوں سے ڈرتا ہے عدالت کے سامنے دم بخود ہو جاتا ہے
ہے اور اس سے جواب نہیں بن پڑتا آن کا اثر آن کے
کے شاگردوں پر یہ نظر آتا ہے ۔ کہ وہ آن کو نیک

یقین کرتے ہوئے عجز و مسکنت کا مجسمہ سمجھتے ہیں اور آن میں کوئی خدائی طاقت محسوس نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ کی یہ کمزوری خود آن کے شاگردوں کے اندر بھی کمزوری پیدا کرتی ہے چنانچہ ایک تو تیس روپے لئے کر آن کو گرفتار کرادیتا ہے اور دوسرا کہتا ہے میرا اسکے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے اور اس لاتعلقی کا اظہار بار بار جھوٹ بول کر کرتا ہے۔ اور خائف ہے کہ تعلق کا پتہ چل جانے سے میں بھی گرفتار نہ ہو جاؤں۔ اگر ان لوگوں کو حضرت عیسیٰ میں کوئی خدائی طاقت نظر آتی تو وہ مردوں کی طرح آن کا ساتھ دیتے اور موت کا پیالہ پینے کیلئے تیار ہو جاتے لیکن اسکے بخلاف آنھوں نے پرلے درجے کی بے وفائی اور نامردی کا مظاہرہ کیا دو شاگرد یعنی یہودا اسکریوٹی اور پطرس تو خاص طور پر بد نام ہیں باقی ماندہ شاگردوں میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ یقین نہ تھا کہ وہ کسی مافوق العادت قوے کے مالک ہیں یا یہ کہ وہ دشمن پر غالب اسکے ہیں اور دشمن کو تباہ و ہلاک کر سکتے ہیں انجیل شریف میں لکھا ہے کہ اس کے سب شاگرد اسکی مصیبت

کے وقت بھاگ گئے اور آن کو اسی میں اپنی ذاتی سلامتی نظرائی شاگردوں کے علاوہ آن کی والدہ ماجدہ کے دل پر آن کے متعلق کیا اثر ہے۔ اول تو حضرت عیسیٰ میں۔ اگر کوئی خدائی طاقت ہوتی تو آسکا اثر آن کے دشمنوں کے قلب ہر بھی ضرور ہوتا اور والدہ تو آن کی پیدائشی کے وقت بھی ضرور کسی غیر معمولی حالت اور غیر معمولی طاقت کو مشاہدہ کرتی اور محسوس کرتی اور غیر معمولی طور پر اپنے فرزند پر فخر کرتی اور اپنے قلب پر قوی اثر پاتی۔ لیکن وہ اور آن کے دوسرے رشتہ دار آس کو دیوانہ سمجھتے ہیں اور آسکا ساتھ نہیں دیتے اس لئے حضرت عیسیٰ بھی آن سے خوش نہیں ہیں بلکہ آن سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب موت حضرت عیسیٰ کے سامنے آکھڑی ہوئی تو آس وقت بھی حضرت عیسیٰ نے جو اس مجمع میں موجود تھے اپنی والدہ ماجدہ کی تعظیم و تکریم نہیں کی ہاں اتنی ہمدردی کی کہ آن کو ایک شاگرد کے سپرد کر دیا یہ واقعہ بتاتا ہے۔ کہ شاگردوں کی نگاہ میں مریم کوئی صاحب رتبہ عورت نہ تھیں ورنہ وہ خود بخود آس کے گرویدہ ہو جاتے اور خود بخود آسکی خدمت کرتے نظر آتے اور حضرت عیسیٰ

کو آن کے متعلق وصیت کر لے کی حاجت نہ محسوس ہوتی -

حضرت مسیح کی بشریت انجیل سے

انجیل کی مزید عبارتیں جو حضرت عیسیٰ کو بشر ثابت کرتی ہیں حسب ذیل ہیں :-

”آن باتوں کے بعد یسوع گلیل میں پھرتا رہا کیونکہ یہودیہ میں پھرنا نہ چاہتا تھا اس لئے کہ یہودی آسکے قتل کی کوشش میں تھے“ (یوحنا باب ۷ آیت ۱)

”چونکہ آس کے بھائی بھی اس پر ایمان نہ لاتے تھے“ (یوحنا باب ۷ آیت ۵)

”اس لئے وہ حضرت عیسیٰ سے تاکیداً کہتے تھے کہ چھپ کر کام نہ کر بلکہ عید کے موقعہ پر بلا خوف یہودی تھوار میں کھلماں کھلا حصہ لینا چاہئے لیکن جب آسکے بھائی عید میں چلے گئے آس وقت وہ بھی گیا ظاہراً نہیں بلکہ پوشیدہ“ (یوحنا باب ۷ آیت ۱۰)

سردار کا ہنوں اور فریسیوں نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے تو اطلاع دے تا کہ آس کو پکڑ لیں

پس آسوقت سے یسوع یہودیوں میں علانیہ نہیں پھرتا
تھا بلکہ وہاں سے جنگل کے نزدیک کے علاقہ میں
چلا گیا* (یوحنا باب ۲، آیت ۴۸)

” یسوع یہ باتیں کہکر چلا گیا اور آن سے اپنے آپ کو
چھپایا ، ، - (یوحنا باب ۱۲، آیت ۳۷)

” حضرت عیسیٰ نے محسوس کیا کہ یہوداہ اسکریوقی
مجھے گرفتار کرا دیگا - تو اسنے کہا کہ یہ شخص
جو میرے ساتھ روٹی کھاتا ہے گرفتار کرا دیگا کسی
نے پوچھا وہ کون ہے یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں
نوالہ ڈبو کر دے دونگا وہی ہے - پھر اُس نے نوالہ
ڈبویا اور لیکر اسکریوقی کے بیٹھے یہوداہ کو دے دیا -

حاشیہ * انجیل شریف کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت
عیسیٰ کے اپنے ارادے میں یہ نہ تھا کہ وہ جان کی قربانی
دیں - بلکہ وہ تو ہر طرح سے کوشان رہے کہ اس قسم
کی رسواکن موت سے بچ جائیں قربانی تو ارادہ چاہتی ہے -
بغیر ارادے کے مارا جانا کوئی قیمت نہیں رکھتا - بھیڑیں
ہزاروں کی تعداد میں ذبح کی جاتی ہیں - ان کا اس طرح
سے مارا جانا ان کے لئے ہمارے دلوں میں کسی قسم کی
عظمت پیدا نہیں کرتا

اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا ”

(یوحنا باب ۱۸، آیت ۶۲، ۲۷، ۲۸)

چنانچہ اسکریوٹی نے تیس روپے لیکر حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرا دیا اور پھر ندامت کے مارے گھر پر آکر اپنے آپ کو پھانسی دی اور اس طرح سے اپنی جان ختم کر دی یہی حال پطرس کا ہوا اس نے حضرت عیسیٰ سے کہا کہ میں تو تیرے لئے اپنی جان دونگا لیکن جب حضرت عیسیٰ کو جان کے لائے پڑے تو پطرس نے اپنی جان کے بچاؤ کیلئے تین بار متواتر اپنے ارتداد کا اعلان کیا ۔

شمعون پطرس کھڑا آگ تاپ رہا تھا آنہوں نے اس سے کہا کیا تو بھی اسکے شاگردوں میں سے ہے اس نے انکار کر کے کہا میں نہیں ہوں ۔ کسی نے کہا میں نے تجھے یسوع کے ساتھ باغ میں دیکھا تھا پطرس نے پھر انکار کیا ۔ اسکا تذکرہ لوقا میں بھی ہے

” اور شیطان یہوداہ میں سما یا جو اسکریوٹی کھلاتا ہے ۔

اس نے جا کر سردار کا ہنوں سے مشورہ کیا کہ کس طرح یسوع کو آن کے حوالہ کرے وہ خوش ہوئے اور آسے روپے رینے کا اقرار کیا اس نے مان لیا اور موقعہ ڈھونڈنے

لگا... جب حضرت عیسیٰ کھانے پر بیٹھے تو کہا میرے
پکڑوںے والے کا ہاتھ میرے ساتھ دستر خوان پر ہے ”
(لوتا باب ۲۲ آیت ۳ تا ۶ اور ۱۹)

یہوداہ دشمنوں کے ساتھ آیا

”وہ یسوع کے پاس آیا کہ اُسکا بوسہ لے - اس نے
بوسہ لینا نشان کے طور پر مقرر کر رکھا تھا یسوع نے
اس سے کہا یہوداہ کیا تو بوسہ لیکر ابن آدم کو پکڑوادا
(لوتا باب ۲۲ آیت ۳۷ ، ۳۹)“

پھر وہ یسوع کو پکڑ کر لے گئے - اور پطرس اُسکے
پیچھے پیچھے جاتا تھا - اور جب آنہوں نے صحن کے بیچ
میں آگ جلانی اور مل کر بیٹھے تو پطرس آن کے بیچ
میں بیٹھ گیا - ایک لوٹی نے اُسے آگ کی روشنی میں
بیٹھا ہوا دیکھ کر آس پر خوب نگاہ کی اور کہا یہ بھی
یسوع کے ساتھ تھا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ
اے عورت میں اُسے نہیں جانتا - تھوڑی دیر کے بعد کسی
اور نے پطرس سے کہا تو بھی آنہی میں سے ہے پطرس
نے کہا میاں میں نہیں ہوں کوئی گھنٹے بھر کے بعد
کسی اور نے کہا یہ شک یہ آدمی اُسکے ساتھ تھا پطرس

نے کہا میں نہیں جانتا تو کیا کہتا ہے

(لوقا باب ۲۲ آیت ۵۳ تا ۶۱)

”....پھر پطرس باہر جا کر زارِ زار رویا،“ (لوتا باب ۲۲ آیت ۶۲)

” یسوع حاکم کے سامنے کھڑا تھا اور حاکم نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے یسوع نے اس سے کہا تو خود کہتا ہے - اور جب سردار کاہن اور بزرگ اس پر الزام لگا رہے تھے تو اس نے کچھ جواب نہ دیا - اس پر پلاطوس نے اس سے کہا کیا تو آئیں ستتا ہے کہ تیرے خلاف کتنی گواہیاں دیتے ہیں اس نے اس بات کا بھی جواب نہ دیا یہاں تک کہ حاکم نے بہت تعجب کیا“
(متی باب ۷ آیت ۱۱ تا ۱۳)

” یسوع پطرس اور زبدي کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا اس وقت ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے - تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگئے رہو - پھر تھوڑا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یہ دعا مانگی اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے - روح تو مستعد ہے - مگر جسم کمزور ہے“

(متی باب ۷ آیت ۲۲ تا ۳۱)

”سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے“

(متى باب ۲۶ آیت ۵۶)

یہ تفصیلات اس لئے نقل کر دی گئی ہیں تا کہ حضرت عیسیٰ کی مسکن و عجز کی تصویر ناظرین کے سامنے آجائے اور وہ خود دیکھ لیں کہ حضرت عیسیٰ شخص ایک بشر ہیں اور آن میں کسی قسم کی خدائی کا شائیہ تک نہیں ہے۔ نہ اقربا نے آن کے اندر کسی قسم کی خدائی محسوس کی اور نہ ہی آن کے متبوعین نے بلکہ سب نے آن کے عجز و ناتوانی کا مشاہدہ کیا اور اسی طرح سے پلا طوس نے بھی آن کی پرلے درجے کی کمزوری کو محسوس کیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کی توحید کے متعلق تلقین کرتے تھے اور اپنی رسالت کا لوگوں کو یقین دلاتے تھے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ خدا نہ تھے بلکہ ایک عاجز انسان تھے تو اسکے بعد ابن اللہ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کسی قسم کی دقت باقی نہیں رہ جاتی ”خدا کے بیٹے“ کے الفاظ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے صرف انجیل میں ہی استعمال نہیں ہوئے بلکہ توراۃ میں بھی اس کا استعمال موجود ہے اس کے

معنے خدا کا برگزیرہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا ”اسرائیل سیرا پلوٹھا بیٹا ہے، اور انجیل میں بھی خدا کا بیٹا انہی معنوں میں بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً میں تمہارے اور اپنے باپ کے پاس اور تمہارے اور اپنے خدا کے پاس جاتا ہوں۔ اور یہ کہ تم سب کا ایک ہی باپ ہے جو آسان پر ہے۔ تو اسکے معنے یہ ہوئے کہ تمام کے تمام انسان خدا کے بیٹے ہیں اور وہ آن سب کا خدا ہے اور ایسا رحیم کریم ہے جیسا کہ باپ ہوتے ہیں۔ اسکے مقابل پر بدکاروں کو ابلیس کے فرزند کہا گیا ہے۔ اور راستبازوں کو خدا کے فرزند۔ خود آدم کو خدا کا بیٹا اور حضرت عیسیٰ کو ابن آدم کہا گیا ہے۔ یہ ابن آدم یعنی حضرت عیسیٰ یہودی تھے۔ یہودی دین کے احکام کے موافق سات دن کے بعد آن کاختنه ہوا پھر آنھوں نے یہودی مذہب کی اتباع میں بپسندھ لیا اس قسم کی رسومات کے ادا کرنے کو موسوی شریعت میں بہت بڑی اہمیت حاصل تھی اس لئے جب حضرت عیسیٰ نے ایسا کیا تو خدا آن سے راضی ہوا اور بادلوں میں سے حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کی آواز یوں آئی۔ ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں بہت خوش ہوں،“۔

(مرقس باب ۱ آیت ۱۱)

”اس بادل میں سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے
اسکی سنو“ (مرقس باب ۹ آیت ۷)

”پطرس کو شیطان کہا۔ کیا اسکو سچ مج شیطان
سمجھ لیا جائے یا یہ مجازی کلام ہے۔ اور اسی
میں خدا کا بھی ذکر ہے اور عیسیٰ کا بھی۔ یہ تینوں عیلِ حده
عیلِ حده هستیاں ہیں اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو
کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا
(مرقس ۸ آیت ۳۳) خیال رکھتا ہے“

”مسیح داؤد کا بیٹا ہے“ (مرقس ۱۲ آیت ۳۵)

”صوبیدار اس کے سامنے کھڑا تھا اس نے اسے یوں دم
دیتے ہوئے دیکھکر کہا یہ آدمی بے شک خدا کا بیٹا تھا،
(مرقس ۱۵ آیت ۳۹)

اور لوقا میں اس صوبیدار کی زبانی اسکو راست باز
آدمی کہا گیا دیکھو لوقا ۲۳ آیت ۷

”یہ ماجرا دیکھکر صوبیدار نے خدا کی تمہیجید ادا کی اور
کہا بے شک یہ آدمی راست باز تھا۔ یعنی لوقا میں وہی
صوبیدار اُس کو راست باز کہتا ہے اور مرقس میں وہی

صوییدار اس کو خدا کا بیٹا کہتا ہے ۔ یہ دونوں عبارتیں ظاہر کرتی ہیں کہ راست باز آدمی کو خدا کا بیٹا کہتا جاتا تھا ۔

ان عبارات میں مختلف موقع پر خدا کے بیٹے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ کہیں خدا کے برگزیدہ رسول کو خدا کا پیارا بیٹا کہا گیا اور کہیں راست باز نیک مرد کو ۔ اور یہ الفاظ صرف حضرت عیسیٰ کیلئے ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر نیک آدمی کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے جس طرح سے بد کار کو ابليس کا بیٹایا شیطان کہا گیا ہے ۔ قصہ کوتاہ حضرت عیسیٰ کے متعلق خود اناجپل میں محکمات موجود ہیں جن کی رو سے حضرت عیسیٰ نہ خدا ہے اور نہ ہی خدا کے فرزند ۔ بلکہ وہ انسان تھے اور نیک انسان ہونے کی وجہ سے ایسے ہی خدا کے بیٹے تھے جس طرح سے آدم خدا کے بیٹے تھے یا جس طرح سے ہر ایک نیک اور راست باز انسان خدا کا بیٹا ہوتا ہے ۔

مذکورہ بالایان سے یہ عیان ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جو محکمات و مشابهات کا زرین اصول قائم کیا ہے اس سے بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں ۔ اور انسان ٹھوکر کھانے سے بچ جاتا ہے ۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا

ہے کہ قرآن کریم سہیمن ہے اس نے مذہبی نظریات کی حفاظت کی ہے اور کتب مقدسہ کی تعلیمات کی اصلاح کے اصول بھی بیان کر دئیے ہیں۔ قرآن کریم جو آخری کتاب ہے سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے لیکن آن کی حفاظت کے ساتھ آن کی اصلاح بھی کرتا ہے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے جو قرآن کریم نے تمام مذہبی دنیا پر کیا ہے۔ جہاں آن کے راہنماؤں کی تعظیم و تکریم کرنا فرض قرار دیا اور آن کی کتب مقدسہ پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ وہاں آن کی حفاظت کا سامان بھی سہیما کر دیا۔

اناجیل کی بعض تعلیمات اور بعض واقعات پر نظر

ذیل میں انجیل کے بعض نظریات اور بعض واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ تا اہل نظر فیصلہ کر سکیں کہ آیا انجیل شریف کی تعلیمات میں ایسی بلندی ہے جسکی وجہ سے قرآن کریم اسکی تعلیمات کو مستعار لینے کا خیال کرے۔

(۱) حضرت عیسیٰ نے اکثر مقامات پر بیماروں کو چنگا کیا ور اکثر میں سے بد روحیں نکالیں۔ اس توہم پرستی کی تعلیم کو آج کون صحیح تسلیم کرتا ہے۔ یہاں ہر بد روحوں کے نکالنے کے معجزات کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا

مرقس باب ۱ آیت ۲۳-۲۶ میں یہ قصہ درج ہے - ”ایک شخص اس کو ملا جسمیں ناپاک روح تھی ۔ ۔ ۔ مسیح نے اس بد روح سے کہا اس میں سے نکل جا پس وہ ناپاک روح اسے مروڑ کر اور بڑی آواز سے چلا کر اسمیں سے نکل گئی ، ، -

مرقس باب ۱ آیت ۳۶ میں ہے اس نے بہتوں کو چنگا کیا اور بہت سی بد روحوں کو نکالا -

” وہ سارے گلیل میں ان کے عبادت خانوں میں جا جا کر منادی کرتا رہا اور بد روحوں کو نکالتا رہا ، ، -

(مرقس باب ۱ آیت ۳۹)

” تو اس ناپاک روح کو جھڑک کر کہا اے گونگی بھری روح میں تجھے حکم کرتا ہوں اس میں سے نکل آ - وہ چلا کر اسے بہت مروڑ کر نکل آئی ” -

(مرقس باب ۱ آیت ۲۵)

” بعض عورتیں جنہوں نے بری روحوں اور بیماریوں سے شفا پائی تھی ان میں صریم ہے جو مگدلينى کھلاتی تھی جس میں سے سات بد روحیں نکلی تھیں ” -

(لوفا ۸ آیت ۲)

”ایک آدی جس میں ناپاک روح تھی قبروں سے نکل کر ملا۔ وہ قبروں میں رہا کرتا تھا اور اب کوئی آسے زنجیروں سے بھی نہ باندھ سکتا تھا . . . یسوع نے اس سے کہا اے ناپاک روح اس آدمی سے نکل آ۔ پھر آس نے آس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے آس نے اس سے کہا میرا نام لشکر ہے اس لئے کہ ہم بہت ہیں . . . ناپاک روحیں نکل کر سوروں کے غول کے اندر چلی گئیں اور وہ غول جو کوئی دو ہزار کا تھا جھپٹ کر جھیل میں جا پڑا اور جھیل میں ڈوب مرا اور آن کے چرانے والوں نے بھاگ کر شہر اور دیہات والوں کو خبر پہنچائی . . . لوگ بد روحوں اور سوروں کا ماجرا سن کر اس کی منت کرنے لگے کہ ہمارے سرحد سے چلا جائے،“ (مرقس باب ۵ آیت ۸-۶)

یہ معجزہ تو ہوا لیکن اس معجزہ نے غریب آدمی کے جانور غرق کر دئے جو جرم ہے اور ظلم بھی کیا کوئی شخص اس توهם پرستی کی کتاب سے اقتباسات مستعار لیے کر اپنی تصنیف کو پایہ اعتبار سے گرانا پسند کریگا۔

یہ ہے وہ انجیل جسکی تعلیم پر عیسائیوں کو ناز ہے اور

باجوہد اسکے وہ جسارت سے کام لیکر قرآن کریم کے متعلق
یہ پڑاپا گندा کرتے ہیں کہ اس نے سرقہ کیا ہے ۔

(۲) مرقس ۸ آیت ۲۹-۲۳ میں ایک یونانی عورت کا ذکر ہے
اور اس یونانی عورت کو متی کتعانی عورت کہتا ہے اس
نے یسوع سے عرض کی بد روح کو میری بیٹی سے نکال
اُس نے کہا پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے کیونکہ
لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینی اچھی نہیں اس
نے جواب دیا ”ہاں خداوند کتے بھی دستِ خوان سے گرے
ہوئے ٹکڑے کھا لیتے ہیں“

بھلا اس تعلیم کو خدا یا خدا کے بیٹے کی تعلیم بیان
کرتے ہوئے شرم لاحق نہیں ہوتی ۔ پھر ایسی تعلیم کے
متعلق کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ قرآن کریم اس سے
مستعار لیتا ہے ۔

(۳) طلاق ۔ اور میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی
اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے
چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے ۔

(متی باب ۱۹ آیت ۹)

آج یورپ اس آسمانی قانون پر نوحہ کرتا ہے کہ بدکاری کرنے یا کرانے کے بغیر طلاق حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ انگلستان اور امریکہ میں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ایسے مقدمات عدالتیوں میں پیش ہوتے ہیں جہاں مرد یا عورت کو بدکار ثابت کیا جاتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے طلاق حاصل کی جائے اس آیت میں دوسری عورت سے شادی کرنا زنا قرار دیا گیا ہے آج کل ایڈن صاحب کے متعلق لارڈ بشب آف انگلستان نے جن کا نام بشپ فشر ہے فتویٰ دیا ہے کہ چرچل کی جگہ مسٹر ایڈن انگلستان کے پرائیم منسٹر مقرر نہیں کئے جا سکتے کیونکہ انہوں نے پہلی عورت کو طلاق دی اور دوسری شادی کی اور ایسا کرنا چرچ آف انگلینڈ کے عقائد و احکام کی خلاف ورزی ہے۔

تعجب ہے کہ اس قسم کی تعلیم کو خدا کی تعلیم قوار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے قوم کو بدکاری کرنے کے سوا ٹلاق حاصل کرنے کیلئے اور کوئی راستہ کھلا نہیں ہے۔ یہ نظریہ نہایت ناقص ہے اور اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اس لئے یورپ کے اہل علم و اہل نظر اس کی تعلیمات سے سخت متنفر ہیں۔ اسکے برعکس اسلام میں طلاق کی اجازت ہے ایکن اسلامی مالک میں طلاق دینا دلانا نہایت شاذ طور پر

وقوع میں آتا ہے ہاں مرد و عورت میں جب نباه نہ ہو سکتے تو ان کی زندگی کو تلخی سے بچانے کیلئے آن کو بذریعہ طلاق ایک دوسرے سے علحدگی اختیار کرنے کی اجازت ہے ۔ یہ کسقدر معقول اور آسان طریق زندگی ہے ۔ اس سے قوم کے اندر طہارت اور پاکیزگی قائم رہتی ہے ۔

(۲) شاگردوں نے کہا ایسا ہی حال ہے تو بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں ۔ اس پر یسوع نے کہا بعض هجڑے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوتے ہیں اور بعض هجڑے ایسے ہیں جنہیں آدمیوں نے هجڑا بنایا ہے ۔ اور بعض هجڑے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کیلئے اپنے آپ کو هجڑا بنایا ۔ (متی باب ۱۹ آیت ۱۲)

اس تعلیم نے لاکھوں کی تعداد میں عیسائی دنیا میں وہ پادری اور پادریانیاں پیدا کی ہیں جو فطرت کے خلاف زندگی بسر کر قری ہیں ۔ خدا نے اپنی حکمت سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا ہے اور آن کے اندر طبعاً و فطرة مودة اور رحمة پیدا کر رکھی ہے خدا کے اس صحت مند اصول کو تواریخ نے یورپ اور یورپ کی تجربہ کیا ہے ان کی اپنی تاریخ نے یورپ کی طرز پر زندگی بسر کرنے والوں کے وہ حالات تحریر کئے

ہیں کہ الامان - یہ ہے انجیل کا نظریہ جو فطرت انسانی کے خلاف ہے اور جسکے نتائج نہایت شرمناک ہیں -

(ھ) ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی سنگمر کے عطر دان میں عطر لائی تو یسوع کے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے آن کو پونچھا اور اسکے پاؤں چومے اور آن پر عطر ڈالا - اس کی دعوت کرنے والا فریسی یہ دیکھکر اپنے جی میں کہنے لگا اگر یہ شخص نبی ہوتا تو جانتا کہ جو اسے چھوٹی ہے وہ کون ہے اور کیسی عورت ہے کیونکہ بدچلن ہے - ایک شاگرد نے کہا یہ عطر تین سو دنیار میں بیچ کر غریبوں کو کیوں نہ دیا جائے یسوع نے کہا یہ عطر میرے دفن کے دن کیائے رکھنے دے کیونکہ غریب غربا ہمیشہ تمہارے پاس ہیں لیکن میں ہمیشہ تمہارے پاس نہ ہونگا -

(لوقا باب ۷ آیت ۳۹ تا ۴۹، یوحنا باب ۱۲ آیت ۳ تا ۸)

کیا یہ کلمات حضرت مسیح کے منہ سے سمجھتے ہیں؟ غور کیجئے ایک طرف ان کی ذات ہے اور دوسری طرف غریب غربا ہیں آن کو غریب غربا کی نسبت اپنا ذاتی مفاد پیارا ہے

اور ذاتی مفاد بھی اتنا کہ بیش قیمت عطر یسوع کے پاؤں پر ڈالا گیا یہ تو نفس پروری اور پست خیالی کی انتہا ہے۔ جو یسوع کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ یوحننا کہتا ہے یسوع مر تھا اور آسکی ہن اور لعزر سے محبت رکھتا ہے (یوحننا باب ۱۱ آیت ۵) تھا

لیکن اس محبت کے مقابل پر غرباً پروری تو نہات بلند اخلاقی ہے اور دین کا جزو اعظم ہے اسکو نظر انداز کر دینا قابل ملامت فعل ہے۔

حضرت مسیح نے اپنے دین میں اقتصادیات کا کوئی حصہ نہیں رکھا نہ ہی سیاست کے متعلق کوئی تعلیم دی اور نہ ہی معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ کی۔ دین تو دنیا کو صحیح طور پر چلانے کا نام ہے جسکو انجیل نے نظر انداز کر رکھا ہے۔ قرآن مجید نے سیاست و تمدن و معاشرت و المہیات اور اخلاقیات پر نہایت ہی مفصل اور معقول اور مفید بخشیں کی ہیں غریب اور یتیم اور مسکین و محتاج کے ساتھ ہمدردی کرنا اور آن کیلئے اپنا روپیہ صرف کرنا مذہب اسلام کے نزدیک دین کی اہم اغراض میں سے ہے رسول کریم ﷺ پہلے بادشاہ ہیں جنہوں نے سلطنت کے خزانے میں مساکین و ضعفاء کا

حصہ رکھا اور اس طرح سے مفلس اور بے دست و پا انسانیت کو عزت کی زندگی بخشی ان تعلیمات کے مقابل پر آسان سے زمین پر خدا آترا اور یہ تلقین کی کہ غرباً پروری تو ہوتی ہی رہیگی اسکی طرف کوئی خاص توجہ دینے کی حاجت نہیں میرا مفاد مقدم ہے ۔

(۶) ”جب یسوع بات کر رہا تھا تو کسی فریسی نے اس کی دعوت کی پس وہ اندر جا کر کھانا کھانے لیا۔ فریسی نے یہ دیکھ کر تعجب کیا کہ اس نے کھانے سے پہلے غسل نہیں کیا“ (لوتا باب ۱۱ آیت ۳)

”اس وقت فریسیوں اور فقیہوں نے یرو شلم سے یسوع کے پاس آ کر اعتراض کیا کہ تیرے شاگرد بزرگوں کی روایت کو کیوں ٹالتے ہیں کہ روٹی کھاتے وقت ہاتھ نہیں دھوتے“ (متی باب ۱۵ آیت ۱ تا ۲)

”پھر فریسی اور بعض فقیہ اس کے پاس آئے اور آنہوں نے دیکھا کہ اسکے بعض شاگرد ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے روٹی کھاتے ہیں پس فریسیوں اور فقیہوں نے اس سے پوچھا کیا سبب ہے تیرے شاگرد بزرگوں کی روایت پر نہیں چلتے بلکہ ناپاک ہاتھوں سے روٹی کھاتے ہیں“ (مرقس باب ۷ آیت ۱ تا ۵)

اس پر حضرت عیسیٰ نے یوں ارشاد فریاما

”کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر آسے ناپاک نہیں کر سکتی مگر جو چیزیں آدمی میں سے نکلتی ہیں وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں . . . اس لئے کہ وہ اس کے دل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہیں“

(مرقس باب ۷ آیت ۱۵ تا ۱۸)

”جو چیز منہ میں جاتی ہے وہ آدمی کو ناپاک نہیں کرتی مگر جو منہ سے نکلتی ہے وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہے . . . جو کچھ منہ میں جاتا ہے وہ پیٹ میں پڑتا اور پاخانہ میں نکل جاتا ہے“

(متی باب ۱۵ آیت ۱۱ تا ۱۷)

ایسی تلقین کر کے حضرت عیسیٰ نے حرام حلال کی تمیز آڑا دی اور ساتھ ہی طہارت و نظافت اور قواعد حفاظان صحت کو نہایت ہی غیر ضروری ٹھہرا دیا - حالانکہ روح اور جسم کا شدید تعلق ہے اور ایک دوسرے پر لا بدی طور پر اثر انداز ہیں صاف ستھرے بدن کے اندر ہی اچھی روح کی تربیت ہو سکتی ہے - اور صحت مند روح ہمارے ہاتھ پاؤں اور کان و آنکھ پر اچھا اثر ڈالتی

ہے اسی لئے قرآن شریف نے طہارت ظاہری اور طہارت باطنی دونوں پر یکسان زور دیا ہے۔ حضور نبی کریم نہایت ہی نظافت پسند انسان نہے وہ پانچوں وقت دانت صاف کرتے۔ جسم و بدن کی صفائی اس حد تک تھی کہ حضور کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ حضور اس بات کو نہایت ہی نا پسند کرتے تھے کہ ان کے بدن سے کسی کو بدبو آئے۔ طہارت ظاہری و باطنی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

وذروا ظاہر الا ثم وباطنه

جسماں پاکیزگی کے ساتھ اخلاقی و روحانی پاکیزگی بھی حاصل کرو

ان الله يحب المتطهرين

حضرت عیسیٰ نے متزوج زندگی کی حوصلہ افزائی نہیں کی اس لئے متزوج زندگی کے طہارت وغیرہ کے قواعد آنہوں نے نہیں دئے۔ ان کی تعلیم بہت پہلووں سے ناقص و نامکمل ہے۔ بہلا ان کی تقلید کون کریگا۔

(۷) ”پھر اُس نے دوسرے سے کہا میرے پیچھے چل اے خداوند مجھسے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ

کو دفن کروں آس نے آس سے کہا کہ مددوں کو اپنے
مددے گاڑنے دو لیکن تو جا کر خدا کی پادشاہت کی خبر
(لوتا باب ۹ آیت ۵۹ تا ۶۰)
پھیلا ”

بتائے یہ مذہبی دیوانگی ہے یا کچھ اور - باپ کو دفن
کرنا تو بیٹھے کیلئے نہایت ہی ضروری فریضہ ہے جسے
ادب و احترام و جذبہ محبت سے ادا کرنا چاہئے - لیکن
حضرت عیسیٰ کی نگاہ میں اسکی کوئی قیمت نہیں وہ کہتے
ہیں جاؤ دنیا بین وعظ کرو - بھلا یہ بد عمل واعظ کس
منہ سے وعظ کہیگا - اور اسکے وعظ کا کیا اثر ہوگا - یہ ہے
نہونہ تعلیمات عیسویہ کا جو انجیل کے صفحات کو مزین کرتا

- ہ

(۸) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں

”جب میں دوبارہ آؤںگا تو میرا آنا چور کی طرح ہوگا“
اور اسی دم یہ بھی فرماتے ہیں - ”کہ جب میں آؤںگا تو
میرا پتہ خود بخود لگ جائیگا کیونکہ جہاں مددار ہوتا
ہے وہاں پر گدھ جمع ہوتے ہیں“ -

(دیکھو متی باب ۲۳ آیت ۳۳ تا ۳۴ چور کی طرح -
متی باب ۲۸ آیت ۲۸ جہاں مددار ہو وہاں گدھ جمع

ہو جائیں گے)

حضرت عیسیٰ نے دو دفعہ نہایت ہی گنہونا استعارہ استعمال کیا ہے - بھلا یہ کیوں نہیں کہا

هر کجا کہ بود چشمہ شیرین
مردم و مور و ملخ گرد آیند

انجیل نے حضرت عیسیٰ کا نمونہ اچھے رنگ میں پیش نہیں کیا - کوئی شخص اس تہذیب کو اپنے لئے پسند نہ کریگا - میں یقین کرتا ہوں کہ یہ حواریوں کا کلام ہے - وہ لوگ نہایت ہی ادنیٰ تہذیب کے مالک تھے - ان سے اس سے زیادہ کپا توقع کی جا سکتی تھی - ان نمونہ جات کے پیش نظر کوئی انجیل پر کیا فخر کریگا - اور اس کو کس طرح حوصلہ ہو گا کہ وہ کہے کہ قرآن کریم ان گنہونی تعلیمات کو چرا کر اپنے صفحات کو خراب کرتا ہے -

باب سوم

رسومات اہل عرب

عیسائی مصنفین نے دو طرح کے اعتراضات قرآن کریم کے متعلق کئے ہیں ایک تو یہ کہ قرآن کریم نے توراۃ و انجیل سے تعلیمات سرقہ کر لی ہوئی ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مشرکین عرب کی رسومات کو اپنی تعلیمات کے اندر مخلوط کر رکھا ہے۔ پہلے حصے کا جواب تو دیا جا چکا ہے اب دوسرے حصہ کی طرف توجہ دی جاتی ہے مشرکین عرب کی عادات و رسومات یہ تھیں:-

وہ جنگجو تھے ان کی ان عادات کی وجہ سے ملک میں بدامنی تھی اور جان و مال محفوظ نہ تھے۔ وہ ڈاکہ زن تھے وہ شراب پیتے تھے وہ بدکار تھے ان کو بدکاری پر فخر تھا۔ طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ پر ہر طرح کا ظلم و تعدی روا رکھتا تھا اس طرح سے طاقتور افراد ان افراد کے حقوق پائماں کرنے میں تامل نہ کرتے تھے جن کو وہ ضعیف و ناتوان سمجھتے تھے۔ وہاں غلاموں پر اور

عورتوں پر ہر طرح کی تعدی و ظلم کیا جاتا تھا۔ عورتوں غلاموں اور ضعیفوں کو وراثت میں کوئی حق نہ دیا جاتا تھا عرب میں شراب نوشی کے ساتھ جو بھی کھیلا جاتا تھا۔ بت پرستی اور توہم پرستی معراج کو پہنچی ہوئی تھی۔ پتھروں کی پوجا کی جاتی اور آن کی عظمت و کبریائی کا تسلط دلوں پر اسقدر تھا کہ اسکا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خانہ کعبہ میں جو توحید کا گھر تھا آنہوں نے تین سو سائیہ بت نصب کر رکھے تھے اور خود حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے بت تیار کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دئے گئے تھے۔ سود کا لین دین بڑے زوروں پر تھا قتل کا بدلہ لینا آن کی گھٹی میں تھا۔ دشمنیاں برابر چلتی رہتی تھیں اور جب تک قتل کا بدلہ نہ لیا جائے تب تک لوگوں کو چین نہ آتا تھا۔ وہ اسمیں اپنی سبکی اور ہتک محسوس کرتے تھے قتل کا قصاص لینے کے متعلق وصیتیں کی جاتی تھیں۔ یہ ہیں موٹی موٹی عادات و دستور جو اہل عرب میں رائج تھے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ آیا قرآن کریم نے ان کو بالکل مٹا دیا ہے یا ان کو اپنے اندر لے کر آن کو دائم و قائم

رکھا ہے ایک خونخوار قوم کو امن پسند بنا دینا ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کیوجہ سے ظہور میں آیا وہ با امن ہو گئے اور دوسروں کیلئے موجب امن ہوئے اب آن کے ہاتھ سے کسی کی جان و مال پر یا عزت پر حملہ نہ ہوتا تھا - یہ ایک انقلاب عظیم تھا اور یہ مشکل ترین انقلاب تھا جو اہل عرب کے مشاہدے میں آیا ضعیف و ناقوان اور عورتیں اور غلام تمام کے تمام محسوس کرنے لگے کہ ہم پر کسی قسم کا تشدد نہیں ہو سکتا ضعیفوں اور عورتوں کے حقوق وراثت مقرر کر دئے گئے شراب نوشی بد کاری اور جو اقطعاً حرام کر دیا گیا - اور اسکے بجائے لوگ پانچ وقت نمازوں میں حاضر ہو کر خدا کی عبادت سے سرشار ہونے لگے - باہمی تنازعات کی جگہ حقیقی اخوت اور ہمدردی اور ایک دوسرے کیلئے ایشار و قربانی نے لے لی - پرانی دشمنیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک مجمع عام کے سامنے فرمایا سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے ایک فرد یعنی حرث کے بیٹے کے خون کا قصاص لینا مٹاتا ہوں اور اسی طرح اپنے چچا عباس کا سود جو لوگوں سے واجب الادا ہے

آس کو مٹاتا ہوں - جو لیڈر باعمل ہو اسی کا اثر ہوتا ہے اور اسی کا اثر دیرپا ہوتا ہے حضور کے عمل نے جزیرہ نمائے عرب کو تمام قسم کی بدکاریوں اور حرام کاریوں اور بد اخلاقیوں سے پاک و صاف کر دیا اور اُسکے پاشندوں کو اعلیٰ درجے کی صفات سے متصف کر کے ان کے اندر اخوت و تنظیم پیدا کی ان میں طھارت باطنی اور صفات حمیدہ اور اعلیٰ درجہ کی یگانگت اور بلند آہنگی پیدا کر دی - باطنی طھارت کی وجہ سے وہ فرشته بیرت ہو گئے - اور اتحاد حقيقة اور اور بے عدیل تنظیم کی برکت سے وہ عظیم الشان سلطنت کے حکمران بن گئے - یہ وہ حقائق ہیں جو اپنوں اور غیروں کی تاریخوں میں موجود ہیں خود یورپ نے مشرق اور مغرب کے ممالک میں اسلام کی نہایت ہی شاندار تہذیب کا مشاہدہ کیا - اور اس سے یورپین لوگ مستفید ہوئے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں انہوں نے ریاضی اور مائینس اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور اب بھی اسلامی تہذیب کے نشان یورپ کے مشرق و مغرب میں موجود ہیں -

توحید خداوندی کے بعد وحدت انسانی اور حقیقی مساوات انسانی کا قائم کرنے والا انسانیت کا سب سے

بڑا حسن حضرت رسول کریم ﷺ ہیں - یہاں چند واقعات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کیونکہ ایسے ذکر سے انسان کے خیالات میں بلندی پیدا ہوتی ہے - زید حضرت کا غلام تھا آپ نے اُس کو آزاد کیا اور اُسکے بیٹے اسامہ سے اس حد تک پیار کیا کہ وہ حضرت امام حسن کے ساتھ بچپن میں ملکر کھیلا کرتا تھا حضرت کو اپنا نواسہ حسن نہایت ہی پیارا تھا دونوں کو گود میں لیتے تھے اور دونوں کو چومتے تھے اور دونوں کے سر پر ایک ہی وقت میں ہاتھ رکھ کر دعا کرتے

انی أَحْبَهُمَا اللَّهُمَّ أَحْبِبْهُمَا

اے مرے مولا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر - زید کو لشکر کا کمانڈر بنا کر سهم پر بھیجا گیا توعظیم المرتبت صحابی جیسے کہ حضرت ابوبکر و عمر تھے ان کے ماتحت کر کے ان کے ساتھ بھیجئے - اسی طرح سے اسامہ بھی لشکر کا کمانڈر مقرر کیا گیا - اور قریشی ان کے ماتحت رکھئے گئے یہ عمل نہایت خوبصورت اور نہایت ہی موثر ہے - اس قسم کی مساوات قائم کر کے دکھانا بہت مشکل کام ہے غلاموں کے متعلق فرمایا -

اخوانکم خولکم

غلام تمارے بھائی ہوتے ہیں

فمن جعل الله اخاه تحت يده

خدا نے جسکے بھائی کو اسکے ماتحت رکھدیا ہو اسکے لئے یہ حکم ہے -

فليطعمه مما يأكل واليلبسه فما يلبس

کہ اس کو وہی کھانا کھلانے جو خود کھاتا ہے اور وہی لباس دے جو خود پہنتا ہے -

ولا يكلفه ما يغلبه

اور اس کی طاقت سے زیادہ اس سے کام نہ لے اور اگر ایسا کرے تو اسکے کام میں خود شریک ہو کر ہاتھ بٹایا کرے چنانچہ مسلمان ایسا ہی کیا کرتے تھے ابوذر کو کسی نے دیکھا کہ اس پر اسکے غلام پر ایک ہی قسم کا لباس تھا اس سے اس کا سبب ہوچھا گیا تو اس نے مذکورہ بالا حدیث پڑھی اور کہا اس ارشاد نبوی پر عمل ہے -

ایک دن ابو مسعود اپنے غلام پر خفا ہوئے اور اس

کو مارنے کے لئے کوڑا آئھایا حضرت کی نگاہ اس پر پڑی
تو پیچھے سے باؤاز بلند فرمایا -

یا ابا مسعود ان الله اقدر عليك منك علیٰ
غلامك

اے ابومسعود جو قدرت تجھے اس غلام پر حاصل ہے
اس سے کہیں زیادہ خدا کو تجھے پر قدرت حاصل ہے اسکا
خوف کر - یہ سنتا تھا کہ کوڑا اسکے ہاتھ سے گر گیا -
اور اس نے غلام کو اسی وقت آزاد کر دیا اور عہد کیا
کہ آئندہ کبھی غلام پر زیادتی نہ کروں گا -

سلمان فارسی آکر مسلمان ہوا تو اسکے متعلق فرمایا
سلمان من اهل البيت

سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہے - بلال مسلمان ہوئے
تو ان کو گھر کا مہتمم اور مسجد نبوی کا موذن مقرر کیا -
اور اس کی قوت ایمانی اور استقلال کی بنا پر اس کو
مسلمان اب تک سیدنا بلال کر کے یاد کرتے ہیں - پھلا
شخص جس نے بلال کو سیدنا کہا وہ - وہ پر جلال و پرهیبت
شخصیت ہے جس کو عمر فاروق کہتے ہیں - آنہوں نے
کہا -

انا ابابکر سیدنا و اعتق سیدنا بلالا

آنحضرت نے جو مساوات قائم کی وہ مسلمانوں کے رک و ریشه میں رج گئی - حضرت عمر کے زمانہ میں جبلہ عیسائی بادشاہ مسلمان ہو کر شام سے حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ آیا وہاں اس کے پیر ہن پر کسی مسلمان بدھی کا پاؤں آگیا - جبلہ نے غیظ و غصب میں آ کر اس بدھی کے منہ پر دھپڑ دے مارا - اس نے حضرت عمر کے پاس اس زیادتی کی شکایت کی - اس پر حضرت عمر نے حکم دیا کہ جبلہ کو دربار میں حاضر کیا جائے تاکہ یہ بدھ اس کی گال پر طھانچہ رسید کرے اس فیصلہ کو سن کر جبلہ بھاگ گیا - حضرت عمر نے اس کے منصب کی قطعاً کچھ پروا نہ کی - انصاف کو قائم رکھنے میں برکت ہے اگرچہ اس سے اتنا بڑا نقصان بھی برداشت کرنا پڑے کہ ایک بادشاہ ہاتھ سے جاتا رہے -

اسلامی سلطنت میں غبیر مسلمون کے حقوق

حضرت عمر نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو پبلک میں سزا دی - اس طرح سے عمرو بن عاص گورنر مصر کے بیٹے نے مصر کے ایک قبطی کو مارا تھا اس کی حاضری مدینہ طبیہ میں ہوئی اور رعایا کے ایک غیر مسلم مرد کی خاطر عمرو بن عاص ایسے عظیم الشان انسان

کے صاحبزادے کو سزا دی گئی ۔ قانون نے اپنوں اور غیروں کے درمیان تمیز نہیں کی ۔ یہ ہیں برکاتِ اسلام ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے مرتبے وقت غیر مسلم رعایا کے حق میں اپنے جانشین کو یہ وصیت کی

اووصیہ پذمہ "اللہ و ذمہ" رسولہ

میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس عہد کو ملحوظ رکھے جو خدا نے اور اُسکے رسول نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ باندھا ہے

ان یوں لہم بعہد ہم

کہ اس عہد کو انکے حق میں پورا کرے
وان یقاتل من ورائهم

اور آن کی جان و مال اور عزت کے تحفظ کیلئے ان کی
حیات کیاں جنگ کرے

وان لا یکلفوا فوق طاقتہم

اور آن سے آن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے ۔ حضرت نبی
کریم ﷺ نے غیر مسلم رعایا کی حفاظت کیلئے فرمایا

"من قتل معاهداً لم ير ريح الجنة"

جو مسلمان کسی غیر مسلم رعایا کو قتل کر یگا اس کو جنت کی ہوا تک نصیب نہ ہوگی - غیر قوموں نے دوران جنگ میں مسلمانوں کو دیکھا اور امن کے وقت بھی ان کے اخلاق کا بغور مطالعہ کیا - اور ایران و شام میں جو ان لوگوں نے اپنے بادشاہوں کی خدمت میں رپورٹیں لکھیں وہ ازین فبیل تھیں کہ مسلمان اپنے حاکم کے بیٹے کے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں جب وہ چوری کرے اور وہ اسکو کوڑے لگاتے ہیں اگر وہ بدکاری کرے اور وطن سے باہر مسلمان قیمت خرچ کر کے کھانا حاصل کرتے ہیں - ایک دفعہ حضرت نبی کریم کے سامنے سے یہودی کا جنازہ گزرا تو تکریم کے لئے حضور آنہ کھڑے ہوئے - اسی طرح سے جب حضور کو اپنے ایک غیر مسلم خادم کی بیماری کی اطلاع ملی تو اسکے مکان پر اظہار ہمدردی کیلئے تشریف لے گئے - جب معاذ بن جبل کو یعن کا گورنر مقرر کیا تو فرمایا وہاں اہل یہود رہتے ہیں جو اہل کتاب ہیں ان پر سختی نہ کرنا بلکہ آن سے حسن سلوک سے پیش آنا - اور فرمایا

ایاک و دعوة المظلوم

کسی پر ظلم نہ کرنا اور مظلوم کی آہ سے بچنا
قانها لیس بیین الله وبیینها حجاب -

کیونکہ مظلوم کی آہ سیدھی خدا کے حضور پہنچتی
ہے اور فرمایا

ایا کم و کرائم امو الہم

ان کے اموال ہڑپ کرنے کا قطعاً خیال تک نہ کرنا -

یہ حقائق اور واقعات بتاتے ہیں کہ اسلامی حکومت
کی نگاہ میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر تھے اور یہ
اخلاقیات کا کمال ہے جو آج سے چودہ سو سال پیشتر مشاہدہ
میں آیا - آج کی دنیا جس کو مہذب اور روشن دنیا کہا جاتا ہے
اگر اس سطح پر پہنچ جائے تو دنیا میں امن قائم ہو جائے
لیکن کئی ایک نوع کے تعصبات ہیں جن سے سینئے صاف
کرنے کے بغیر لوگوں میں مساوات اور عدل و انصاف قائم
کرنے کی آمید نہیں کی جا سکتی -

حقیقی مساوات کے یہ معنی بھی ہیں کہ حکومت قوم
کی ہے اور پبلک ٹریری بھی قوم کی ہے کیا وجہ ہے
کہ ضعفا اور مسکینوں کا حق اس میں نہ رکھا جائے۔
اس سے پیشتر یہ ذکر آچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پبلک
ٹریری میں یتامی و مساکین اور بیوگان کا حصہ رکھا تھا۔
اب اس ضمن میں ایک اور قیمتی اصول جو رسول کریم
نے قائم کیا وہ ملاحظہ ہو فرمایا

من مات و ترك مالا فلو رثته

تم میں سے جو شخص مر جائے اور پیچھے مال چھوڑ جائے
تو وہ مال اُسکے وارثوں کا ہوگا لیکن

ومن مات و ترك دیناً او ضياعاً فعلٌ والٰ

لیکن جو شخص مر جائے اور قرضہ اور چھوڑے چھوڑے بچے
چھوڑ جائے تو یہ سب کچھ میرے ذمہ ہوگا وہ میرے پاس
آجائیں میں ان کا قرضہ آتار دونگا اور ان کی پرورش کا
سامان مہیا کر دونگا حقیقی لیڈر اور حقیقی بادشاہ کی شان
تو یہی ہونی چاہے جو سرور دو جہاں نے اپنے عمل سے
دکھائی - سلطنت کا تخیل اس سے بڑھکر کیا ہو سکتا

- ۶ -

قرآن کریم نے مشرکانہ رسومات کا
قلع قمع کر دیا

عیسائی معترضین کا خیال ہے کہ بت پرستوں کو خوش
کرنے کے لئے رسول اللہ نے ان کی مشرکانہ رسومات
کو اپنے مذہب کے اندر قائم رکھا ہے آن کا یہ اعتراض
بے بنیاد ہے اسکے برعکس حقیقت یہ ہے کہ تمام مشرکانہ
رسومات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بالکل مٹا کر رکھ دیا تھا۔ کسی غیر معقول اور
مضر رسم کو محض انسانوں سے ڈر کر یا آن کی
خوشنودی کے حصول کے لئے پسند کر لینا اور اس کو
رأیج کر دینا نہایت ہی گری ہوئی حرکت ہے حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر معمولی مصائب کا
سامنا کرنا پڑا اور وہ بھی ایک طویل مدت تک لیکن
آنحضرت نے تنگ آکر کبھی اس قسم کی کمزوری نہیں
دکھلائی کہ باطل کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اپنی اور
اپنے متبیعین کی صبر آزماء تکالیف کو دور کرنے پر آمادہ
ہو جائیں اس کے برعکس آنھوں نے بے پناہ استقلال اور
استقامت کا مظاہرہ کیا اور حق کی خاطر کشی طرح کی
تکالیف برداشت کیں اور ہر قسم کی قربانی کی جب قوم
نے لمبے عرصہ تک اس بات کا مشاہدہ کیا کہ ان پر مصائب
کے پھاڑ ٹوٹے لیکن وہ ان کے عزم میں کوئی خلل نہ
پیدا کر سکے تو آنھوں نے آن کو طمع دیکر آن کے
پائے ثبات میں تزلزل پیدا کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔
انسانی خواہشات کا منتها بادشاہت ہے آنحضرت صلیعہ کے
حضور میں بادشاہت پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا اور اس
کام کو سرانجام دینے کے لئے بلند پایہ سرداران قوم میں

سے عتبہ کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ عتبہ بطور قوم کے نمائندہ اور سفیر کے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ادب اور احترام کے ساتھ آن کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی تبلیغ چونکہ روایات قومی کے سخت خلاف ہے اور اس کی وجہ سے ملک میں فساد کا طوفان برپا ہو چکا ہے اور ایک ایک خاندان میں افتراق و انتشار شدت کے ساتھ رونما ہو چکا ہے اس لئے قوم نے اس فساد عظیم کو مٹا نے کے لئے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ میں عرض کروں کہ اگر آپ سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں اور آپ کی آسائش کیلئے آپ کے سامنے سیم و زر کے ڈھیر لگانے کو تیار ہیں اور آپ کا گھر بسانے کیلئے سرداران قوم کی جس دوشیزہ کو آپ پسند کریں وہ آپ کے نکاح میں دینے کیلئے حاضر ہیں اور اس کے عوض میں صرف اتنی استدعا ہے کہ آپ قوم کے بزرگ بتوں کی توهین سے اجتناب کریں اس پر حضور نے فرمایا خود سورج اور قمر بھی جن پر اس کائنات کی دولت اور خوبصورتی کا انحصار ہے میرے ہاتھوں میں دے سکو تو بھی یہ سودا مجھے منظور نہیں اللہ اللہ یہ کیا عرفان ہے اور کیا استغنان ہے اور کیا استقامت

ہے بادشاہت ملتی اور مصائب ختم ہوتے ہیں لیکن
حضرت کا منطبع نظر بادشاہت کا حصول نہیں ہے اس لئے اس
پر لات مار دی آن کا مقصد شرک کا مٹا دینا تھا

وہ قاسقانہ و مجرمانہ روشن زندگی کا قائم قمع کر دنیا
چاہتے تھے - وہ ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتے تھے جو
خداۓ واحد و بزرگ پر ایمان رکھنے والا ہو اور جسکا
مقصد مخلوق کی خدمت کرنا ہو - جن میں سچی ہمدردی
اور حقیقی رفاقت امتیازی رنگ اختیار کشی ہوئے ہو - کیا
اس مقدس شخصیت کی نسبت وواہے کہ ان کی طرف یہ
قبیح کمزوری فنسوب کی جائے کہ مشرکین عزب کو
خوش رکھنے کی خاطر آنہوں نے ان کی بعض رسومات کو
اپنے دین کی عبادات میں جذب کر لیا تھا - یہ بہت ظلم
ہے - تعصب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اور اس کو اقترا
کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے

قبلہ متقرر کرنے سے صلیب مشرکین اور یہود کی منخالفت

ایک اور امر ہے جس کو بڑی اہمیت حاصل ہے وہ یہ
کہ جب حضرت مکہ میں مقیم تھے تو بیت المقدس کی طرف
منشہ کر کے نمازیں اذا کرتے تھے کیونکہ اہل کتاب

کے لئے ان کے دل میں مشرکین کی نسبت زیادہ احترام تھا
 اہل کتاب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے
 تھے اس لئے حضرت بھی ایسا ہی کرنا درست سمجھتے
 تھے اہل مکہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ خانہ کعبہ
 کو چھوڑ کر بیت المقدس کو قبلہ بنایا جائے مشرکین
 مکہ بہت اقتدار کے مالک تھے ان کے مقابل پر اہل کتاب
 کی تعداد کچھ بھی نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ چونکہ اصول
 پر چلنا پسند کرتے تھے اس لئے بیت المقدس کو قبلہ بنائے
 رکھا۔ اور اس وجہ سے اہل مکہ کو ناراض رکھا
 بر عکس اس کے مدینہ میں اہل کتاب بہت زوروں پر تھے
 کیا بلحاظ دولت و ثروت کے اور کیا بلحاظ علم وفضل کے
 اور کیا بلحاظ جماعت کے لیکن حضرت نبی کریم نے
 مدینہ طیبہ میں سولہ سترہ ماہ کے قیام کے بعد زیر حکم
 "کعبہ" اللہ کو قبلہ بنایا اور بیت المقدس کی طرف پیٹھے
 کر کے مکہ معظمہ کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نمازیں
 ادا کرنا شروع کر دیں۔ حضرت کا یہ فعل اہل کتاب کو
 نہایت ناگوار گزرا چنانچہ اس پر آنہوں نے واویلا برپا کیا
 اور اعتراض کیا کہ اہل کتاب کے قبلہ کو ترک کر کے
 بت پرستوں کے قبلہ کو ترجیع دی گئی قرآن کریم نے اس

آیت میں اہل کتاب کے اضطراب کا ذکر کیا ہے فرمایا

سیٰقہ قول السفهاء من الناس ما ولهم عن قبلتهم
التي كانوا عليهما (البقرہ ۲ آیت ۱۶۲)

یعنی بیوقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ آنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر دوسرا قبلہ بنایا ہے۔ لیکن حضرت نے اصول پر قائم رہنا پسند کیا۔ اور اہل کتاب کی خوشنودی کے حصول کی پرپشہ کے برابر پرواد نہ کی اور جس طرح ماذرن مذہب کا اقتضاء ہے ان کے سامنے قبلہ کا فسلفہ بیان فرمادیا۔ کہ نماز خدا کی ہے اور خدا ہر جگہ اور ہر سمت میں ہے۔

لَهُ الْمَشْرُقُ وَ الْمَغْرِبُ فَايْنَا تَوَلَّوْا فَشَمْ وَجْهُ اللَّهِ

یعنی خدا تعالیٰ ہر سمت کا مالک ہے جدھر بھی منه کر کے عبادت کرو اس طرف میں خدا ملے گا۔ رہا کعبہ اللہ کی طرف منه کرنا یہ محض اس لئے ہے کہ اس مسجد کو تمہارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم نے تعمیر کیا تھا۔ حضرت ابراہیم کو عرب کے تمام لوگ مع یہودیوں اور نصراویوں کے اپنا باپ یقین کرتے ہیں اور انہما درجہ کی تعظیم و تکریم آن کے لئے اپنے دلوں میں

محسوس کرتے ہیں اس لئے تمام قوموں کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لئے ابراہیم کے تعمیر کردہ گھر کو قبلہ عبادت اختیار کیا

وَاتْخَذْ وَا مِنْ مَقَامَ اِبْرَاهِيمَ مَصْلَىٰ ه

(البقرہ ۲ آیت ۱۲۵)

یعنی ابراہیم کے مقام کو قبلہ نماز بناؤ - تنگ نظر و تنگ ظرف اہل کتاب کو یہ پر حکمت فلسفہ پسند نہ آیا اور مخالفت پر برابر ڈٹے رہے - لیکن وہ شخصیت جس کو اصول پر عمل پیرا ہونا پسند تھا اس نے اہل کتاب کی اس قسم کی خوشنودی کا خیال کرنا ناروا سمجھا - یہ ہے وہ ذات ستودہ صفات جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ آنہوں نے لوگوں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی رسومات کو اپنے دین کے اندر اسی طرح سے رہنے دیا جس طرح سے وہ قوم کے اندر رائج تھیں - حضور کی نسبت اس قسم کا خیال رکھنا نہایت ہی غیر معقول و غیر مناسب ہے -

یہاں پر حج کے متعلق ایک پرانی رسم کا ذکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا - قریش اور ایک آدھ اور قبیلہ ایسا تھا کہ آن کو کعبہ "الله کے جیران یعنی همسایہ ہو۔"

کا فخر تھا اور وہ اپنی اس برتری و فضیلت کو قائم رکھنے کے لئے عرفات کے میدان میں عامہ "الناس" کے ساتھ جا کھڑا ہونا اپنی عظمت کے خلاف سمجھتے تھے اور اس میں اپنی ہتک خیال کرتے تھے ۔ اور یہ لوگ اپنی روایات پر نہایت شدت کے ساتھ عمل کرتے تھے اور اس سے سربو انحراف کرنا آن کی نگاہ میں نہایت مذموم اور نہایت ہی ناقابل برداشت فعل تھا ۔ یہ لوگ اپنی پرہیزگاری اور رسومات پر شدت و طاقت کے ساتھ قائم رہنے کے باعث حمس کھلاتے تھے ۔ یہ لفظ الحاسہ سے نکلا ہے ۔ جس کے معنی الشدة ہیں ۔

یقان رجل الحمس و قوم الحمس

یہ لوگ چونکہ عرفات میں عام پبلک کے اندر مل کر کھڑا ہونا اپنی امتیازی خصوصیت کو برباد کر دینے کے مترادف سمجھتے تھے اس لئے مزدلفہ ہی سے واپس آ جاتے تھے ۔ ظاہر ہے وہ حقیقی مساوات جو اسلام نے قائم کی تھی اس کے راستے میں اس قسم کی خصوصیت اور امتیاز کا قائم رہنے دینا ایک پھاڑ کا حائل رہنے دینا تھا ۔ اس رکاوٹ کا ہٹانا آسان نہ تھا ۔ قوم کا ایک حصہ اس پر مدتیوں سے شدت کے ساتھ قائم تھا ۔ ان کے رگ و ریشے میں یہ امتیازی

رلنگ کی فضیلت رجی ہوئی تھی ان کو ناراہش کر کے ہی
یہ رسم دلوں کی جا سکتی تھی ۔ چنانچہ اس رسم بد کمز
دور کرنے کے لئے فرمایا ۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ
أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
(البقرہ ۲ آیت ۱۹۹)

یعنی پھر سب لوگوں کے ساتھ مل کر عرفات میں نکلو اور
الله تعالیٰ سے اپنی تقدیریوں کی مغلظت طلب کرو ۔
الله تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ عرفات کے میدان میں خدا کی
توحید اور انسانیت کی وحدت اور مساوات کا مظاہرہ کیا
جاتا ہے ۔ مختلف اقوام کے افراد ایک ہی قسم کا لباس
پہن کر اور تمام قسم کے امتیازی نشان مٹا کر ایک سلسلہ
اخوت میں منسلک ہوتے ہیں اس میدان میں ان اہل حرم
کو جو اپنے تئیں جیرانِ اللہ کہ کر اپنی فضیلت کا مشکہ
جانا اور اس طرح سے تکبر اور برتری کو قائم رکھنا
چاہتے ہیں ۔ جمع ہونے کا حکم دیا چنانچہ خدا کا یہ حکم جب
اُسکے رسول کی زبان پر جاری ہوئا تو خدا کے یہ ہمسائے
بھی عام لوگوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں جا کھڑے
ہوئے اس انقلاب عظیم کو اہل عرب نے بہت بڑے
تعجب کی نگاہ سے دیکھا یہ وہ انقلاب تھا جو ناممکن

نظر آتا تھا - یہ وہ انقلاب تھا - جو راجپوتوں سے زیادہ غیرت رکھنے والے عربوں میں پیدا کر دینا ایک معجزہ تھا - چنانچہ مطعم بن جبیر کہتے ہیں میرا اونٹ گم ہو گیا - میں اس اونٹ کی تلاش میں عرفات کے میدان میں جا نکلا کیا دیکھتا ہوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پر موجود ہیں میں ان کو حمس میں شمار کرتا تھا - اور کبھی باور نہ کر سکتا تھا کہ وہ بھی اس میدان میں جا کھڑے ہونگے جہاں عوام جمع ہوتے ہیں - اور جہاں حمس میں سے کوئی فرد بھولے سے بھی نہیں جاتا - کیا اس ارادے اور اس عمل کے انسان کی نسبت یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ انسانوں کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے تعلیمات حقہ سے انحراف کرتے ہوئے کبھی ان کی رسومات باطلہ و فاسدہ کو دین متنیں میں جگہ دے دینے کے لئے راضی ہو جائیگا - ایسا خیال کرنا صریح بے انصاف ہے اور اس عظیم المرتب شخصیت کی سیرت سے ناقصیت کی دلیل ہے -

عرب کے طریق قصاص کی اصلاح

عرب کے ایک اور نقصان دہ دستور کا ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا اس دستور کو مٹا دینا بھی معجزہ

ہے اس رسم اور عادت کا جو راسخ ہو چکی تھی اور جو انسانیت کے لئے ننگ و عار تھی دور کرنا ضروری بھی تھا اور مشکل بھی ۔ لیکن ایک مستقل مزاج انسان نے جسکے ارادے مضموم تھے اسکو بھی کر دکھا یا ۔ وہ ناگوار دستور یا رسم بد جسکا دور کرنا بہت مشکل تھا اسکا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے فرمایا ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اسْنَوْا كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي
الْقَتْلِ الْحَرْ بِالْحَرْ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأَنْثَى
فَمَنْ عَفَى لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعٌ بِالْأَسْمَاعِ
وَإِذَاءُ الْيَمِّ بِالْأَحْسَانِ ذَالِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
فَمَنْ أَعْدَى بَعْدَ ذَالِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(البقرہ ۷ آیت ۱۱۸)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو مقتولوں کے ہارے میں تم پر قصاص مقرر کیا گیا ہے ۔ (قاتل) آزاد ہو تو آزاد (ہی مارا جائے) اور غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت مگر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معاف

دی گئی ہو تو عِمدگی سے پیروی کرنی چاہئے اور نیکی کے ساتھ
ابسے ادا کیا جائے اور یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی
اور سہر بانی ہے پھر جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے اس
کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

عرب کے قبائل میں دستور تھا کہ جب دو
قبیلوں میں قتل کا وقوعہ ہو جاتا ۔ تو وہ جو
اپنے تین اشرف اور زیادہ مقتدر سمجھتے تھے وہ اعلان
کرتے تھے کہ اگر ہمارا غلام قتل کیا گیا ہے تو ہم اس
غلام کے عوض میں دوسرے قبیلہ کا ایک آزاد مرد قتل
کر دیں گے ۔ اور اگر ہماری ایک عورت قتل کی گئی ہو
تو اس کے عوض میں ہم ایک مرد کو قتل کر دیں گے ۔
اور اگر ہمارا ایک مرد قتل کیا گیا ہو تو اس کے بدله
میں دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کر دیں گے ۔
اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص کے قتل کے
بدلہ میں وہ دوسری قوم کے تمام افراد کو قتل کرنا چاہتے
تھے ۔ اور اگر خون بہا بینے پر راضی ہو جاتے تو معمولی
آدمی کی دیت شریف آدمی کی دیت سے کئی گناہ زیادہ طلب
کرتے تھے ۔ یہی حال آج پوری اقوام کا ہے ۔ وہ تو

ایک ٹامی کے قتل کے عوض سارے ایشیا کو قتل کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی معمولی نرس اگر بائسیکل سے گر پڑے تو محاکوم قوم کو اس طرح سزا دیتے ہیں کہ جس سڑک پر یہ سفید اندام نرس گر پڑے اس آبادی کے چھوٹے اور بڑے پیٹ کے بل رینگ کر اس سڑک پر راستہ طے کریں تا کہ وہ محسوس کریں کہ سفید فام عورت کا پایا کیا ہوتا ہے اور اس گر پڑنا کتنا بڑا جرم ہوتا ہے۔ کہ ایک قوم کی قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ محاکوم قوموں کے افراد کو موت کے گھاٹ آتار دیا جاتا ہے۔ کبھی ایک میم صاحبہ اپنے پستول سے اپنے مالی کو مار ڈالتی ہے تو عدالت کی تحقیقات میں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ میم صاحبہ نہایت پاک ارادے کی خاتون ہیں کسی کو مار ڈالنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں گزر سکتا۔ ہونہ ہو مالی خواہ مخواہ پستول کی زد میں آگیا ہو اور اس طرح سے اس نے اپنی جان گنوالی ہو۔ کبھی ایک ٹامی نے اپنے پنکھا قلی کو رات کے وقت اس کی غفلت کی سزا دینے کے لئے اس کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور

وہ مر گیا تو عدالت کی تحقیقات ہر معلوم ہوا کہ اس مزدور کی تلی پہلے ہی سے بڑھی ہوئی تھی اور وہ منے کے لئے بہانہ ہی ڈھونڈتا تھا۔ ایسے فرعون کے فرزندوں کی اصلاح کون کر سکتا ہے سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو غربا کے بیچے دوست تھے۔ جو بوجہوں کے نیچے دیے ہوئے لوگوں کا بوجہ اٹھاتے تھے۔ جو یہ کس و بی دست و پا مسکینوں کے مولاتھے۔ حضور نے انسانیت پر کتنا کرم کیا ہے جو اس خطرناک ظلم و تعدی سے طاقتوروں کو روکا اور کمزوروں کے حقوق کو پائیں ہونے سے بچایا۔ اور فرمایا اگر آزاد مرد قتل کا مرتکب ہو تو اس آزاد مرد کو ہی سزا دی جائیگی اور اگر غلام نے قتل کا ارتکاب کیا ہو تو غلام کو مزا دی جائے گی۔ اور اگر عورت کسی کو قتل کر دے تو وہ عورت سزا پائے گی۔ یعنی قتل کر دی جائے گی۔ یورپیں اقوام اب بھی اس قسم کی ناہنجار اور ظالمانہ عادات کا شکار ہیں۔ موقعہ آنے پر ان کی بربادی یہ نقاب ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی افریقہ میں ان لوگوں کی متکبرانہ روشنی یہ دست و پا مسکین رعایا پر مظالم ڈھا رہی ہے۔ اور مسکینوں کی گریہ و زاری سن کر بھی

اہل فرنگ کے دل نہیں پسیجتے۔ اور کوئی نہیں اٹھتا جو ان مظلوموں کی دستگیری کرے۔

میراث کے لئے قتل و مقتالہ کی شرط کی اصلاح

عرب میں یہ دستور بھی تھا کہ جب تک کوئی نوجوان شہسواری میں اور قتل مقابلہ میں اپنی شجاعت اور یہ خوفی کے جوہر نہ دکھاتا اس وقت تک اس کو میراث کا حقدار نہیں قرار دیا جاتا تھا۔ عرب کے جنگجو قبائل کے اندر اس قسم کے دستور کی بہت قدر منزلت تھی کیونکہ یہ نوجوانوں کے دلوں میں نہایت قیمتی جذبہ پیدا کرنے کا باعث تھا اس لئے تمام کی تمام قوم اس کو بہ نظر استحسان دیکھتی تھی یہ تو صرف آنحضرت کی باریک بین نگاہ تھی جس کو اس دستور کے اندر نقص نظر آتا تھا۔ وہ نقص یہ تھا کہ یہ دستور تمام ان لڑکوں لڑکیوں اور عورتوں کو حق وراثت سے محروم کرتا تھا جنمیوں نے شہسواری میں مہارت نہ حاصل کر لی ہو۔ اور جنمیوں نے جنگ میں شہوولیت کر کے یہ نہ ثابت کر دیا ہو کہ وہ بے جگری سے لڑ سکتے ہیں اور موت سے خائف نہیں ہیں۔ یہ جذبہ جو قبیلے کی حیات کا ضامن نظر آتا تھا آنحضرت کی

نگاہ میں انسانیت کے حقوق کو پائمانہ کرنے والا تھا۔ اس دستور کی اصلاح کے کام میں وہ آسانی نہ تھی۔ جو ان رسوم و عادات کی اصلاح میں آسانی تھی جن کی ذات کے اندر بدی تھی۔ مثلاً قوم کو سمجھایا جا سکتا ہے کہ شرابخوری مضر ہے اور جوا مضر ہے اور ڈاکھنی بداخلائقی ہے۔ اور بت پرستی اور بدکاری سے انسان اپنے تیئں ذلیل کر لینا ہے۔ لیکن سپاہی قوم اس دستور کو کس طرح خیر مفید تسلیم کر لے جو حیات قومی کے برقرار رکھنے کے لئے نوجوانوں کے اندر جذبہ قربانی پیدا کرتا اور ان کو شجاعت کا قیمتی جوهر سیکھنے پر آمادہ کرتا ہے اس قسم کے دستور کی اصلاح کرنا قوم کو اپنے برخلاف کر لینا تھا۔ اور خود اپنے ہی سپاہیوں کے اندر اپنے برخلاف اشتعال پیدا کر لینا تھا۔ اس قومی دستور کے خلاف عورتیں اور لڑکیاں اور نابالغ بچے کبھی بھی احتجاج کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ سرداران قوم اس کے حق میں تھے۔ اور سپاہیوں کو مالی فائدہ پہنچتا تھا۔ قومی جذبہ سے سرشار عورتیں بھی اس کی تائید میں تھیں۔ لیکن حضور نبی کریم کی نگاہ باریک تھی۔ وہ تو یتیموں کے مولا

تھے وہ بیواؤں کے ملجا و ماوی تھے ۔ وہ نابا غون اور غلاموں اور لڑکیوں اور بیکسوں کے لئے پہلو میں درد بھرا دل رکھتے تھے ۔ انہوں نے سردارانِ قوم کے خلاف اور سپاہیوں کے احساسات کے خلاف ایسے قانون کا قائم کرنا ضروری سمجھا جس کی رو سے بے نواؤں اور بے کسوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے ۔ وہ قانون یہ ہے ۔

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنماء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیباً مفروضاً۔

(النساء ۴۷ آیت ۷)

یعنی مردوں کے لئے حصہ ہو گا اس میں سے جو ان کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں اور علاوہ جو ان کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں ۔ خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اس حصہ کا ادا کر دینا فرض کر دیا گیا ہے ۔

یہ حصہ تو میراث میں مقرر ہوا اس کے علاوہ ذیل کا حکم عورتوں کو اموال تجارت وغیرہ میں ملکیت کے حقوق عطا کرتا ہے ۔

للرجال نصيب مما أكتسبوا وللنساء نصيب مما أكتسبن

(النساء ۴۰ آیت ۳۲)

یعنی مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں - یسوسیں صدی کے اہل پورپ اور ہندو ابھی تک میراث کے معاملہ میں تعلیمات اسلامی کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہیں اور اسی طرح عورتوں کے حقوق ملکیت کے معاملہ میں بھی وہ اسلامی رہنمائی کے محتاج ہیں - بہلا وہ پیغمبر جس کے نظریات اس قدر دور رہ ہوں اور جس کے عمل سے صدیوں کے دستوروں کی اصلاح ہو سکتی ہو وہ کس طرح کسی رسم کو مشرکین عرب کی خوشنودی کے لئے اپنا سکتا ہے -

کعبت اللہ کا مقام عالیٰ اور برکات

کعبت اللہ توحید کا مرکز ہے - اس کو مسجد حرام کہتے ہیں - یعنی وہ عبادت گہ جو قابل احترام ہے شاید ہی دنیا میں کوئی ہیکل یا گرجا ہوگا - جو اس عظمت و حرمت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہو - عرب کے خونخوار قبائل جب حرم میں داخل ہونے تھے تو اپنی تمام قسم کی دشمنیوں اور عداوتوں و جذبات انتقام کو بھول جاتے تھے - یہاں کا نہ تو کانٹا کانٹا جاتا تھا

اور نہ ہی ادنیٰ سے ادنیٰ جاندار مارا جاتا تھا - اور
نہ ہی وہاں پر کسی کی کوئی شئے جو گر پڑتی
کوئی اٹھا سکتا تھا - حضرت عمر فاروق رضی اللہ جیسا
پر رعب خلیفة المسلمين فرماتا ہے -

لوظفرت بقاتل الخطاب ما مسسته

اگر میرے باپ کا قاتل مجھے یہاں مل جائے تو میں اس
کو ہاتھ نہیں لگا سکتا -

اس عبادت گاہ کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

منابتہ manus و امناً

یہاں پر لوگ متواتر جمع ہوتے رہیں گے - اور
باوجود کثیر اجتماعوں کے اس کے امن میں خلل نہ
آئیگا - حالانکہ جمع ہونے والے قبائلی خونخوار تھے -
جن کے ہاتھوں سے مکہ کے باہر لوگوں کی جان و مال
محفوظ نہ تھی -

و يتخطف الناس من حولهم

(العنکبوت ۹ ۶۷ آیت)

یعنی لوگ ان کے ارد گرد سے اچک لئے جاتے جاتے

تھے -

بدین وجہ کعبت اللہ خدا نما تھا - حقیقت میں اتنا

مقام عالی کسی دوسری عبادت گاہ کو نصیب نہیں ہوا۔ وہاں دلوں پر خدا کا راج نظر آتا ہے۔ جب دل خدا کی معرفت سے معمور ہو جائیں تو ان سے کوئی تزیبا حرکت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس بیت اللہ کی نسبت یہ بھی فرمایا ہے مبارکاً یعنی اس گھر کی برکات ختم نہ ہونگی اور یہ بھی فرمایا ہدی للناس یعنی یہ توحید کا گھر انسانیت کی وحدت کا باعث ہے۔ اور عرفان الہی عطا کرنے میں مخلوق خدا کی رہنمائی کرتا ہے۔ مختلف قومیں وہاں جمع ہوتی ہیں اور توحید الہی کے نعمے بلند ہوتے ہیں۔ سب کے سب لوگ ایک ہی معبود حقیقی کی رضا کے طالب اور اسی کی محبت سے سرشار نظر آتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسی اخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ نہ نسلی امتیازات نظر آتے ہیں اور نہ وطنی وغیرہ۔ مختلف مراتب و مناصب کے افراد ایک دوسرے کو دیکھ کر دلوں میں حقیقی لذت محسوس کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور کھانے کی چیزوں پیش کرتے ہیں۔ جس سے دلوں میں ایک برقی رو پیدا ہو جاتی ہے۔ الغرض وہ توحید کا گھر وحدت و مساوات انسانی کا عجب

مشاهدہ کرانا ہے۔ یہ وہ قابل رشک نظارہ ہے جس کے حصول کے لئے اہل دنیا کے دل خواہشمند ہیں اہل دنیا کے اس انتہائی مقصد کو یہ بیت اللہ ہی پورا کر سکتا ہے۔ مذہب کے دو بڑے مقاصد ہیں یعنی دلوں میں توحید الہی کی معرفت پیدا کرنا اور انسانیت کو سلسہ وحدت میں منسلک کر کے ان کے اندر سچی ہمدردی و یگانگت اور حقیقی مساوات پیدا کرنا۔ ان دو بڑے مقاصد کے پیش نظر کعبت اللہ یقیناً ہدی للناس ہے اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے۔

کعبت اللہ اور حجر اسود کی پوجا کا الزام ان برکات کے موجود و مشہود ہونے کے باوجود عیسائی اس پات کے کمہنے کی جسارت کرتا ہے۔ کہ مسلمان کعبت اللہ کی پوجا کرتے ہیں۔ اس قوم کا پراپیگنڈہ کیسا ہے بنیاد ہے قرآن کریم نے اس کا جواب خود دے رکھا ہے۔

فَلَمَّا يَعْبُدُوا رَبَّهُمْ هَذَا الْبَيْتُ

(القریش ۱۰۶ آیت ۳)

یعنی اس گھر گی عبادت نہ کرنا بلکہ اس گھر کے مالک کی پرستش کرنا اور حضور نبی کریم کو

ان الفاظ میں مکہ معظمہ کے رب کی پرستش کرنے کا حکم دیا ۔

انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة الذي حرمتها

(النمل ۷۲ آیت ۹۱)

یعنی مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا ۔ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ تمام قسم کے اعتراضات والزمات کے جواب خود دیتا ہے ۔ کس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں پر اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض بھی ہو گا کہ یہ اوگ ایک کوٹھے کی پوجا کرتے ہیں ۔ اور کس کو معلوم تھا کہ قرآن کریم نے پہلے سے ہی اس الزام کی تردید کر دکھی ہے ۔
سبحان الله عما يصفون ۔

اس ضمن میں ایک اور یہ بنیاد الزام کا ذکر کر دینا ضروری ہے عیسائی کہتا ہے مسلمان حجر اسود کی پرستش کرتے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اس کو بوسہ دیتے ہیں ۔ یہ ایسا ہی بودا اعتراض ہے جیسے ایک دفعہ میں نے ایک یورپین کا یہ اعتراض پڑھا کہ مسلمان سورج کی پرستش کرتے ہیں ۔ اس کے

ثیوں میں اس نے یہ کہا کہ میں نے ان کو ایک دفعہ جہاز کی چھت پر ایسے وقت منہ کے بل گرتے دیکھا جب کہ سورج غروب ہو گیا تھا۔ اور کہا کہ میں اپنے مشاہدے کی بنا پر یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان سورج پرست ہیں۔ اس کا مشاہدہ درست تھا اس نے مسلمانوں کو نماز مغرب میں مصروف پایا تھا لیکن اس نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ اس کی لا علمی پر دلالت کرتا ہے۔ حاجی کعبت اللہ کے حجر اسود کو اس لئے نہیں چومتے کہ وہ اس کو قابل پرستش سمجھتے ہیں۔ چوم لینا یا محبت سے ہوتا ہے۔ یا بوجہ اکرام کے۔ انگلستان کو چھوڑ کر تمام کے تمام یورپیں ممالک جھک کر لیڈیوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ ایسا کرنا ان کی تہذیب کا جزو ہے۔ کوئی دیکھنے والا ان شرف کو بت پرست نہیں کہتا کیونکہ بوسہ دینا بت پرستی کی علامت نہیں ہے۔ روما میں سینٹ پیٹر (Peter) کا مشہور و معروف کرجا ہے۔ اس کی زیارت کے لئے جب میں گیا تو داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ میں نے ایک سیاہ بت دیکھا جو کرسی پر بیٹھا تھا اور کوئی چار فٹ اونچے سٹول پر اس نے اپنا دایاں

پاؤں آگے بڑھایا ہوا تھا جو عیسائی مرد یا عورت
 اس گرجا کی زیارت کے لئے آتا اس بت کا پاؤں چومتا
 تھا۔ لوگوں نے اس کالے بھیجنگ کے پاؤں کو زبانوں
 اور ہونٹوں سے چاٹ چاٹ کر چاندی کی طرح سفید
 کر رکھا ہے۔ یہ مجسمہ سینٹ مرقس کا ہے۔ اس کی
 پوچا نہیں کی جاتی لیکن اس کی تعظیم کے اظہار کا
 یہ رنگ ہے کہ عیسائی مرد و زن اس کے پاؤں کو بوسہ
 دیتے ہیں۔ یہ جذبہ احترام کا اظہار ہے اس کو بت پرستی
 کے مترادف ہمچہنا اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا ہے۔
 کعبت اللہ کا حجراسود مسلمانوں کی پرستش کی چیز نہیں
 ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے باپ
 ابراہیم نے یہ پتھر اس توحید کے گھر کی ایک دیوار
 میں لگایا تھا۔ مسلمان ابراہیم کی یاد کو تازہ کرتا
 ہوا اس کالے پتھر کو بوسہ دیتا ہے۔ اس کو پرستش
 کہنا صریح ظالم ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ
 نے ایک دفعہ اس پتھر کی نسبت وہ بات کہی جو ہر
 موحد مسلمان کے دل کی ترجمانی کرتی ہے۔ انہوں نے
 کہا۔

لو لارايت رسول الله يقبلک ما قبلتك
 اگر میں نے حضور نبی کریم کو نہ دیکھا ہوتا
 کہ وہ تجھے کو بوسہ دیتے ہیں۔ تو میں تمہیں ہرگز
 نہ چومتا۔

الغرض اس گھر کی پوجا کرنے کا نہ کوئی حکم
 ہے اور نہ ہی اس گھر کی کسی اینٹ یا پتھر کی
 پرستش کے لئے کوئی هدایت ہے۔ اگر کوئی حکم ہے
 تو اس گھر کے مالک کی پرستش کا حکم ہے جس نے
 اس گھر کو مبدع هدایت بنایا ہے۔
 جیسے فرمایا۔

فليعبدوا رب هذا البيت

وہاں پر تو حاجی لوگ دن رات اللهم لبیک
 کے نعروے لگاتے ہیں اور تمام مجمع ان نعرووں میں شریک
 ہوتا ہے اور تمام کے تمام مجمع کے دلوں پر توحید کا
 سکھ بیٹھتا چلا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ لا شریک
 لک لبیک کہتے ہیں۔ تو واحد خدا ہے تیرا شریک
 کوئی نہیں جس کو ہم معبود قرار دیں اور اس کی
 پرستش کوئی۔ جو لوگ اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں
 وہ، ان جان افروز مشاهدات سے ناواقف ہیں اور جہالت

کی وجہ سے ایسے یہ بنیاد و یہ معنے اعتراضات کرتے ہیں - مذکورہ بالا تشریح سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ عیسائیوں کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں کو خوش رکھنے کے لئے ان کی رسمومات کو اسلامی عبادات کے ارکان میں شامل کر لیا تھا ۔

قرآن کریم کا بیان خود اپنے متعلق

اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا قرآن کریم خود بھی اپنے متعلق یہ بیان کرتا ہے کہ میں خدا کا کلام ہوں اور میں بشر کا کلام نہیں ہوں ۔ کیا قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی تعلیمات حق و حکمت پر مبنی ہیں اور کیا قرآن کریم میں یہ بات لکھی ہے کہ وہ حضرت نبی کریم پر نازل ہوا تھا اور کیا قرآن کریم کے اندر یہ بات موجود ہے کہ یہ تعلیم ساری دنیا کے لئے ہے اور اس کے مخاطب صرف عرب اور مسلمان ہی نہیں بلکہ یہ کتاب ساری انسانیت کی راہنمائی کے لئے آئی ہے ۔ اور ساری انسانیت کے شکوک و شبہات کو دور کرتی اور انکو شفا بخشتی ہے ۔ اور اس کتاب کے مطالعہ سے انسانیت کے ہموم و غموم دور ہوتے ہیں ۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں دوسری اقوام

عالیم کا ذکر ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اہل کتاب کی تعظیم و تکریم سکھاتی ہے یہ وہ کتاب ہے جو عام انسانیت کی تکریم کرنے کا حکم دیتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو تمام قوموں کے بزرگوں کو سچا تسلیم کرتی اور ان کی حمایت کرتی ہے۔ اور اس طرح سے تمام انسانیت کے اندر سچی یگا نگت پیدا کرتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اہل کتاب کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھہ کھانے پینے کو درست قرار دیتی ہے۔ اسی طرح سے مسلمانوں کو ان کے ہاں شادی کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ الغرض یہ کتاب خود ناطق ہے۔ اور اپنے ماننے والے کو ہر قدم پر راہبری کرتی ہے اور خود کسی کی محتاج نہیں ہے۔ ذیل میں وہ آیات درج کی جاتی ہیں۔ جو مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔

اس کتاب کا نام کیا ہے؟ فرمایا

انہ لقران کریم فی کتاب مکنون لا یمسه الا

المطہرون (الواقعہ ۵۶ آیت ۷۷ و ۷۹)

یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔ محفوظ کتاب میں۔

سوائے پاک لوگوں کے اسے کوئی نہیں چھوتا۔

اس کتاب کا نازل کرنے والا کون ہے؟ فرمایا
و انه لتنزيل رب العالمين (الشعراء ۲۶ آیت ۱۹۲)
یعنی تمام کائنات اور تمام اقوام عالم کے رب کی طرف سے
نازل کی گئی ہے

یہ کتاب کس پر اتاری گئی ہے؟ فرمایا
و امنوا بما نزل على محمد (محمد ۷۷ آیت ۲)
یعنی ایمان لائے اس کتاب پر جو محمد پر اتاری گئی ہے
ونزلنا عليک الكتاب (النحل ۱۶ آیت ۸۹)
اے محمد تیرے اوپر ہم نے کتاب نازل کی ہے
انا نحن نزلنا عليک القرآن تنزيلا (الدھر ۶۷ آیت ۲۳)
اے محمد تیرے اوپر ہم نے قرآن نازل کیا ہے
و انزل الله عليک الكتاب والحكمه (النساء ۲۰ آیت ۱۱۳)
یہ کتاب ہم نے تیرے اوپر اتاری ہے
ما انزلنا عليک القرآن لتشقى (طہ ۲۰ آیت ۲)
تیرے اوپر قرآن اس لشے نہیں اتارا کہ تو نا کام رہے
و اوحى الى هذا القرآن (الانعام ۶ آیت ۱۹)
اعلان کر دیجئے کہ یہ قرآن میرے اوپر نازل ہوا ہے
یہ قرآن عربی زبان میں اتارا گیا ہے فرمایا
قرآننا عربیاً (الزمر ۳۹ آیت ۳۸)

پھر فرمایا

کتاب فصلت ایاتہ قرانا عربیاً (حُمَّالْسِجْدَةٌ ۖ آیت ۳)

پھر فرمایا

(یوسف ۴۲ آیت ۲) ابا انزلناه قرانا عربیاً

پھر فرمایا

و كذاك انزلناه حكمًا عربیاً (الرعد ۱۳ آیت ۷)

نزل به الروح الا مین (الشعراء ۲۶ آیت ۱۹۳)

یہ وحی قرآن جبریل لے کر آئے ہیں۔

(البقر ۲ آیت ۹۷) فانہ نزلہ علی قلبک

جبریل نے یہ وحی تیرے قلب پر او تاری

قل نزلہ روح القدس (النحل ۱۶ آیت ۱۰۲)

اعلان کر دو کہ جبریل جو امین ہے اور روح القدس
یعنی پاکیزہ ہے۔ وہ آپ پر وحی لیکر آتے ہیں۔

وازہ لتنزیل رب العالمین نزل به روح الا مین علی

قلبك لتكون من المذرين بمسان عربی مبین

(الشعراء ۲۶ آیت ۱۹۲ تا ۱۹۵)

والله یعلم حيث يجعل رسالته

ہم نے خوب دیکھہ بھال کر اوز اپنے علم کی بناء پر ایک
قابل اور پاک انسان یعنی محمدؐ کے سپرد پیغام رہالت

کیا ہے -

و انک لائق القرآن من لدن حکیم علیم

(النمل ۲۷-آیت ۶)

یعنی تیرا سکھانے والا خدا علیم بھی ہے - اور حکمت و دانش کا سر چشمہ بھی
و دانش کا سر چشمہ بھی
و یعلمهم الكتاب والحكمة

(الجمعة ۶۲ آیت ۲)

اور تو لوگوں کو شریعت بھی سکھاتا ہے اور
حکمت و دانش بھی
ویز کیبھم

اور ان کو تمام آلاتشوں سے پاک کرتا ہے -
وانہ لذکرلکھ و لقومک

یہ کتاب تیرے لئے اے پیغمبر موجب شرف ہو گی
اور تیرے متبعین کیلئے بھی - چنانچہ ہر طرح کی کامیابی
اور ہر طرح کا شرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو اور حضور کے متبعین کو حاصل ہوا -

کتاب انزلنہ الیک مبارک

(ص ۳۸ آیت ۲۹)

یعنی یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے - سر چشمہ

برکات ثابت ہو گی اور اس کی خیرات کبھی منقطع نہ
ہو گی -

و انہ لکتاب عزیز لا یأٰتیه الباطل من بین يدیه و لا
من خلفه -

(حمد سجده ۱۴ آیت ۲۲)

یعنی یہ کتاب غالب رہنے والی ہے - اس پر دشمن
حملہ آور ہو کر غالب نہیں آ سکتا -

یسین و القرآن الحکیم انک لمن المرسلین -

(یسین ۳۶ آیت ۲ و ۳)

اے پیغمبر یہ کتاب جو حق و حکمت سے بھری
ہوئی ہے - یہی تیری رسالت کو ثابت کرنے کیلئے
کائی ہے -

و لقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من كل مثل -

(الروم ۱۳ آیت ۵۸)

ہم نے تمام اہم امور اس کتاب میں بیان کر دئے
ہیں -

و تمت کلمہ ربک صدقًا و عدلا -

(الاعnam ۷ آیت ۶)

یہ کتاب کامل کر دی گئی ہے اور اس میں عدل و انصاف کی تعلیمات ہیں ۔

مصدقًاً لِمَا بَيْنِ يَدَيْهِ ۔

(البقرہ ۲ آیت ۹۷)

یعنی اس کتاب سے پہلے جسقدر انبیاء آئے اور جسقدر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ان تمام سچائیوں کی تصدیق کرنے والی یہ کتاب ہے ۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی
و رضیت لکم الا سلام دیناً ۔

(المائدہ ۵ آیت ۳)

آج تمہارا دین میں نے کامل کر دیا اور تم پر
نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا
کیا کسی آسمانی کتاب کے اندر اپنی نسبت اس قسم
کی تشریح و توضیح موجود ہے ۔ جس طرح کی تفصیلات
قرآن کریم نے اپنی نسبت بیان کی ہیں ؟ انجیل میں انجیل
کا نام تک نہیں ہے ۔ اور نہ ہی توراة میں توراة کا نام
مذکور ہے ۔ انجیل میں اس بات کا بھی ذکر نہیں
ملتا کہ وہ کسی زبان میں نازل ہوئی اور کسی
شخص پر نازل ہوئی ۔ اور کسی مقصد کے ائے نازل

ہرئی اور اس میں کن نظریات کا ذکر ہے۔ اور اس کے دین کا نام کیا ہے۔ ان کتابوں کا دائرہ عمل محدود ہے اور نظریات میں وسعت کا نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری قوموں سے نفرت ہے۔ مثلاً نجات صرف بُنی امرائیل کے گھرانے کیلئے مختص ہے۔ اور خدا کی نگاہ میں باقی تمام قومیں مقهور ہیں۔ ایک طرف قرآن کریم کی وہ تفصیلات رکھیں جو خود قرآن کریم نے اپنی نسبت بیان کی ہیں۔ اور دوسری طرف ان تمہیدست کتابوں کو رکھیں تو آپ کو ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا۔ اور آپ تعجب کریں گے کہ کس طرح باور کر لیا جائے کہ قرآن کریم توراة و اناجیل سے تعلیمات سرقة کر کے اپنے صفحات کو مزین کرتا ہے۔ قرآن کریم ایک سمندر نظر آتا ہے جسکے مقابل پر توراة و انجیل شاید ایک چھوٹی سے کوئیں کا مقام رکھتی ہوں۔

اہل نظر کے لئے سامان لطیف

قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ میری تعلیمات اور میرے نظریات اہل علم و اہل بصیرت کے

نظريات کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ وہ نظريات ہیں جو ان کے دلوں میں موجود ہیں بل ہوایات بینات فی صدور الذين اوتوا العلم -

(العنکبوت ۲۹ آیت ۲۹)

يعنى یہ وہ واضح تعلیمات ہیں جو اهل علم کے سینوں میں موجود ہیں اہل علم وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات میں قوانین کو جاری و ساری دیکھا اور وہ سائینس دان بن گئے۔ اگر انہوں نے فلکیات کا مطالعہ کیا تو وہاں پر اجرام سماوی کو قوانین کا پابند پایا اور ان کے مطالعہ نے ثابت کیا کہ فضاء میں سائینس کا دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے جسکا نام اسٹرانوسمی ہے۔ اور اگر زمین کی مختلف مخلوقات کا مطالعہ کیا تو ہر حصہ تخلیق میں سائینس کا کرشمہ کار فرمایا نظر آیا۔ کہیں بیالوجی ہے۔ اور کہیں انٹو مالوجی ہے۔ اور کہیں سائیکالوجی نیز تمام کائنات میں کیمسٹری اور فزکس کے قوانین نہایت ہی باقاعدگی اور نہایت ہی سخت پابندی سے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ہر وجود کے اجزا تلے ہوئے اور

مقرر کئے ہوئے ہیں ان کے اوزان اور ان کے مقادیر
معین ہیں -

و کل شئی عنده بمقدار

(الرعد ۱۳ آیت ۳)

یعنی ہر ایک چیز اس کے ہان اندازہ سے ہے -
و خلق کل شئی فقدرہ تقدیرا

(الفرقان ۲۵ آیت ۲)

یعنی اس نے ہر چیز کو پیدا کیا - پھر اس کیلئے
ایک اندازہ ٹھرا یا -
اور فرمایا -

انا کل شئی خلقناہ بقدر

(القمر ۵۸ آیت ۶۹)

فقدرنا فنعم القادرون

(المرسلات ۷۷ آیت ۲۳)

والارض مددناها والقینا فیها رواسی وابتنا فیها بن
کل شئی موزون

(الحجر ۱۵ آیت ۱۹)

ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق وما کنا عن الخلق
غافلين وانزلنا من السماء ماءً بقدر

(المؤمنون ۲۳ آیت ۱۷ - ۱۸)

وقدر فيها اقواتها

(حم سجده ۱۱ آیت ۱)

هوالذى جعل الشمس ضياءاً والقمر نوراً وقدره منازل
لتعلموا عد السنين والحساب - ما خلق الله ذالك الا بالحق

(يونس ۱۰ آیت ۵)

يعنى وہی ہے - جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور
چاند کو روشن بنایا - اور اس کی منزلیں مقرر کیئیں - تا
کہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو - اللہ نے یہ
حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے -

والشمس تجري لمستقرلها ذالك تقدير العزيزالعليم
والقمر قدرناه منازل

(یاسین ۳۶-۳۸ آیت ۳۹)

يعنى ہم نے ہر ایک چیز کو اندازے سے بنایا ہے -
اور اجرام سماوی جو فضا میں معلق ہیں اور معلق ہونے
کے ساتھ ہی سرعت سے چل رہے ہیں - یہ اس لئے ہیں
کہ ان کے حجم مقرر ہیں اور ان حجم اور اوزان کو اس
رنگ میں بنایا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے سہارے کا
باعث ہیں چنانچہ فرمایا

الله الذى رفع سموات بغير عمد ترونها

(الرعد ۱۳ آیت ۲)

یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا جنہیں تم دیکھتے ہو۔ ان اجرام کے حجم اور ایک دوسرے سے فاصلے اور ان کی رفتاریں ایسے اندازے اور ایسے عالم و قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ کہ ان کے اندر ایک توازن پیدا ہو گیا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے میزان سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا
والسماء رفعها و وضع المیزان

(الرحمان ۵۵ آیت ۷)

اور اس توازن یا میزان نے ایسے غیر مرئی ستون پیدا کر دئے ہیں جو اجرام و کواکب سمایہ کو گر پڑنے سے بچاتے ہیں۔ اس امر کو ذیل کی آیت ایک دوسرے رنگ میں ظاہر کرتی ہے۔
ان الله يمسك السموات والارض ان تزو لا۔

(فاطر ۳۵ آیت ۱)

خدا تعالیٰ نے اجرام سماوی و زمین کو گر پڑنے سے بچا رکھا ہے۔ اہل علم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کائنات کے مطالعہ سے جو علوم تم نے حاصل کئے ہیں انہی کے مطابق قرآن کریم ہے۔ اس لئے کہ کائنات کا خالق و موجد ہی اس کتاب کا مصنف ہے۔

خالق کے فعل میں اور اس کے کلام میں مطابقت کا پایا جانا نہایت ہی لازمی اور طبیعی امر ہے اس وجہ سے قرآن کریم کی تعلیمات تمام علوم طبیعی کے موافق ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ اہل علم کے سینوں میں پہنچے ہی سے موجود ہوں اور اہل علم کے لئے موجب کشش ہوں ۔ اور وہ ان کو مجبور کرتی ہیں کہ اس تعلیم کو اپنائیں اور اسکی تائید کریں ۔ یہ کتاب اسی لئے متعدد بار اعلان کرتی ہے کہ خالق السموات اس کتاب کا مصنف ہے فرمایا تنزیل من رب العالمین اور فرمایا تنزیل من خلق الارض و السموات العلی ۔

(طہ ۲۰۔ آیت ۲)

یعنی کائنات کا خالق ہی اس کتاب کا مصنف ہے اس لئے ضروری ہے کہ یہ کتاب ان علوم کے مطابق ہو جو اس کائنات کے مختلف حصص و مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں ۔ اور یہ رسول بھی اس کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تلقین ان علوم کے موافق ہو جو خدا تعالیٰ نے اس کائنات میں ودیعت کر دکھے ہیں فرمایا ۔

قل يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جمیعا
نالذی له ملک السموات و الارض -

(الاعراف ۷۔ آیت ۱۵)

يعنى اے افراد انسانیت میں تم سب کیلئے اس بادشاہ کی طرف سے پیغام لایا ہوں جو آسمان و زمین کا خالق ہے - الغرض قرآن کریم کے یہ اعلانات اور یہ منطقی قضیے اهل علم کیلئے اپنے اندر ایک خوشخبری رکھتے ہیں - اور یہ اعلانات ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیمات نہ صرف ہمہ گیر ہیں بلکہ یہ تعلیمات ماڈرن ہیں ظاہر ہے کہ قوانین نیچر و اصول کبھی پرانے ہو ہی نہیں سکتے و لن تجدلستہ اللہ تبیدیلاً -

بل ہو آیات بینات کے متعلق ایک لطیفہ

میں نے برلن میں اسلام کی تعلیمات کے مدلل و معقول ہونے پر ایک لیکچر دیا - اسکے اختتام پر ایک جرمن معمراً ڈاکٹر اٹھا اور اس نے بیان کیا کہ میں نے جب سے ہوشی سنبھالا قلب سے عیسائیت کی نامعقول تعلیمات سے متغیر ہوں - میں نے ان تعلیمات کے مقابل پر اپنے تصور میں ایک مذہب

تجویز کیا ہوا تھا آج اس لیکچر سے معلوم ہوا کہ وہ جو میرے دل میں دین کا نقشہ تھا وہی نقشہ قرآن کریم پیش کرتا ہے اس موقع پر جب میں نے یہ آیت تلاوت کی تو اس پر وجد طاری ہو گیا اور اسے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

بل ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم -

کی تائید میں ایک دوسری آیت کا ذکر کرنا مزید دلچسپی کا باعث ہو گا۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن کی تعلیمات کو ضعف پہچانے کی خاطر جد و جہد کریں گے ان کو سوائر ندامت اور عذاب کے اور کچھ نصیب نہ ہو گا بلکہ اس کے بخلاف ان تعلیمات حقانی کے گرویلہ ہوتے چلے جائیں گے - فرمایا

والذین سعوا فی ایاتنا معاجزین اوئیک لهم عذاب من رحز الیم و یرى الذین اوتوا العلم الذي انزل اليک من ربک هو الحق

(السباع ۳۷ - آیت ۵-۶)

جو لوگ ہماری آیتوں کے ہرانے میں کوشش کرتے ہیں ان کیلئے سخت قسم کا درد ناک عذاب ہے۔ اور

وہ جنہیں علم دیا گیا ہے جانتے ہیں کہ وہ جو تیری طرف تیر مے رب کی طرف سے اتارا گیا وہی سچ ہے۔ اس آیت میں عالم غیب انسماوات و الارض خدائی بزرگ و برتر نے یہ بھی اطلاع دے رکھی ہے کہ بعض معاند قرآن کریم کی تعلیمات کے برخلاف زهر اگلینگے لیکن ان کے حصے میں رسولی آئیگی۔ اور اسکے بر عکس اہل علم کو یقین ہوتا جائیگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریات و اصول دین حق و صداقت پر مبنی ہیں۔ اور وہ فطرت انسانی میں مرکوز ہیں۔ اس لئے وہ اس دین کو قبول کریں گے۔

قرآن کی معقول تعلیمات اور بے نظیر ہونیکا دعویٰ

قرآن کریم کا مطالعہ یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ یہ کتاب معقول ہے اور مفید ہے اور یہ کہ اسکی تعلیمات عالمگیر ہیں اور ان میں تنگ نظری و تنگ ظرفی کا شمہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اسکے مضامین میں کسی قسم کا تناقض و اختلاف نہیں ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تالیف کردہ کتاب نہیں ہے انسانی قالیف میں طرح

طرح کے نقص پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ قابل ترین علماء کی تصانیف نقاوں سے پاک نہیں ہو سکتیں لیکن قرآن کریم اس کے برعکس یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ اسمیں متضاد مضامین اور متباؤ نظریات نہیں پائے جاتے جیسے فرمایا

اَفْلَا يَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ غَيْرُ اللَّهِ
لَوْجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء ۸۲ آیت)
کیا قرآن میں تدبیر نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اسمیں بہت اختلاف پاتے

قرآن کریم کے متعلق ایک اور دعویٰ قابل غور ہے اس دعویٰ کے اندر جرات و شجاعت ہے وہ دعویٰ یہ ہے کہ اس کتاب سے بڑھکر کوئی دوسری کتاب نہیں پیش کی جا سکتی جسکی تعلیمات اور جسکے نظریات قرآن کریم کے پیش کردہ نظریات سے زیادہ وسعت والے اور زیادہ حکمت والے ہوں اور وہ کتاب تمام ضروریات انسانی کے متعلق قرآن کریم سے بڑھ چڑھکر بحث کرتی ہو۔ اسمیں روحانیت و الہیات و اخلاق کی ابحاث کے علاوہ اقتصادیات پر بحث ہو

سیاسیات پر بحث ہو۔ سرمایہ داری پر بحث ہو۔ ہیکل و گرجا و مندر و مسجد کے اخبار اور پادری و پنڈت و پیش امام کے متعلق بحث ہو اور اسمیں پنڈت و پروہت و پادری کے منصب کو منسون کرنے کا اعلان ہو اور اس اہم ترین امر پر بحث ہو کہ خدا کی توحید کا تقاضا یہ ہے کہ وحدت انسانی قائم ہو اور ساری انسانیت کا جب خدا ایک ہو تو اسکا دین بھی ایک ہو اور ساری انسانیت میں اخوت و مساوات ہو اور ان کے درمیان پورا عدل و انصاف ہو وہ اعلان یہ ہے۔

قل فا توا بكتاب من عند الله هو اهدى منهما اتبعه

(القصص ۲۸ آیت ۹)

یعنی میرے سامنے قرآن سے بہتر راہنمائی کی تعلیمات کا پرچار کرنے والی کتاب لا کر پیش کرو میں اس کتاب کی اتباع اختیار کرلوں گا۔ اور قرآن کریم کو ترک دونگا کر دونگا۔

یہ یہ نظیر اعلان ہے اور اعلان کرنے والے کی معقولیت پسندی اور دیانت داری کا پتہ دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی یقین دلاتا ہے کہ یہ مرد میں صرف اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے جسکے دل میں

قرآن کریم کی تعلیمات کے حق ہونے کا پورا پورا ایمان و ایقان ہو میں نے اس آیت کا اثر ایک دفعہ اپنے قیام انگلستان میں مشاہدہ کیا تھا۔ جب ایک انگریز کافی عرصہ کے بعد تعلیمات قرآنیہ کا معمول و مفید ہونا یقین کر چکا تو اس نے مجھے کہا میں تو راہ و انجیل کی خلامی کی زنجیر جو میری گردن کے گرد تھی مدت ہوئی کاٹ کر آزادی کا خیال حاصل کر چکا ہو۔ اب قرآن کریم کی رسی اپنی گردن میں پھر سے ڈال لینے سے خائف ہوں اس نے کہا آسمانی کتابوں کو قبول کرنے سے ڈر لگتا ہے کیونکہ ان کی تعلیمات میں وسعت و آزادی و معقولیت نہیں پائی جاتی۔ امن پر میں نے اس شخص کو اسکی تسلی کیلئے یہ آیت سنائی تو اس آیت نے اسکے تمام شہبات و تمام کمزوریوں کو رفع کر دیا اور اس پر ایک وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ نہایت خوشی سے مسلمان ہو گیا اس کتاب کے متعلق یہ دعویٰ بھی پیش نظر رکھنا چاہئیے ولا یا تونک بمثل الا جثناک بالحق و احسن

تفسیرا

(الفرقان ۲۵ آیت ۳۳)

یعنی کوئی اہم مسئلہ ایسا نہ ہو گا جسکا ذکر اور

جسکی و ضاحت ہم نے پہلے ہی سے اس کتاب میں نہ کر رکھی ہو چنانچہ انسانی ضروریات کے تمام مسائل نہایت وضاحت کے ساتھ اس کتاب میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ اور کوئی دوسری آسمانی کتاب اس قسم کا دعوی نہیں کرتی۔

قرآن کریم میں ایک چیلنچ بھی درج ہے وہ چیلنچ یہ ہے کہ قرآن کریم ایک یہ مثل کتاب ہے اور اسکی مثل تیار کرنا بشری طاقت سے باہر ہے اگر تم اس کتاب کو بشر کا کلام خیال کرتے ہو تو تم بھی بشر ہو اس نمونے کی کتاب تیار کر لاؤ۔ اور یہ تو ایلا شخص ہے تم سب ملکر ایسی کتاب تالیف کرنے پر کیوں قادر نہیں ہو سکتے۔ تم سب کے سب اسکو اور اسکے دین کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہو کیونکہ یہ شخص تمہارے بتلوں کا سخت دشمن ہے اور تمہاری روایات و رسومات کو مٹانا چاہتا ہے اسلئے اس شخص کو اور اسکے پیش کردہ دین کو مليا میٹ کر دینے کا طریق یہ ہے کہ تم سب مل کر ایسی کتاب بنا لاؤ۔

وہ چیلنچ یہ ہے

وَ إِنْ كَفَّتُمْ فِي رِيْبٍ مَا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَاتَّوَا بِسُورَةٍ

من مثله و ادعوا شهداء کم ان کتم صادقین -

(البقرہ ۲ آیت ۲۳)

یعنی اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی یہ کتاب تیار کی ہے اور پھر اس کو خدا کی نازل کردہ کتاب کہہ دیا ہے۔ اور تمہاری دشمنی اور تمہاری حمیت نے تمہیں اشتعال بھی دے رکھا ہے کہ اس شخص کا اور اسکے متبوعین کا اور اسکے اسلام کا قلع قمع کر دینا ہے تو اسکے کلام کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ تم میں شاعر موجود ہیں یہردوں اخبار اور نصرانی علماء تمہارے معاون ہیں تم سب مل کر کیوں ایک کتاب تیار نہیں کر لیتے۔ اور اس طرح سے اسلام کو شکست فاش کیوں نہیں دے دیتے۔ لیکن چونکہ قرآن خدا کا کلام ہے اور بشری طاقت سے باہر ہے کہ وہ اس قسم کا کلام تیار کر سکے اس لئے فرمایا۔

و ان لم تفعلوا

اور اگر تم اس قسم کی کتاب تیار نہ کر سکے اور فرمایا
و لن تفعلوا
اور یقیناً تم کبھی بھی اس قسم کا کلام تیار نہ کر

سکو گئے تو پھر اس صورت میں خدا کے عذاب کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ یہ چیلنج آج بھی معاندین کو للاکار کر کہتا ہے کہ اگر تمہارا یہ دعوے ہے کہ قرآن کریم نے پہلی آسمانی کتابوں کے مضامین سرقہ کر لئے ہیں تو وہ آسمانی کتابیں تمہارے پاس موجود ہیں ان کتابوں کے نظریات و اصوات کی بنا پر تم قرآن کے مقابلہ میں کوئی کتاب تیار کر کے لے آو۔ یورپ کے پادری اور میاستدان اسلام کے شدید ترین دشمن ہیں خدا نے ان کو علوم سے بھرہ ور کر رکھا ہے وہ اپنے علوم اور توراة و اناجیل کے علوم کی مدد سے قرآن کریم کی مانند کیا اس سے بلند پایہ کتاب تیار کر کے کیوں نہیں دکھاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ورنہ انہوں نے کبھی کوئی ایسی کتاب تیار کر لی ہوتی جو قرآن کی تعلیمات کو ماند کر دیتی۔

قرآن کریم کی عظمت و فوقيت اهل علم کی نظروں میں

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک لا جواب کتاب ہے اور اس کی فوقيت اور اس کی فضیلت

و عظمت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ کوئی تو یہ اعتراف کرتا ہے کہ توحید کامل کو بیان کرنے والی کتاب اگر کوئی ہے تو قرآن کریم ہے کوئی اس کی اخوت پر فریفته ہے کوئی مدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یقین کرتا ہے کہ انہوں نے تنظیم قومی میں کمال کر دکھایا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ انہوں نے شراب و جواؤ و بدکاری و بت پرستی و توهہم پرستی سے قوم کو پاک و صاف کر دیا ہے۔ کوئی اس امر کے معرفت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبوعین میں مشاہیر علماء و اولیاء پائے جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے عربی لغت کی کتابیں لکھی ہیں وہ قرآن کریم کی زبان کے متعلق یقین کرتے ہیں کہ اس کو تمام عربی علم ادب پر بین فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ عیسائی لغت نویسون نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ نحو میں اور علم معانی میں اور ادب میں قرآن کریم کی آیات سے استشهاد کرتے ہیں ایک نہیں دو نہیں بلکہ تمام کے تمام عیسائی لغت نویسون کا یہی طریق ہے ورنہ اگر قرآن کریم کا درجہ بلحاظ علم ادب کے یا علم معانی کے یا گرامر کے گرا ہوا ہوتا تو وہ

اس کتاب کی ہجو کرتے اور اس کی اغلاط کو مشہور کرنے میں لذت محسوس کرتے لیکن اس کے برعکس کیا بیروت کے عیسائی مصنفین لغت اور کیا مصروف شام کے عیسائی مصنفین تمام کے تمام قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے قائل ہیں اور بار بار آیات قرآنیہ کو اپنے پیش کردہ معانی کی تائید میں درج کرتے ہیں اور اس طرح اپنی تصنیف کی قدر و منزالت کو بڑھاتے ہیں - ان حقائق و شواہد کے پیشو نظر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ عیسائی دنیا اس چیلنج کو قبول کر کے اپنی رسوائی کے سامان پیدا کر لے ۔

یہاں پر ان لوگوں کے نام دئے جاتے ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ وہ انقلاب جو حضور نبی کریم کی تعلیمات کی برکت سے کامل و مکمل طور پر چزیرہ نمائے عرب میں رونما ہوا ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھا دینے کی سعادت سوانحِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کو نصیب نہیں ہوئی کارلائیل نے حضور نبی کریم کی بیخ حد تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی لاجواب کامیابی ان کے اخلاص اور ان کے پیش کردہ معقول و مفید اصولوں کی وجہ سے ہے ۔ ایک اور مصنف ہے جو

حضور پر اعتراضات کرتا ہے لیکن وہ بھی اس محیر العقول کامیابی کی جو حضور کو نصیب ہوئی ہے حد تعریف کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ جو انقلاب قرآن کریم نے پیدا کیا وہ تاریخ میں ہے عدیل ہے ۔ تمام کی تمام قوم کو تبدیل کر دینا سوائے محمد رسول اللہ کے کسی شخص کو نصیب نہ ہوا حضور نے بت پرستی دور کر دی اور اس کی جگہ قوم کو توحید کا قائل کر دیا جاہل قوم کو علم کا شیدا بنا دیا ۔ یہ اس لئے ہوا کہ قرآن کریم عقل کو اپیل کرتا اور علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے ۔ قرآن کریم نے بد اخلاقی کو مٹا کر ان کے اندر اعلیٰ درجے کے اخلاق پیدا کر دئے ۔ اسی طرح سے باسورتھ سمتھ بھی نہایت تعریفی کامات میں اس شاندار کامیابی کا ذکر کرتا ہے ۔ جو رسول کریم کو حاصل ہوئی پامر صاحب نے خصوصیت سے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ عربی شاعر اور مصنفوں بھی قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور مضامین کی طرز کی کوئی کتاب تیار کرنے کی جرأت نہ کر سکے ۔ اور یہ حضور نبی کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے ۔ ہرشیلڈ لکھتے ہیں کہ اتنی جلدی کوئی قوم معراج ترقی پر نہ پہنچ سکی جتنی

جلدی کہ عرب کے لوگوں نے عروج حاصل کیا۔ ڈاکٹر سٹاہن گیس نے قرآن کریم کی فصاحت و بлагت کی اور اس عظیم الشان انقلاب کی جو اس نے اہل عرب میں پیدا کر دکھایا بہت تعریف کی ہے۔

ان سطور کا ماحصل یہ ہے۔ کہ خود یورپیں مصنفین نے بھی قرآن کریم اور حضرت رسول کریم کی قوت قدسی کا اعتراف کیا ہے۔ اور اس بے نظیر کامیابی کا اعتراف کیا ہے جو سرور کائنات کے حصہ میں آئی اور ان کے احسان عظیم کا جو انہوں نے انسانیت پر کیا ہے ہر شخص قادر ہے۔

قرآن ہر رنگ میں دنیا کی تمام کتابوں کا سرتاج ہے۔

ہر ایک مصنف کا طریق عمل یہ ہو رہا ہے کہ کبھی وہ نوٹ لکھتا ہے اور نوٹ کی بناء پر اپنی تصنیف کی عمارت کھڑی کرتا اور کبھی بغیر نوٹ لکھنے کے ہی اپنی کتاب کی تصنیف شروع کر دیتا ہے۔ دوران تصنیف میں کتابوں کے حوالہ جات تلاش کرتا ہے اور موزوں حوالہ جات کو مع ان کی عبارتوں کے کتاب کے اندر درج کر لیتا ہے اور لکھتے بعض حصص کو

قلمزن کرتا چلا جاتا ہے اور بعض غلطیوں کی اصلاح بھی کر لیتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جتنا حصہ لکھ لیتا ہے اس پر نظر ثانی کرتا اور مسودے کے بعض صفحات کو موضوع کے موافق نہ پا کر کاٹ دیتا ہے جب کتاب کا مسودہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو مصنف پھر اس پر ایک عمیق نظر ڈالتا ہے اور بعض عبارتوں کی تحسین کرتا ہے اور بعض کو حذف کر دیتا ہے جب کتاب تیار ہو کر پریس میں جاتی ہے تو اپنے کسی ہمہ خیال کو اس کے پروف پڑھنے کی تکلیف دیتا ہے تاکہ اس کی مدد سے کتاب کے سبق دور کئے جائیں۔ مختصر یہ کہ تصنیف ایک مشکل فن ہے اور اس کے کئی ایک پہلو ہیں۔ اور سب سے مشکل حصہ اصول اور نظریات کا بیان ہے اس بیان میں مصنف کی استعداد و صلاحیت اور اس کی دماغی ترقی کی سطح اور اس کے قابل کی وسعت منعکس ہوتی ہے۔ اس معاملہ میں وہ بس ہے وہ اپنی محدود استعداد و صلاحیت کو خیر محدود نہیں بنایا سکتا۔ وہ اپنی مخصوص طرز فکر کو کوئی دوسرا رنگ نہیں دے سکتا۔ وہ کئی قسم کے تعصبات سے جن میں وہ پہنسا ہوا ہے نیجات نہیں پا

سکیتا۔ نظریات کی بلندی یا پستی اور ان کی تنگ نظری یا وسعت کے علاوہ ان کے لباس کا سوال ہے جس طرح سے لباس کا اثر انسان کی ہیئت پر ہوتا ہے اسی طرح شستہ زبان نظریات کے حسن کو دوبالا کرتی اور ان کو زیادہ مؤثر بناتی ہے۔ نظریات کے لئے موزوں لباس تجویز کرنا تصنیف کا نہایت ضروری حصہ ہے۔ قرآن کریم بلحاظ نظریات کے دنیا بھر کی آسمانی اور زمینی کتابوں کی سرناج ہے۔ یہ امتیازی خصوصیت و فضیلت انسان کے کلام کو قطعاً میسر نہیں آ سکتی قرآن کریم ان کمالات سے اس لئے متصف ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ مشرق و مغرب کے مشاهیر شعراء کے کلام میں شاعر کی حیات کے مختلف پہلو روئما ہوتے ہیں سخن فہم اشخاص فوراً بتا دیتے ہیں کہ یہ کلام آغاز زندگی کے زمانہ کا ہے اور وہ زندگی کے آخری مرحلہ کا۔

ان تمام امور کے پیش نظر ایک غائر نظر قرآن کریم پر ڈالنی چاہئے۔ یہ کتاب اس شخص نے دنیا کو دی جس کو تاریخ اسی لقب بیان کرتی ہے اور جس کی تصدیق قرآن کریم کرتا ہے۔

وَمَا كُنْت تَتَلَوَّ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخْطُطْهُ بِيَمِنْكَ
إِذًا لَأَرْتَابَ الْمُبْطَلُونَ

(العنکبوت ۲۹ آیت ۳۸)

یعنی نہ تو آپ نے کوئی کتاب پڑھی اور نہ ہی کبھی کچھ لکھا اور باوجود اس کے ساری کائنات کا خالق ایک واحد خدا بیان کیا۔ ساری اقوام عالم کا اس کو رب اور محسن بیان کیا۔ خدا کی توحید اور تمام پیغمبروں کی تعظیم کرنا تلقین کیا۔ تمام انسانیت کی ایسی اخوت قائم کی جس نے نسلی امتیازات کو مٹا دیا جس نے کالے گورے کے سوال کو حل کر دکھایا جس نے مشرق و مغرب کے سوال کو نہایت خوبی سے سلجھا دیا جس نے رنگ اور زبان کے مسائل کو حل کر دکھایا۔ پھر یہ شاندار کامیابی ایک اسی لقب شخصیت کے حصہ میں آئی۔ یہ نظریات جو غیر محدود وسعت لئے ہوئے ہیں اور یہ نظریات جو معقولیت کی انتہا کا پتہ دیتے ہیں۔ عیان طور پر مفید نظر آتے ہیں۔ یہ نظریات جو فطرت انسانی کے موافق ہیں انسانی دماغ میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان نظریات کا مبدع و سرچشمہ وہ خدا ہے جو خالق السموات والارض ہے اور جو خالق انسانیت ہے

اصول دین اور نظریات کا اگر یہ عالم ہے تو زبان
کا یہ حال ہے کہ زمانہ حال کے مصنفین بھی
قرآن کریم کو عربی علم ادب کا سرتاج یقین کرتے ہیں
یہ فتوے نہ صرف مسلمان علماء و فضلاء کا ہے بلکہ
غیر مسلم علماء و فضلاء کو بھی یہ اعتراف ہے - مصر و شام
اور بیروت کے عیسائی علماء کی لغت کی کتابوں کا مطالعہ
کریں - وہ لوگ الفاظ کی بحث میں ہر مقام پر
قرآن کریم سے تمسک کرتے ہیں اور اسکے حوالہ جات
کو بطور حکم پیش کر کے اپنے پیش کردہ معانی کی
تأمیل کرتے ہیں - یہ اس لئے ہے کہ قرآن کریم کی
ثناہت ان کے دلوں پر مسلط ہے وہ قرآن کریم کی زبان
کو بلند پایہ یقین کرتے ہیں اور علم و ادب میں اسکو
سب سے بلند مرتبہ پر ممکن پاتے ہیں - الغرض
قرآن کریم کی عظمت ان کے دلوں پر مسلط ہے - لین پول
کی ڈکشنری کو دیکھیں یا اقرب الموارد کو دیکھیں
جو ایک عیسائی کی تصنیف ہیں یہ لوگ فخر سے
قرآن کریم کی آیات بیانات کو اپنے صفحات کی زینت بنانے
ہیں - قرآن کریم کی زبان کا یہ معجزہ ہے کہ دشمن بھی
اسکا گروپدہ ہو چکا ہے - ورنہ عیسائی لغت نویس کیلئے

بہت عمدہ موقعہ تھا کہ وہ صرف و نحو کی غلطیاں آشکارا کرتا اور الفاظ اور محاورات کے غلط استعمال کی تشهیر کرتا اور اس طرح سے قرآن کریم کی تحقیر نہایت موثر طریق پر کر کے اس کو پایہ اعتبار سے گرا دیتا۔ لیکن وہ باوجود خطرناک تعصب کے ایسا نہ کر سکا۔

فالحمد لله رب العالمين -

مسلمان لغت نویسون نے جتنا قرآن کریم کی زبان پر غور کیا اتنا ہی وہ اسپر فریفته ہو گئے۔ تاج العروض اور لسان العرب قرآن کریم کے الفاظ پر اور اسکے محاورات اور اسکے علم معانی پر بحث کرنے میں ایک خاص سرور اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کی زبان کو معيار سے گرا ہوا پاتے یا ان کو اس میں غلطیاں نظر آتیں تو وہ اس پر فدا ہونے کی بجائے اس کو ادنیے درجہ کی کتاب قرار دیتے۔ غرض کہ دونوں عیسائی اور مسلمان مصنفین لغت۔ قرآن کریم کی زبان کے میزان میان کرنے میں رطب اللسان ہیں اور دونوں اس کتاب کو زمانہ حال کی کتاب قرار دیتے ہیں یعنی اسکی زبان اور اسکے محاورات پر انے نہیں ہوئے ورنہ مزبور زمانہ سے زبانوں میں تبدل و تغیر پیدا ہوتا

روہتا ہے۔ جس طرح اس کے اصول اور نظریات غیر متبدل ہیں اسی طرح وہ زبان جسمیں وہ اصول دین اور نظریات ملبوس ہیں۔ وہ بھی غیر متبدل اور غیر متغیر ہے اور اپسا کرنے پر انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ خدا کے قوانین جو نیچر میں کار فرما ہیں غیر متبدل و غیر متغیر ہیں جو پسے فرمایا

ولن تجد لسنہ اللہ تبدیلا

یعنی خدا کے قوانین تغیر پذیر نہیں ہیں۔ اسی طرح ہے روحانیات کے عالم کے لئے جو اصول اس نے تجویز کئے ہیں وہ بھی تغیر پذیر نہیں ہیں۔ الغرض قرآن کریم کے بیان کردہ اصول دین بھی معمتاز حیثیت کے مالک ہیں اور قرآن کریم کی زبان بھی اپنے اندر فصاحت و بلاغت کا معجزانہ ونگ رکھتی ہے اس قسم کی کتاب کا تیار کر لینا انسانی دل و دماغ کی دستوریں سے باہر ہے۔

قرآن کی عظمت کا ایک اور اہم پہلو

اس ضمن میں ایک اور اہم پہلو قابل ذکر ہے۔

قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت اور حسب موقعہ تینیں سال میں نازل ہوا اسمیں یہ حکمت تھی کہ قرآن کریم

کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضور کے ساتھیوں نے اپنے سینوں میں لکھ لیا اور ان کو اس طرح اسکی تعلیمات پر عمل کرنے کا موقعہ بھی میسر آیا جہاں اس کتاب کو عشق و محبت کے ساتھ سینوں میں لکھتے جاتے تھے وہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت ساتھ ساتھ اسکو چمڑے پر، ہڈیوں پر، درختوں کی چھال اور اسکے پتوں اور پتھر پر لکھتے بھی جاتے تھے۔ اس تئیس سال کے عرصہ میں حضرت نبی کریم مختلف حالات میں سے گزرے۔ فقر و فاقہ بھی دیکھا اور بادشاہت کی فراخی بھی دیکھی۔ دشمنوں نے وطن ترک کرنے پر مجبور کر دیا۔ دشمنوں نے لگاتار جنگوں میں مبتلا کر دیا۔ آخرش مظفر و منصور ہو کر اپنے وطن مالوف یعنی مکہ میں بطور فاتح کے داخل ہوئے۔ غیر مسلم قوموں کے لوگ بطور رعیت ان کے ماتحت رہنے لگے۔ غیر مسلموں سے معاہدات بھی ہوئے۔ غیر مسلموں کے قیدیوں سے سلوک کرنے کا موقعہ ملا ان مختلف احوال میں ایک انسان کے خیالات و افکار میں ضرور تغیر پیدا ہوتا ہے۔ قوانین و ضوابط میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے فیصلہ جات پر مختلف

تھا میں کسی ایک دفعہ بھی کسی آیت کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ اگر تبدیلی کرتے تو تمام کے تمام ان افراد کے سینوں میں جنہوں نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہوا تھا کس طرح تبدیلی کر سکتے تھے۔ اور ان پتھروں اور چمڑے کے ٹکڑوں اور درختوں کی چھالوں پر اور ہڈیوں پر جن پر قرآن کریم مرقوم تھا تبدیلی کا اهتمام کرنا پڑتا۔ اول تو یہ ناممکن العمل ہوتا اور اگر بفرض محال اس قسم کا تغیر و تبدل عمل میں آتا تو قوم کے دلوں پر سے قرآن کریم کے مقدس ہونے کا اعتقاد اٹھ جاتا ان کو یقین ہو جاتا کہ حالات کے ماتحت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب میں تبدیلی کرنا جائز سمجھتے ہیں جسکو وہ خدا کا کلام بیان کرتے ہیں۔ لیکن کسی قسم کی تبدیلی وقوع میں نہ آئی حالانکہ سلطنتیں آئے دن اپنے قوانین میں تبدیلی کرتی رہتی ہیں۔ صرف ایک شخصیت ایسی گزری ہے جس نے قرآن کریم کے اصولوں اور احکامات میں تئیس سال کے لمبے عرصہ میں کسی نوع کی تبدیلی نہ کی یہ کس جامع حیثیت کی شخصیت ہے کہ تئیس سال کے

عرصہ میں اسکو اپنے کسی قول اور کسی قاعدے اور کسی
قانون میں تبدیلی کرنے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی
یہ اس لئے ہوا کہ یہ قوانین انسان کے وضع کرده نہیں
ہیں بلکہ یہ اس قادر مطلق عالیم و حکیم خدا کے عطا کرده
ضوابط و قوانین ہیں جس کا علم محيط ہے اور مبرا عن الخطاط
ہے۔

باب چہارم

موجودہ عسائیت قدیم بت پرستوں کے مذاہب کا چربہ ہے۔

اس باب میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ عیسائی مذہب
جو دنیا میں اس وقت رائج ہے۔ حضرت عیسیٰ کا بنایا ہوا
دین نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ بت پرستی ہے جو حضرت عیسیٰ
کی تشریف آوری سے پہلے مصر اور ایران میں بہت زوروں
پر تھی۔ بادشاہ اور انکے حاشیہ نشین اور انکی رعایا سب
کے سب بت پرستی میں ہمہ تن مشغول و مصروف تھے۔
اور انکے پروہت بہت بڑے اقتدار کے مالک تھے۔ بادشاہ
اور رعایا دونوں پر انکا قسلط تھا۔ ہر معاملہ میں انہی
مذہبی رہنماؤں کا حکم طلب کیا جاتا تھا۔ اور اسکی تعمیل
کرنا موجب برکت یقین کیا جاتا تھا۔ اگر مصر و ایران

میں یہ رنگ تھا تو یونان - اٹلی و شام میں بھی مذہب کی یہی شان اور یہی غلبہ تھا - ہندوستان کی بت پرستی تو اب تک پوری طاقت کے ساتھ اپنا تسلط جمائے ہوئے نظر آتی ہے - اس کا موجودہ پریزیدنٹ راجندر بابو بت پرست ہے - پتھر کے بت اور گائے کی پوجا کرتا ہے - یہ بت پرستی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے بہت پہلے کی ہے - ہندوستان میں اس وقت تک تشییث کی طرح تر مورتی موجود ہے یعنی برہما - وشنو اور شوچی ان کے تین خدا ہیں جو عیسائی تشییث کی نسبت قدیم تر ہیں - اور ایران کی بت پرستی بھی قدیم ہونے کا فخر رکھتی ہے - تھوڑے تھوڑے اختلاف کے سوا ان تمام ملکوں کی بت پرستی ایک ہی رنگ کی ہے - ناظرین کی خاطر ان ممالک کے عقاید کا تذکرہ پہاں درج کیا جاتا ہے - یہ نقشہ ڈاکٹر فریزر کی کتاب (Golden Bough by Dr. Frazer) تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے - یہ کتاب گورنمنٹ کالج کی لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے - اور اسی قسم کا تذکرہ جان رابرٹ سن کی کتاب موسومہ (Jhon Robertson Christianity and Mythology) میں بھی موجود ہے - یہ

کتاب صرف پیلک لائبریری میں موجود ہے۔ یہ تذکرہ ایڈورڈ کار پنٹر کی کتاب موسومہ (Pagan and Christian Creed) میں بھی موجود ہے یہ کتاب لاہور کی لائبریریوں میں موجود نہیں ہے۔ ہاں میرے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں نے ان تین ضخیم کتابوں کے علاوہ ذیل کی کتب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

1. Ancient Rome by Cyril Bailey M. A.
2. Ancient Egypt by Dr. Patric.
3. Religion of Ancient Greece by Dr. Harrison.
4. Religion of Ancient Palistine by Stanely A. Cook M. A.

ان کتابوں کے علاوہ ذیل کے مصنفین کے اقتباسات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

C. E. Dupuis, F. Nork, Taylors Devil's Pulpit, R. F. Knight, Dr. Thomas Inman, E. A. Crawley, Plutarch on Isis and Osiris, Professor Drews, Doane's Bible Myths, and Dr. Farnell.

یہ تمام مصنفین عیسائی قوم کے افراد ہیں اور یہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے بلند پایہ مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان تمام علماء و فضلاء کی تحقیقات کا یہ نتیجہ ہے کہ موجودہ عیسائیت حضرت عیسیے کا دین نہیں ہے

بلکہ اس بت پرستی کا چربہ ہے۔ جو مصر، ایران، اٹلی، شام، یونان، وغیرہ میں تھی اور جو حضرت عیسے کی آمد سے صدیوں پیشتر رائج تھی۔

ذیل میں ایک ملک کی بت پرستی کی تفصیلات دی جاتی ہیں تا کہ ناظرین پر یہ روشن ہو جائے کہ ان معالک کی بت پرستی کو عیسائیت نے کس طرح اپنا لیا ہوا ہے۔ رابرٹسن نے ایران کی متھرا ازم (Mithraism) کی تفصیلات بیان کرنے میں حد کر دی ہے۔ اس کا خلاصہ درج کر دینا مناسب ہو گا۔ متھرا ایران کا سورج دیوتا تھا جس کو نجات دہنڈہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ متھرا کے متعلق رابرٹسن نے دو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اسے Mediator اور Saviour اور یہی دو الفاظ ایڈورڈ کارپنٹر استعمال کرتا ہے تا کہ اس مشابہت کو ادا کیا جائے جو حضرت عیسے اور متھرا (Mithra) میں قائم ہو چکی ہے یعنی جو الفاظ بت پرستوں نے اپنے سورج دیوتا کے لئے استعمال کئے تھے بالکل وہی الفاظ عیسائی دنیا حضرت عیسے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔

العجب ثم العجب۔

یہ یوں ہوا کہ متھرا ازم نے ایران میں اس

قدر زور پکڑا کہ باہر کی دنیا بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ حضرت عیسیے کی پیدائش سے ستر سال پیشتر اٹلی کا یہی مذہب تھا۔ وہ اٹلی جہاں حضرت عیسیے کے ارشاد کے مطابق سینٹ پیٹر کا گرجا تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی اٹلی میں متھرا ازم عیسائیت ہر غالباً آگئی اور عیسائیت کے نام سے مشہور ہو گئی اور اس طرح پیٹر کے گرجے کی تعمیر کی غرض و غایت مفقود ہو گئی۔ لکھا ہے متھرا ۲۵ دسمبر کو ایک کنوواری کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ ادھر ادھر وعظ و نصیحت کرتے پھرتے تھے۔ ان کی تلقین سے بارہ حواری ان کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ بارہ حواری سورج دیوتا کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ جب متھرا مر گیا تو اس کو ایک چثان کے اندر دفن کر دیا گیا۔ لیکن وہ مرنے کے بعد جی اٹھا اور اس پر انتہا درجے کی خوشیاں منائی گئیں۔ اس کو Saviour and Mediator کا خطاب دیا گیا اور اس کے جی اٹھنے پر Eucharist کی مذہبی دعوت تجویز کی گئی۔ جو اس کے متبوعین بہت اهتمام سے مناتے رہے اور یقین کرتے رہے کہ اس کے کھانے کے ذریعے سے ہمارا تعلق ہمارے دیوتا متھرا سے ہو جاتا ہے۔ وہ ہماری

خاطر مرا تھا تاکہ ہم کو نجات حاصل ہو - عیسائیت میں بھی یہی یہی Eucharist کی دعوت کی رسیم ہر پڑی گرجے میں منائی جاتی ہے

ایک اور سورج دیوتا کا ذکر سنئے - پلوٹارچ کہتے ہیں مصر کے سورج دیوتا جس کا نام آسی رس (Osiris) تھا وہ موسم سرما میں قتل کر دئے گئے تھے - جس شخص نے ان کو بے وفائی سے پکڑوا�ا تھا اور قتل کروایا تھا اس کا نام (Typhone) ٹائفون تھا۔ یعنی ان کے ہاں بھی ایک یہودہ اسکریوٹی تھا چو بے وفائی کا مرتکب ہوا آسی رس کی نعش کے ٹکڑے کر دئے گئے اور اس نعش کو ایک صندوق میں رکھ دیا گیا لیکن وہ جی اٹھا اور اس کے پوچاریوں نے خوشی یہے یہ نعرہ لگایا (Osiris has risen) یہ وہی نعرہ ہے جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرف منسوب ہوا کہ انہوں نے (Jesus has risen) کا نعرہ لگایا - آسی رس کو چو عذاب دیا گیا تھا اس کو اس کے پچاری نہایت دردناک رنگ میں ایک ڈرامہ کے طریق پر پیش کیا کرتے تھے اور اس کے فوراً بعد اس کے دوبارہ زندہ ہو جانے کا معجزہ سُنج پر نمودار ہوتا تھا - حضرت عیسیٰ کی موت کا روح فرسا واقعہ

عیسائی دنیا میں (Passion) کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان کا دوبارہ جی اٹھنا عید کی سی خوشی کا دن ہے۔ یہ دو متضاد حالتیں فوراً یکرے بعد دیگرے رونما ہوتی ہیں اور دنیا کے عقل و فہم کو ورطہ حیرت میں پہنسا دیتی ہیں ایڈونس (Adonis) ایک اور دیوتا تھا اس کی پیدائش بھی ایک کنواری کے بطن سے ہوئی اس کو بھی ٹائفون نے قتل کر دیا۔ اس پر بہت رونا پیٹنا ہوا اور المناک چیخ و پکار اٹھی لیکن جب وہ موسم بہار میں پھر زندہ ہو گیا تو یہ تحاشا خوشیاں منائی گئیں۔ اسی طرح ایش (Attis) نے بھی ایک کنواری کے بطن سے جنم لیا۔ ایڈونس کی طرح اس کی موت بھی ٹائفون کے ہاتھوں ہوئی اس کی نعش کو ایک دیودار کے درخت کے ساتھ کیلوں سے جڑ دیا گیا تھا۔ ایش کی اس دلگار موت نے اس کے پجاریوں کے دلوں میں اس کی محبت بٹھا دی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ذات کے متعلق نہائت راسخ اعتقاد پیدا ہو گیا۔ اور یہ اعتقاد خود اٹلی میں بھی حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پیشتر پھیل چکا تھا۔

ایک اور دیوتا ہر کولیز (Hercules) کا حال ملاحظہ ہو یہ بھی سورج دیوتا تھے اس کے کارنامے بہت مشہور ہیں ان کی شہرت کئی ایک ممالک میں پہنچی اور ہر جگہ ان کو نجات دہنده (Saviour) یقین کیا جاتا تھا۔ اور ان سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اور یہ اس لئے کہ انہوں نے موت پر فتح پائی اور خود (Hades) یعنی ہاؤیہ میں جا اترے۔ وہاں سے نکل کر آسمان پر چڑھ گئے۔ ہر جگہ ان کی بھگتی ہوتی تھی اور ان سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔

یونان کے ایک اور سورج دیوتا کا نام اپالو (Appolo) بھی ہے۔ اور (Dionysus) وہ بھی ایک کنواری کے ہاں پیدا ہوئے ان کی والدہ کا نام ڈیمیٹر (Dameter) تھا جس کو کسی انسان نے نہ چھوڑا تھا۔

ڈایونیسس کی تاریخ پیدائش

اور رسوم عیسائیت میں

ڈایونیسس دسمبر کی ۲۵ تاریخ کو پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت ایک غار میں ہوئی۔ ان کو سیرو سیاحت کا شوق تھا۔ انہوں نے بنی نوع انسان کو حضرت عیسیٰ کی طرح شراب کا تحفہ عطا کیا۔ ان کو

(Deliverer, Liberator and Saviour) کیا جاتا تھا۔ جب یہ مارے گئے تو ان پر یہ انداز نوہ خوانی ہوئی۔ عورتیں پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی ہوئیں اپنے بال نوچنے لگیں۔ لیکن جب وہ زندہ ہو گئے تو روٹا پیٹنا خوشی میں تبدیل ہو گیا۔ قربانیاں دی گئیں۔ Eucharist کی رسم منائی گئی۔ اور ڈبھ شدہ جانوروں کے ٹکڑے کچے ہی چبائے گئے۔ اس سورج دیوتا کے نام پر مندر تعمیر کئے گئے۔ لیکن ان کے مندر میں ہر کس و ناکس کو نہ جانے دیا جاتا تھا۔ سال میں ایک ایسی رات آتی جب کہ مندر کے دروازے کھولے جاتے۔ اس وقت ڈایونیس کی المناک موت کا نقشہ پیش کر کے پوخاریوں کے دلوں کو رقیق کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ وہ ہمارے لئے دوزخ میں گئے۔ اور پھر دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اس موقع پر دیوتا کا جسم پوخاریوں کے سامنے کھانے کے لئے رکھا جاتا اور وہ اس جسم کو کھا جاتے اور یقین کرتے کہ ہم اور ہمارا دیوتا ایک جان ہو گئے ہیں۔ جس طرح سے آسی رس کا جسم مصر میں ان کے پوخاریوں کے سامنے کھانے کے لئے رکھا جاتا تھا۔ جس کو Eucharist کا نام دیا جاتا تھا۔

تھا۔ اسی طرح بت پرستوں کی وسم کے اتباع ہیں آج یورپ کے گرجاؤں میں مسیح کے گوشت کی بجائے روٹی کے نکڑے پوجاریوں میں باشہ جاتے ہیں۔ اور ان کو شراب پلائی جاتی ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ یہ روٹی کے نکڑے مسیح کا گوشت ہے جو ہم کھاتے ہیں اور شراب انکا خون ہے جو ہم پیتے ہیں۔ آسی رس کے پچاری اور ڈائیونیسس کے پوجاری جانور کا کچا گوشت کھا جاتے تھے۔ اور جانور کے ذبح ہوتے ہی جبکہ وہ تڑپ رہا ہوتا تھا اوگ اسپر پل پڑتے اور تڑپتے تڑپتے اعضا کو کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ یہ اعتقاد ہیساںیوں کے ایک مشہور اور اہم مرکز میں عیسائیت سے پیشتر ہی استحکام حاصل کر چکا تھا۔ اس مشہور اور ابتدائی مرکز کا نام انطاکیہ ہے۔ ان اوگوں کے دلوں میں حضرت مسیح کی پیدائش نے پیشتر اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ڈائیونیسس ہمارا Saviour اور ہمارا Redeemer اور ہمارا Liberator ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ڈائیونیس نے خود ہمارے لئے جان دی اور اس کے خون سے ہمارے گناہ دھونے کئے۔ اس ایمان کو قازہ رکھنے کیلئے وہ ذبح شدہ قربانی کا گوشت اور خون دونوں چٹ کر جاتے تھے۔

پولوس نے عیسائیت کو بت پرستی کا لباس پہنایا
پولوس نے جب تباہی میں شروع کی تو اس کے سامنے
وہ دنیا تھی جو والہانہ طور پر اس قسم کی بت پرستی پر فدا
تھی۔ ان حالات کے پیش نظر پولوس بیچارے کی کون سنتا
تھا۔ اس نے مجبور ہو کر اپنے دین کی خدمت کرنے
کے ارادے سے بت پرستی کا رنگ چڑھا کر عیسائیت کو
پیش کیا۔ پھر یہ بت پرستی عیسائیت کے نام سے
مشہور ہو گئی۔ پولوس نے اس طریق کے اختیار کرنے
کا اعتراف بھی کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں یہودی
کے سامنے یہودی نظر آتا ہوں تاکہ یہودی کو
عیسائی بننا سکوں۔ اور جو غیر یہودی ہیں ان کے
سامنے غیر یہودی کی طرح پیش آتا ہوں تاکہ اسکو
عیسائی بننا مکوں۔ میں انسانوں کو بچانے کیلئے ہر رنگ
اختیار کر لیتا ہوں۔ دیکھو کارتھیوں باب ۹ آیات ۲۰ تا
”میں یہودیوں کیلئے یہودی بننا کہ یہودیوں کو
کھینچ لاوں جو لوگ شریعت کرے تحت ہیں ان کیلئے
میں شریعت کرے ماتحت بننا تاکہ شریعت کرے ماتحتوں
کو کھینچ لاوں اگرچہ خود شریعت کرے ماتحت نہ
تھا یعنی شرع لوگوں کیلئے یعنی شرع بننا تاکہ یعنی شرع

لوگوں کو کھینچ لاؤں اگرچہ خدا کرے نزدیک ہے شرع
نہ تھا۔ بلکہ مسیح کی شریعت کرے تابع تھا کمزوریں
کیلئے کمزور بنا تاکہ کمزوریں کو کھینچ لاؤں میں
سب آدمیوں کیلئے سب کچھ بنا ہوا ہرن تاکہ کسی
طرح سے بعض کو بچاؤں ۶

قرآن کا بیان کہ موجودہ عیسائیت بت پرستوں
کا دین ہے

قرآن کریم نے دنیا کو اطلاع دی ہے کہ عیسائیوں
نے حضرت عیسیے کا دین ترک کر کے بت پرستوں کے
دین کو اختیار کر رکھا ہے۔

فرمایا:

لقد كفَرَ الظِّينُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمٍ وَقَالَ
الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ
لقد كفَرَ الظِّينُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ تَلِيثَةٍ وَمَا مِنَ الْإِلَهِ
إِلَّا وَاحِدٌ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمٍ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَّتْ مِنْ
قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَإِمَّا صَدِيقُهُ كَانَ يَا كَلَانَ الطَّعَامَ قَلْ
أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - قَلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابَ لَا تَغْلُو فِي دِينِكُمْ
غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا هَوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلَّوْا مِنْ قَبْلِ وَأَصْلَوْ كَثِيرًا
وَضَلَّوْا عَنِ سَوَاءِ السَّبِيلِ - المائده ۵۲ آیت ۷۷ تا ۷۸

یقیناً وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔
 یقیناً وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ قین میں کا تیسرا ہے اور معبد تو سوائے ایک معبد کے کوئی نہیں..... مسیح بن مریم صرف رسول ہے اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔ اور وہ دونوں کہانا کہاتے تھے..... کہہ کیا تم اللہ کے سوائے اس کی عبادت کرتے ہو جس کو نہ تمہارے نقصان کا اختیار ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔
 ان آیات میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح توحید کے قائل تھے اور خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے۔ اور اپنے متبوعین کو توحید پر قائم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ جو تقلیت کا عقیدہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کفر پکتیں ہیں۔ وہ ہرگز ایسے عقیدہ کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی

ان کو خدائی کا دعویٰ تھا۔ بلکہ وہ عورت زاد تھے جن کی والدہ ماجدہ کا نام مریم صدیقہ تھا۔ اور وہ دونوں ماں بیٹا مخلوق تھے۔ اور مربوب تھے۔ چنانچہ دونوں اپنی زندگی کے قیام کے لئے کھانے پینے کے محتاج تھے وہ عدم سے وجود میں آئے جس طرح ہر بشر عدم سے وجود میں آتا ہے۔ اور بشر کی طرح ان کو ہر احتیاج لا حق تھی۔ ان کو خدا تصور کر لینا فاش غلطی ہے۔ ہاں وہ رسول تھے۔

قد خلّت من قبله الرسل۔

ان کا رنگ ان کے مقابل کے انبیاء کا سا تھا۔ تورات نے انبیاء کے میعون کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن خدا کے بیٹوں کی تشریف آوری کے متعلق کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ حضرت مسیح نے موسوی شریعت کے پابند رہنے پر زور دیا ہے۔ اور خود بھی شریعت موسوی کے پابند رہے چنانچہ ان کا ختنہ کیا گیا اور ان کو بپتسمہ دیا گیا۔ جن دو رسموں کے ادا کرنے کے بغیر یہودی اعتقاد کے مطابق کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ اور ان کی والدہ ماجدہ نے موسوی شریعت کی اطاعت کرتے ہوئے مسیح کی پیدائش گئے چلتیس دن کے بعد غسل طہارت کیا۔ یہ حالات اس

امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ خدا نہ تھے بلکہ بشر رسول تھے جو بنی اسرائیل کے دوسرے رسولوں کی طرح مخلوق کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے ان کے اپنے متبوعین ان کی طرف بت پرستوں کے عقائد منسوب کرتے ہیں جو بہت بڑا ظام ہے اور فاش گمراہی ہے۔ ان کے متبوعین نے ایسا کیوں کیا؟ یہ ان کی کمزوری ایمان کی وجہ سے ہوا۔ ان کا ماحول نہایت ہی زبردست اور پر شوکت بت پرستی کا تھا جسکا وہ مقابلہ نہ کر سکے بلکہ بت پرستی سے خود متاثر ہو گئے۔ اور ان کے نفس نے ان کو یہ سبق دیا کہ نیک ارادے سے اوگوں کو عیسائی بنانے کی خاطر اپنے عقاید پر بت پرستی کا رنگ چڑھا لو۔ قرآن کریم نے یہ بتا کر کہ اس قسم کی تعلیم کی ذمہ داری حضرت مسیح پر عائد نہیں کی جا سکتی اس نے عیسائی دنیا پر احسان کیا ہے۔ اور اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے ورنہ کسی انسان کی مقدرت میں نہیں ہے کہ وہ چودہ سو سال پہلے اس بات کا علم دے جو آج کے عیسائی علماء و فضلاء کی تحقیقات و عرقیزی سے پایہ

ثبتوت کو پہنچی ہے۔ ایک طرف اس آیت کریمہ کو ماسنے رکھئے۔

یا اهل الكتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تتبعوا اهواء
قوم قد ضلوا من قبل۔ *

اور دوسری طرف عیسائی مصنفین کی تحقیق کے نتائج کو رکھئے۔ اور خود فیصلہ دیجئے کہ آیا قرآن

* حاشیہ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ وَ قَالَتِ النَّصَارَىٰ مُسْكِنُ
اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِآفَوَاهِ
يَضَاهِئُونَ قَوْلَ الظَّالِمِينَ مِنْ قَبْلِهِ۔ (آل التوبہ ۹ آیت ۳۰)
یعنی یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ عزیز خدا کا بیٹا ہے اور انہی کی طرح نصرانیوں کا بھی اعتقاد ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے (لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ذالک قولہم با فواہم یعنی ان کا یہ عقیدہ عقل و فہم کی بناء پر نہیں بلکہ ان کے منه کی باتیں ہیں اور گذشتہ بت پرستوں کے عقیدہ کے مشابہ ہے یہ وہ حقائق ہیں جو قرآن کریم کو خدا کا کلام ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

کریم کا یہ دعویٰ کہ وہ مسحیین ہے اور دوسری آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی حفاظت کرتا ہے سچا ہے یا نہیں ہر مصنف مزاج شخص اس دعویٰ کی سعجائی کی تصدیق کریگا۔ ان حقائق کے پیش نظر قرآن کریم کی طرف یہ لچوبیات منسوب نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان محرف اور مبدل کتابوں سے سرقة کرتا ہے۔ انسیسوں صدی کے عیسائی مصنفین اور بیسوں صدی کے عیسائی مصنفین نے وہ باتیں آشکارہ کی ہیں جو قرآن کریم کے دعاوی کی تصدیق کرتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر فریزر۔ انہیں۔ نایٹ۔ رابرٹسن۔ ہبرلین۔ ٹیلر۔ ایڈورڈ کارپنٹر جو ماہیہ ناز مشاہیر میں سے ہیں۔ اور ان کی تحقیقات کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

نجات دهنده کا نظریہ بہت پرانا ہے۔ بت پرستوں کے ہاں ان دیوتاؤں کی تعداد لاحدود ہے۔ جو کنواریوں کے ہاں پیدا ہوئے اور انہوں نے انسانیت کی نجات کیلئے اپنی جان کی قربانی دی۔ اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر جا پہنچے اور اپنے دوبارہ آنے کی امید انہوں نے خود اپنے الفاظ میں دلائی۔ اندرانے نے تبت اور نیپال میں انسانیت کی Tien کے لئے اپنا خون بھایا۔ چین کے نجات

نے جسکے معنی Holy one کے ہیں انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔ اور ان کے متعلق ان کے معتقدین کا یہ ایمان ہے۔

(Tien, Holy one...“One with God and existing with Him from all eternity)

یعنی ٹین مقدس ہستی ہیں وہ اور خدا ایک ہی ہیں اور وہ خدا کے ساتھ ابد سے موجود ہے۔

مصر کے سورج دیوتا آسی رس نجات دهنده کہلانے اور مصر کے دوسرے سورج دیوتا ہورس (Horus) بھی نجات دهنده کہلانے۔ اور اہل مصر نے ہورس کی تصویر اس کی مان آئی سس Isis کی گود میں بٹھا کر کھویچی اور اس کے مجسمے بنائے۔ اور مان بیٹھے دونوں کی اکٹھی تصویر کو میڈانا کا نام دیا گیا۔ اس مصری میڈانا کا مجسمہ سکندریہ کے مندر میں اس وقت بھی موجود ہے۔

اور اسی شہر اسکندریہ کے عیسائی گرجا میں اسکی نقل کر کے عیسائی میڈانا کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے۔ یہ دونوں آج اسوقت موجود ہیں۔ ظاهر ہے اولیت کا فخر تو ہورس (Horus) اور آئی سس (Isis) کے مجسمے کو حاصل ہے۔ اور عیسائی میڈانا محض مصری میڈانا کا چربہ

ہے۔ عیسائیوں نے جب مصری میدان کی نسبت یہ مشاہدہ کیا کہ لوگ والہانہ طور پر اس میدان کی پرستش کرتے ہیں تو انہوں نے بھی عیسائی میدان کی تصویر اور اس کا مجسمہ اختراع کر لیا ورنہ اس سے پیشتر عیسائی میدان کا وجود نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس کا تذکرہ کسی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ انا جیل میں تو مریم کو کوئی مقام نہیں دیا گیا۔ اگر دیا گیا تو ذلت و حقارت کا مقام دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ ان کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔

”اے عورت تجھے مجھ سے کیا کام“

پھر ان کو اپنی ماں تسلیم کرنے سے گریز کیا اور کہا ”میرے شاگرد ہی میری ماں اور بھائی ہیں“ اور اپنی ماں پر ان الفاظ سے چوٹ لگائی جب کہا میرے بھائی ہن اور ماں وہ ہیں جو میرے خدا کی رضا ہر چلتے ہیں استاد نے جو ماں کا ادب و احترام کیا اس کا اثر شاگردوں پر بھی تھا وہ بھی ان کو قابل تعظیم نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی حالت مسکن اور کسی مپرسی کی تھی ان کی کسی مپرسی کی حالت اس وصیت سے نظر آتی ہے جو حضرت مسیح نے اپنے مصلوب ہونے کے موقعہ پر کی اپنے ایک شاگرد کی طرف نگاہ کر کے کہا

”دیکھ تیری ماں“

اور مریم کی طرف نگاہ کر کے کہا

”دیکھ تیرا بیٹا“

اور وہ شاگرد اس کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ انا جیل میں اس امر کی مزید شہادت بھی ملتی ہے۔ پہلی انجیل میں مرقس حضرت مسیح کی پیدائش کو کوئی وقعت نہیں دیتے اور پیدائش کا ذکر تک نہیں کرتے یعنی اس انجیل میں حضرت مریم کے میڈانا بننے کی بنیاد تک موجود نہیں ہے اور اسی طرح سے یوہنا جنہوں نے چوتھی انجیل سب انا جیل کے بعد لکھی حضرت مسیح کی پیدائش کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس انجیل کی رو سے بھی حضرت مریم کے میڈانا بننے کے لئے کوئی تاریخی اسامن موجود نہیں ہے۔ مؤلفین انجیل کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق اور ماں بیٹے کی مجموعی عظمت کے متعلق کسی قسم کے آثار نہیں پائے جاتے۔ اور پھر تین صدیوں کے گذونے کے بعد میڈانا یعنی مریم بچے کو بازو پر اٹھائے ہوئے آ موجود ہوتی ہے۔ ازان بعد اس اختراع کرده میڈانا کی تصویر اٹلی - یونان - شام - مصر - فرانس - سپین - اور روس میں اس کثرت کے ساتھ پھیلا دی گئی کہ اب کسی عیسائی

کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہ تصویر مصر کے آئی سس (Isis) اور اس کے فرزند هورس (Horus) کی نقل ہے۔ ہاں انیسویں اور بیسویں صدی کے عیسائی مصنفوں نے اس حقیقت کا اکشاف کیا ہے۔ کہ ہمارے عیسائی میدانا مصری میدانا کو دیکھ کر وضع کی گئی تھی۔ اور اسکندریہ میں خود عیسائی بھی مصری میدانا کی زیارت کے لئے اس مندر میں جاتے ہیں جس میں اس مجسمہ کو نصب کیا ہوا ہے۔ آج ہمارے سامنے پوپ نے عیسائیت کے اعتقادات میں یہ اور بھی داخل کر دیا ہے۔ کہ مریم بھی آسمان پر چڑھ گئی ہوئی ہیں۔ چند صدیوں کے بعد عیسائی دنیا یقین کریگی کہ مریم ہمیشہ سے آسمان پر براج رہی ہیں۔

بت پرستوں کی نجات کا نظریہ

اب ذیل میں نجات دہندوں کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہرکولیز (Hercules) جس نے انسانیت کے بچانے کے لئے بہت مشکل کارنامے مرانجام دئے اور انسانیت کی خاطر اپنی جان قربان کر دی۔ اور وہ دوبارہ جی اٹھا اور آسمان پر چلا گیا۔ اسی طرح ایڈونس اور ائس جو سیرویا کے نجات دہنلہ تھے۔ انسانیت کی

خاطر قربان ہوئے - ان کو درخت کے ساتھ کیلوں سے جڑ دیا گیا پھر یہ دونوں قبروں سے جی اٹھے - پرامی تھیوس جس کو انسانیت کا سب سے بڑا محسن سمجھا جاتا تھا کا کیشیا کے پھاڑ پر چٹان کے ساتھ کیلوں سے جڑ دیا گیا تھا - اور ڈائیونیسس کو جو کنواری سیمیلی کے بطن سے پیدا ہوئے اور جن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا - ان کو انسانیت کا نجات دہنده یقین کیا جاتا تھا - هندووں کے ایک نجات دہنده کا تذکرہ ایک عیسائی مصنف بیر گولڈ نے اس طرح کیا ہے -

”ابتدائی هندووں میں سوما دیوتا کی پرستش کا دستور راجح تھا - هندووں کا اس کی نسبت اعتقاد تھا کہ زندگی اور روشنی کا پیدا کرنے والا یہی دیوتا ہے اس نے انسانوں کے ہاں جنم لیا - بعد میں دشمنوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا - پھر وہ اپنی شکتی سے زندہ ہو کر آسمان پر جا براجھے تاکہ تمام دنیا پر کرم کی نگاہ ڈالیں - اور خدا اور انسان کے مابین شفیع ہونے کے فرائض سرانجام دیں -

کنواری کے بطن سے پیدا ہونے والا دیوتا

خدا کا کنواری کے بطن سے پیدا ہونا بھی بہت پرانا عقیدہ ہے چنانچہ ایران - مصر - یونان - شام کے بعض ایسے دیوتاؤں کا ذکر بھی اس سے پیشتر آچکا ہے جو کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تھے - ہندوستان کی تہذیب کو بھی قدیم ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ بعض مهاپرشوں کا جنم کنواری کے ہاں ہوا - چنانچہ مهابھارت میں لکھا ہے کہ ایک راجہ کی کنواری لڑکی کو رشیوں نے اس کی خدمات کے عوض چند ایسے منتر سکھا دئیے تھے - جن کو پڑھ کر وہ جس دیوتا کو چاہے بلا سکتی تھی - ایک دن اس راجکماری نے آزمائش کے طور پر سوریا دیوتا کے بلانے کے لئے منتر پڑھا - وہ دیوتا فوراً ایک حسین نوجوان کی شکل کا روپ دھار کر سامنے آ موجود ہوا - اور کہنے لگا مجھے کیوں تکلیف دی ہے - راجکماری بولی میں نے تو میحسن آزمائش کی غرض سے منتر پڑھا تھا - دیوتا نے کہا اب میں آیا ہوں تو اپنی یادگار بھی چھوڑ کر جاؤں گا لڑکی نے پس و پیش کیا اور عرض کیا دیوتا جی مہاراج

میں بدنام ہو جاؤ نگی - دیوتا نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا
 اے ماہ جبین ڈرتی کیوں ہو - میرے حمل کے رہ جانے
 سے تیرا کنوارہ پن زائل نہ ہو گا - اس راجکماری کے
 ہاں کرن پیدا ہؤا - مہابھارت کی جنگ میں اس بہادر
 کرن نے پانڈو کے مقابلہ پر اپنی شجاعت کے
 جوہر دکھاتے ہوئے جان قربان کر دی - اس راجکماری
 کا نام کنتی ہے جو پانچوں پانڈوں کی ماتا جی
 ہیں -

اسی طرح هندو تاریخ میں ایک خاندان کا ذکر
 ہے جس کو سورج بنسی خاندان کہتے ہیں - اس
 خاندان کا بانی ایک کنواری راجکماری کے ہاں پیدا
 ہوا - یہ راجکماری عشق و عبادت سے ڈوبی ہوئی
 مندروں میں جاتی تھی - اس پر سورج دیوتا مہربان
 ہو گئے چنانچہ وہ حاملہ ہو گئی - اس کا بیٹا
 سورج بنسی خاندان کا بانی ہوا اور ایک دوسری راجکماری
 کے پاس چندر دیوتا تشریف لے آئے - اس کے ہاں جو
 راجکمار پیدا ہوا اس کو چندر بنسی خاندان کا بانی
 قرار دیا گیا - ان تاریخی واقعات کے پیش نظر کسی
 کنواری کے ہاں کسی مہا پرش کا پیدا ہو جانا یا کسی

دیوتا کا پیدا ہو جانا کوئی انوکھی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لحاظ سے بہلا عیسائیت کو ہندو مذہب پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اور ہندو مذہب کی تثیث کے مقابلہ میں عیسائی مذہب کی تثیث کو کونسی فضیلت میسر ہے۔ ہندوؤں کے ہاں برهما وشنو اور شوچی ارکان تثیت ہیں اور عیسائیوں کے نزدیک خدا باپ خدا بیٹا اور خدا روح القدس تثیث کے اقنوں ہیں عیسائی پادری کس منہ سے ہندوؤں کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے ہیں۔ عیسائی پادری تو اپنے بزرگوں کی تقلید میں یہی فتویٰ جاری کرینگے کہ شیطان نے چالاکی سے ہندو کافروں کو عیسائی مذہب کے اصول تلقین کر دئے ہوئے ہیں۔

یوکرائست کی رسم بت پرستوں میں

کیا ہے؟ سورج دیوتاؤں کے مارے Eucharist جانے پر پرلے درجے کے غم و حزن کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اور ان کے جی اٹھنے پر ایک دعوت کا اهتمام کیا جاتا تھا۔ اس دعوت کا نام Eucharist ہے کبھی اسکو Holy Supper کہتے ہیں۔ کبھی اسکو Sacremantal Meal کہتے ہیں۔ اس دعوت Lord's Supper اور

طعام میں قربان کرده جانور کے کچھ گوشت اور خون کو کھایا پیا جاتا ہے اور اب عیسائیت نے اسی رسم کو دوسرا رنگ دے دیا ہے وہ گرجے میں صبح کی نماز کے وقت جسکا نام ہولی کمیونیون (Holy Communion) ہے روٹی کے ٹکڑے اور شراب نوشی کرتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح کا گوشت کھاتے اور ان کا خون پیتے ہیں یہ رسم بھی بہت پرانی ہے جو عیسائیت نے دیگر بت پرستوں سے لیکر اپنے مذہبی ارکان میں شامل کر لی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے۔ اس دعوت طعام کی نسبت بھی عیسائی مصنفین نے ثابت کیا ہے کہ یہ رسم بھی سورج دیوتا کے پرانے پوجاریوں میں ہائی جاتی تھی اور عیسائیت نے اسکو اپنا لیا ہوا ہے۔ رابرٹسن اور کارپنٹر اور دیگر تمام مصنفین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ رسم نہایت ہی غیر معقول اور گنہوںی ہے اس کے تصور سے بھی نفرت اور گھن پیدا ہوتی ہے وحشی بت پرست لوگوں نے تو یقین کر لیا تھا کہ ذبح شدہ جانور کے کچھ گوشت کے کھانے اور خون کے پینے سے ہم دیوتا کے گوشت اور خون کو اپنے اندر لیکر اسکے ساتھ ایک جان ہو جاتے ہیں

لیکن مہذب دنیا کے عیسائی کسطروح سے اس وحشیانہ رسم کو اپنے عبادت خانوں میں پورے اہتمام کے ساتھ سر انجام دیتے ہیں۔ وہ اسکو Holy Supper اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس کے کھانے سے انسان کے اندر طحہارت و تقدیس پیدا ہو جاتی ہے مصری بھی آئی سی رس کی موت اور جی اٹھنے کی یاد میں دعوت طعام کا اہتمام کرتے تھے۔ اس یوکرائیسٹ کا ذکر لارڈ کنگر برو نے اپنی تصنیفات میں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میکسیکو میں بت پرستوں کے ہان Most Holy Supper کی دعوت طعام دی جاتی ہے۔ اور وہ لوگ یقین کرتے ہیں کہ ہم اپنے دیوتا کا گوشت کھا رہے ہیں۔ پیرو Peru میں بھی لوگ اس قسم کا طعام تیار کرتے ہیں اور اس پر ذبح شدہ جانور کا خون چھڑکتے ہیں جسکو پروہت اور دوسرے لوگ نہایت ادب و احترام سے کھاتے ہیں اور اس طعام کا ایک ذرہ بھی نیچے گرنے نہیں دیتے۔ کیونکہ ایسا کرنا گناہ عظیم خیال کیا جاتا ہے۔ ان کا یقین ہے کہ اس طعام کے کھانے سے ہم اور دیوتا ایک جان ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے ہمارے اندر ایک نئی زندگی نمودار ہو جاتی

ہے عیسائی مصنفین میں سے ہر ایک نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عیسائیت نے امن رسم کو بت پرستوں سے مستعار لیا ہے اور اب اس رسم پر اور بیتسہ پر نجات کا مدار سمجھا جاتا ہے۔

مسیحی پیشوؤوں کا اعتراف اور بے علمی کا اظہار اس پر جشن مارٹر اور ٹریٹولین اور سینٹ جیروم نے خفا ہو کر یہ لکھ دیا ہے کہ شیطان نے عیسائیت کے ان پاکیزہ اعتقادات کو بت پرستوں کے جھوٹے خداوں کی عبادت میں داخل کر دیا تھا۔ یہ اس امر کا اعتراف ہے کہ عیسائیت کے اعتقادات میں اور بت پرستوں کے اعتقادات میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور اس مطابقت و مشابہت کے موجود ہونے کی وجہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ شیطان نے صدیوں پیشتر عیسائی اعتقادات بت پرستوں کو سکھا دئے تھے۔ یہ اعتراف کن لوگوں نے کیا ہے! ان لوگوں نے جو عیسائی مذہب اکے پیشوہ ہیں۔ اس لئے یہ اعتراف معنے خیز ہے۔ اس اعتراف پر ڈاکٹر فریزر نے اور رابرٹسن کارپنٹر اور بنجیمین سمتھ نے ان مقدس ہستیوں کے فقدان عقل و فہم پر ماتم کیا ہے۔ کہ یہ لوگ اتنی دانش

کئے مالک نہیں ہیں کہ اتنا تو سمجھ سکیں کہ ہمیشہ متاخرین کے لئے موقعہ ہوتا ہے کہ وہ متقدمین کی نقل کریں۔ لیکن ان پادری بزرگوار ہستیوں کے سوائے آج تک کسی نے یہ بات نہ کہی کہ دادا اور پوتا کی عادات میں مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ دادا نے پوتے سے ان عادات کو وراثت میں پایا ہے۔ ڈاکٹر فریزر اور رابرٹسن کارپنٹر اور بنجیمن سمتھ نے ان عیسائیوں کو بے علم و بے عقل قرار دیا ہے لیکن قرآن کریم نے چودہ سو سال ہوئے بغیر کسی رسیرج کے ان کے متعلق یہ فتویٰ دیا تھا۔

ما لہم بہ من علم ولا لا بائہم

(الکھف ۱۸-آیت ۵)

یعنی عیسائیوں کو اپنے اعتقادات کے متعلق کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے یہ لوگ اس بارے میں بے علم ہیں۔ اور صرف یہی لوگ بے علم نہیں ان کے آباء و اجداد یعنی ٹریولین و سینٹ جیروم و جسٹن مارٹر وغیرہ سب بے علم تھے۔ یہ خدا کی شان ہے یا قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ عیسائیوں نے قرآن کریم کے متعلق پروپاگنڈا کیا تھا کہ اس کتاب نے توراة و انجیل کی تعلیمات کا

سرقة کر کے اپنے صحفات کو مزین کر رکھا ہے اور یا عرب کے بت پرستوں کی خوشنوودی حاصل کرنے کیلئے ان کی رسومات کو بھی اپنے اعتقادات میں جذب کر لیا ہے۔ لیکن یہ الزامات پوری شدت سے اور پوری وضاحت سے ان ہی کے اوپر الٹ ہٹے۔

خلاصہ تحقیقات

عیسائی ماہرین ریسرچ نے اپنی تحقیقات کا خلاصہ ذیل کے الفاظ میں دیا ہے۔ عیسائیت اور اس سے صدیوں پہلے کے بت پرستوں کے جن عقائد میں شدید مشابہت پائی جاتی ہے وہ یہ ہیں -

(۱) دیوتا کی پیدائشی کنواری کے بطن سے -

(۲) یہ پیدائش چرنی میں واقع ہوتی ہے یا

غار میں -

(۳) ان دیوتاؤں کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو

ہوتی ہے -

(۴) ان کی پیدائش کے وقت مشرق میں ایک

ستارہ نمودار ہوتا ہے -

(۵) مقام پیدائش پر ماگی کا پہنچ جانا -

(۶) بچوں کے قتل عام کا حکم سنکر مان کا بچے کو لئے کر کسی دوسرے ملک کی طرف بھاگ نکلنا
 (۷) ایسے تہوار اور میلے جو مارچ اپریل میں منائے جائیں اور ان میں روشن بتیوں کا کثرت سے استعمال کیا جائے جو سورج کی روشنی کے بڑھنے کا پتہ دینے کے لئے جلائی جاتی ہیں -

(۸) موسم بہار کے موقعہ پر Lent

(۹) اور Easter کے تہواروں کا ۲۵ مارچ کے قریب منایا جانا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ سورج خط استواء سے آگے بڑھ گیا ہے -

(۱۰) اور عین اس موقعہ پر یروشام میں بے انداز بتیوں کا فوراً روشن کر دیا جانا -

(۱۱) دیوتا کی موت صلیب پر -

(۱۲) کسی درخت یا کسی چٹان کے ساقہ کیلوں سے جڑ دینے سے -

(۱۳) اس قبر کا خالی پایا جانا جس میں دیوتا کی نعش رکھی گئی تھی -

(۱۴) دیوتا کا پھر زندہ ہو کر جی اٹھنا اور اس پر بے انداز خوشی کا اظہار کیا جانا -

- (۱۵) بارہ حواری یعنی سورج کے بارہ ماہ کا ذکر۔
 (۱۶) بارہ حواریوں میں سے کسی ایک کی بے وفا نی
 کی وجہ سے دیوتا کا پکڑوا دیا جانا۔

قصہ کوتاہ یہ کہ عیسائی مذہب کے اعتقادات کا
 کوئی جزو ایسا نہیں جو دنیا کے بت پرستوں کے اعتقادات
 میں نہ پایا جاتا ہو۔ میکسیکو، چین، ہندوستان و ایران
 کے سورج دیوتاؤں کے پرستاروں کا یہی مذہب ہے اور
 صر و شام و یونان اور اہل روما کا بھی یہی مذہب ہے
 پہ دنیا کی قوموں کی تاریخ ہے۔ جس کی تکذیب نہیں
 کی جا سکتی۔ خود اہل مغرب کے مشہور مصنفوں نے
 اس تاریخ کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ اس کی تکذیب
 اس طرح کر دینا کہ شیطان نے ان قوموں کو ہمارا
 مذہب تلقین کر دیا تھا۔ کوئی تکذیب نہیں بلکہ تصدیق
 ہے۔ اور اس امر کا اعتراف ہے کہ ہاں ہم نے ان مذاہب
 کی تقلید کر لی ہوئی ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو
 قرآن کریم نے عیسائیت کے متبوعین کی نسبت بیان کر دی
 تھی کہ انہوں نے مسیح کے دین کی جگہ بت پرست
 قوموں کے دین کی اتباع اختیار کر لی ہے اور بجائے اس
 کے کہ دنیا کو گمراہی سے بچاتے خود گمراہی میں

پھنس گئے اور بے شمار مخلوق کی گمراہی کا باعث ہوئے جب عیسائی پادریوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ لوگ اپنے عقائد پر روشنی ڈالو تا کہ کوئی دوسرا ان کو سمجھ سکے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ یہ الہیات کے بھیہد ہیں۔ جن کو بیان کرنے سے ہم عاجز ہیں۔ انکو نہ تو تثلیث کے متعلق کوئی روشنی حاصل ہے۔ نہ وہ کفارہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اس کو بیان کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے ان کیلئے یہ امر بھی نہایت ہی مشکل ہے۔ کہ یو کرائٹ یا ہولی سپر کے متعلق کوئی توضیح پیش کر سکیں۔ عیسائیت کے معتقدات کی بنیاد علم و بصیرت پر نہیں ہے یہ اعتقادات روشن خیالی سے ہے بھرہ ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ اعتقادات نہایت ہی قاریک اور نہایت ہی غیر معقول اور نہایت ہی غیر مفید ہیں۔

مغربی مفکرین کی تصانیف نے روز روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے کہ عیسائیت کے اعتقادات کو رانہ تقلید کے سرہون منت ہیں۔ اور اپنے اندر کوئی علمی رنگ نہیں رکھتے۔ بلکہ ان اعتقادات کو علم و عقل کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

مسیحی معتقدین کا احساس اور مغرب میں اسلامی مشنوں کی کامیابی

عیسائیت کے معتقدین کو اپنی اندر ورنی کمزوری کا احساس ہو رہا ہے۔ اور ان کا یہ احساس ان مسلم مشنوں نے اور بھی تیز کر دیا ہے جو وکنگ یا برلن یا امریکہ میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ اور مغربی باشندگان کو حلقہ پگوش اسلام بنارہے ہیں۔ ان مشنوں کی کامیابی کی وجوہات میں سے دو بڑی وجہوں پہ ہیں۔ ایک پہ کہ اہل مغرب کے دلوں میں عیسائیت کے غیر معقول اور غیر مفید ہونے کا احساس ہو چکا ہے۔ اور دوسرا پہ کہ اسلام کا بانی صحیح طور پر اعلان کرتا ہے۔

علیٰ بِصَرِّةَ اَنَا وَ مَنْ اتَّبَعَنِی

(یوہف ۱۲ آیت ۱۰۸)

اعتقادات کے لحاظ سے میں بصیرت پر قائم ہوں اور اسی طرح سے پرمتبعین کے دل ایمان و ایقان کی مضبوطی سے معمور ہیں۔ ان کا حوصلہ بلند ہے۔ اور ان کو یقین تام ہے کہ جتنا بھی کسی قوم یا کسی ملک میں علم زیادہ ہو گا۔ اتنا ہی وہ ملک اسلامی عقائد کا گرویلہ ہو جائے گا۔ یورپ کی زمین تیار ہے۔ بیج بونے اور اس کا پہل کائنے کا فریضہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ تجربہ ہو چکا ہے

کہ یورپ میں لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں اور ان میں سے بعض اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کے محاسن پر کتابیں بھی لکھنے لگ گئے ہیں۔ یہ حالات نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ میرا یقین ہے۔ اگر مسلمان اس طرف توجہ دیں تو نہایت جلد یورپ کا کثیر حصہ مسلمان ہو سکتا ہے۔ اور یورپ کے حصے کا مسلمان ہو جانا دنیائے اسلام کے لئے نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ چاہئے کہ مسلمان اس ضروری اور اہم مسئلہ پر غور کریں اور اس کے لئے تھوڑی می مالی قربانی کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے لئے بہت بڑا اجر ہو گا۔ ووکنگ میں بھوپال کی بیگم شاہجہان کے نام پر ایک مسجد موجود ہے۔ برلن میں احمد یہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی قربانی سے ایک نہایت شاندار مسجد ۱۹۲۳، ۲۴، ۲۵ میں راقم الحروف کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔ اس انجمن نے امریکہ کے مغربی حصہ میں بھی ایک مسلم مشن کھول رکھا ہے۔ ان تینوں مشنوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بہت خدمت سر انجام دی ہے۔ اور کافی تعداد میں ممالک غریبیہ کے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اللهم زد فزد

ان کامیاب کوششوں نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
لاہور کے ارکان کے حوصلے باند کر دئے ہیں۔ اور وہ
ان مشنوں کو ترقی دینے کی فکر میں لگے رہتے
ہیں مسلمانوں کو چاہتے کہ وہ ان سے تعاون کریں۔

تعاونوا على البر والتقوى

اور ان تحریکات میں حصہ نہ لیں جو ان مشنوں کے
مفید کام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

ولا تعاونوا على الاثم والعدوان

جماعت احمدیہ لاہور کے اعتقادات

اور ختم نبوت

جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرتضیٰ غلام احمد صاحب
کو مجدد مانتی ہے اور نبی نہیں مانتی۔ اسلئے کہ
خاتم النبیین کی آیت کریمہ کسی نئے یا پرانے نبی کا آنا
جائزو قرار نہیں دیتی۔ امی طرح حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں جو اس آیہ
موصوفہ کی تفسیر ہیں چنانچہ فرمایا
لا نبی بعدی

یعنی میرے بعد کسی نوع کا نبی نہیں آ سکتا

اور فرمایا

ان النبوة والرسالہ قد انقطعت فلا نبی بعدی ولا رسول

باب نبوت کے مسدود کرنے کی وجہ الیوم اکملت
بیان کر دی ہے۔ دین کے اکمال کے بعد نئے احکام جاری
نہیں۔ کئے جا سکتے یعنی وحی نبوت نازل نہیں ہو سکتی۔
دوسرے الفاظ میں جبریل وحی نبوت لیکر نہیں اتر سکتے۔
جیسا کہ حدیث شریف میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے
کہ خاتم النبیین کے بعد جبریل کا وحی نبوت لیکر اتنا
منقطع کر دیا گیا ہے۔ اور ان النبوة والرسالہ قد انقطع
کے یہی معنی ہیں۔ یعنی نبوت و رسالت کا کوئی پیغام
اتارا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اکمال دین ہو چکا ہے۔ اور
اگر دوبارہ ایک بھی وحی نبوت نازل ہو تو آیہ کریمہ
الیوم اکملت کی تکذیب لازم آتی ہے جو کفر ہے۔ حدیث
ختم بی النبیوں بھی اس امر کی تائید کے لئے بیان فرمائی
گئی تھی۔ اور امیں کی مزید وضاحت کے لئے فرمایا۔

کنت اول الانبیاء خلقاً وآخرهم بعثاً

ان نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کے ہوتے ہوئے دعویٰ نبوت
کرنا کفر ہے۔ اس لئے کہ ایسا کرنا دین کا تختہ الٹ
دینے کے مترادف ہے۔ خود حضور نبی کریم نے بھی اس
قسم کے مدعی کو کذاب فرمایا ہے۔

انہ سیکون فی امتی ٹلشون کذابون کلهم یزعم انه نبی
وانا خاتم النبین لا نبی بعدی

حضرت مرزا صاحب نے جن کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا
جاتا ہے بار بار اعلان کیا کہ میرا دعوے نبوت کا نہیں
ہے۔ بلکہ میرا دعوے مجددیت کا ہے۔ اس لئے جو شخص
میری طرف دعوے نبوت منسوب کرتا ہے۔ وہ افترا کرتا
ہے۔ اور اپسا کر کے عامہ الناس کو بھڑکاتا ہے۔ میں تو
مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا ہوں اور مدعی نبوت کو کافر
و کاذب یقین کرتا اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج
سمجھتا ہوں۔ میرے لئے یہی فیخر کافی ہے۔ کہ میں
آنحضرت کا کفشن بردار ہوں۔ اور ان کا خاک پا ہوں۔
اور جیسا کہ میرے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ میں غلام احمد
ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں نبوت کے اختتام
سے مطلع کیا۔ وہاں اپنے بعد مجددین کے آنے کی خوش
خبری بھی دی ہے۔ فرمایا

ان الله يبعث لهذه الأمة على راس كل مائة سنة من يجدد
لها دينها۔

اور ایک اور حدیث ہے۔ جس میں نبوت کے انقطاع اور
مجددین کے مسلسلہ کو قائم کرنے کی دونوں خبریں موجود
ہیں۔ فرمایا

کانت بنوا اسرائیل تسویهم الانبیاء کاما هلک تبی خلفه نبی
و انه لا نبی بعدی فسیکون خلفاء فیکثرون
یعنی میوے بعد انبیاء کی جگہ مجددین آیا کریں گے۔ آنحضرت
کی جانب سے اتنی صراحت موجود ہوتے ہوئے کسی شخص
کا دعوے نبوت کرنا کفر ہے۔ فرمایا
کان النبی یبعث الی قومہ خاصہ و بعثت الی الناس عامہ
وجہ سے پھلے انبیاء مختص قوموں کے لئے مبعوث ہوتے
رہے ہیں لیکن میں تمام انسانیت کیلئے پیغام لایا ہوں
جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

قل يا ایه الناس انی رسول الله اليکم جمیعاً
بھلا وہ شخصیت جس کی رہالت تمام بنی نوع انسان کے
لئے ہو۔ اس کے بعد کسی نبی کے آنے کی حاجت باقی وہ
جاتی ہے؟ بھلا وہ شخصیت جو روحانیت کے عالم کے
لئے بحیثیت سراجاً و قمرًا منیراً ہو اس کی موجودگی میں
کسی چھوٹے ہوٹے چراغ کی روشنی کی حاجت محسوس کرنا
عقلمندی ہو گی؟ حضرت مسیح صاحب کو جب مجدد
کہا جائے تو اس میں ان کی عزت ہے اور ان کے کارناموں
کے پیشی نظر ان کا ادعا درست ٹھرتا ہے۔ لیکن جو نہیں
ان کو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے تو وہ نظروں سے

گر جاتی ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظهور نبی کے واجب الاحترام ثہرتے ہیں لیکن جب ان کو خدائی کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے تو ان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ بزرگوں کے متبوعین کو اس خطرے سے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ان کے مقام کے بارہ میں غلو کرنا گمراہی ہے اس گمراہی کے طریق سے اجتناب کرنے کے لئے ارشاد الہی موجود ہے۔ فرمایا

يَا أَهْلَ الْكِتَابَ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ
قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلٍ وَأَضْلَلُوا كَثِيرًا

(سورۃ مائدہ آیت ۲۷)

اپنے بزرگوں سے یہ جا محبت رکھنا انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ پھر یہی انسان دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتا اور اپنی عاقبت کو خراب کر لیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ایا کم والغلو یعنی غلو سے بچنا۔ ان واضح احکام اور یہن تنبیہات کے پیش نظر مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ وہ غلو کرنے کو جائز سمجھے۔ ہمکو روزانہ ولاضالین کے الفاظ متنبہ کرتے ہیں اور غلو کا طریق اختیار کرنے سے ڈراتے ہیں۔ فرستادوں کی مخالفت سے انسان مغضوب علیہم میں شمار ہوتا ہے۔ اور ان سے

بے جا محبت کرنے سے الضالین میں شمار ہوتا ہے -
 ربنا لا تزع قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من
 للذکر رحمه انک انت الوهاب